مجموعہ مقالات علمیہ

دربارہ

ایک مجلس کی ۳ تین طلاق

مشتمل بر



- کارروائی سیمینار

منعقدہ نومبر ۱۹۷۳ء۔ احمد آباد (ہندوستان)

- شبہات کا حل
- دعوت فکر و نظر

از مولانا کرم شاہ ازہری آف بھیرہ



يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (القرآن الحکیم)

مجموعہ مقالاتِ علمیہ

درباره

ایک مجلس کی تین طلاق

مشتمل بر

- کارروائی سیمینار منعقدہ نومبر ۱۹۷۳ء - احمد آباد (ہندوستان)
- شبہات کا حل
- دعوتِ فکر و نظر - از مولانا کرم شاہ ازہری آف بھیرہ

ناشر

نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ
اردو بازار
لاہور ۲ فون ۳۲۱۸۶۵

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

تغیرِ مسنون اور نامناسب "تین طلاق" (جس کا پریشان کن رواج ہو چکا ہے) کے مسئلے پر اب سے چھ سال پہلے (نومبر ۱۹۷۳ء) ہندوستان کے مشہور شہر احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) میں ایک مجلس مذاکرہ (سیمینار) کا اہتمام کیا گیا جس میں حنفی اور اہلحدیث کے چند جید اور درد مند علماء شامل ہوئے تھے۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی مدظلہ العالی سربراہ ندوۃ المصنفین دہلی نے صدارت فرمائی تھی۔

اس سیمینار میں اس موضوع پر متعدد تحقیقی مقالے پڑھے گئے اور آخر میں بطور محاکمہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس مجلس مذاکرہ کی روداد بعض ضروری اضافوں کے ساتھ اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے "ایک مجلس کی تین طلاق ـــ کتاب و سنت کی روشنی میں" نامی کتاب کی صورت (اکتوبر ۱۹۷۳ء) میں چھاپ دی تھی۔

علیٰ ہذا پاکستان میں بھی گذشتہ کئی سال اوپر "دعوتِ فکر و نظر" عنوان سے ہمارے ملک کے ایک فاضل اہلِ قلم جناب مولانا کرم شاہ صاحب فاضل جامعہ ازہر آف بھیرہ نے بھی (جو حنفیت کی شاخ) بریلوی مکتبِ فکر کے ایک روشن خیال عالم اور ممتاز راہنما ہیں اس مسئلے میں ایک مختصر مدلل اور تفصیلی مقالہ بڑی درد مندی و دلسوزی سے شائع کر دیا تھا۔

ان مقالات میں اس اہم متنازعہ فیہ مسئلے کے سارے متعلقہ پہلو اور ہر مکتبِ فکر کے دلائل پوری تفصیل سے آگئے ہیں۔ بنابریں علمی مقالات اور تحریروں کا یہ مفید مجموعہ، جمعیۃ اہلحدیث لاہور افادۂ عام کی غرض سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ و صحبہٖ و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً

خاکسار: محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ امیر جمعیۃ اہلحدیث لاہور شہر

(۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مسلمان جن معاشرتی مسائل سے دوچار ہیں اُن میں سب سے ابھرا ہوا مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاق کا ہے جس کو ایک طرف عوام کی جہالت اور نادانی نے اور دوسری طرف علمائے دین کے اختلافات نے کافی مشکل اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہم آئے دن سُنتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں اور بعد میں جب اُسے معلوم ہوا کہ طلاق مُغلظہ ہو گئی ہے تو وہ پچھتانے لگا کہ اس سے یہ کیسی حرکت سرزد ہو گئی۔ خاص طور سے جب وہ اپنے بیوی بچوں کے مستقبل پر غور کرتا ہے تو اُسے بڑی پریشانی ہوتی ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ کسی وقت غصہ میں تین طلاق کے الفاظ زبان سے نکل جانے پر طلاق مغلظہ بائنہ پڑتی ہے تو وہ ہرگز یہ الفاظ زبان سے نہ نکالتا۔ یہ صورتِ حال کم وبیش ہر جگہ پائی جاتی ہے اور ایک وقت کی تین طلاقوں کے نتیجہ میں کتنی ہی زندگیاں تباہ اور کتنے ہی خاندان برباد ہو جاتے ہیں یا پھر حلالہ کرنے کا ناجائز اور گھناؤنا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس لئے اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ سنجیدہ غور وفکر، تحقیق اور شریعت کے دائرہ میں موزوں حل کا متقاضی ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر "تطلیقاتِ ثلاثہ" کے موضوع پر ۴، ۵، ۶، نومبر ۱۹۷۳ء کو اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کی طرف سے ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔

سیمینار میں جو مقالات پیش کئے گئے تھے اُن کو اور بحث وتمحیص کے بعد مجلسِ مذاکرہ متفقہ طور پر جس نتیجہ پر پہنچ گئی تھی اُسے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ مسئلہ کے مختلف پہلو مدلّل طور پر سامنے آسکیں اور لوگوں کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو جائے۔ اس کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ کسی کی تحقیق، رائے یا مسلک کو زبردستی لوگوں پر تھوپ دیا جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ملت جن مسائل سے دوچار ہے اُن کا حل نکالنے اور اختلافات کی خلیج کو کم کرنے کے لئے تحقیق کا انداز اختیار کرنے، مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء،

اور مفکرین کو ایک جگہ جمع کرنے اور بحث و تمحیص کے ذریعہ کسی متفقہ نتیجہ پر پہنچنے کے طریقہ کو بنظرِ استحسان دیکھا جائے گا اور اس کی پوری طرح حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اخیر میں ایک مضمون "طلاق دینے میں اصلاح و احتیاط کی ضرورت" کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ اس سے معاشرتی اصلاح میں مدد ملے جس کی شدید ضرورت کا اظہار مجلسِ مذاکرہ نے بھی اپنے متفقہ بیان میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو ملت کے لئے افادیت کا ذریعہ بنائے۔

حبیب الرحمٰن
اقبال ورق والا (ایڈوکیٹ)
کنوینرز اسلامک ریسرچ سنٹر، احمد آباد

نوٹ:۔ "زندگی" کے طلاق نمبر میں مقالات کے شائع ہو جانے کے بعد جو اعتراضات سامنے آئے اُن کا مدلل جواب چند مقالہ نگار حضرات نے دیا ہے، اس کو بھی اس کتاب کے اخیر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

پیشِ لفظ

از۔ شمس پیرزادہ

تین یکجائی طلاقوں کے ایک یا تین واقع ہونے کا مسئلہ اُن مسائل میں سے ہے جو فروعاتِ دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مسائل میں اختلاف کا پیدا ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں ہے اور نہ اس سے کسی قسم کی گمراہی لازم آتی ہے بشرطیکہ یہ اختلافات شرعی دلائل پر مبنی ہوں اور خواہشات کا ان میں کوئی دخل نہ ہو۔ ایک وقت کی تین طلاقوں نے جو معاشرتی مسائل پیدا کر دیئے ہیں اور اسلام کے معاشرتی نظام کی جو غلط تصویر دنیا والوں کے سامنے پیش کر دی ہے، اس کے پیشِ نظر اس اختلافی مسئلہ پر از سرِ نو غور کرنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا دین و ملت کے مصالح کا صریح تقاضا ہے۔

اسی تقاضے کے پیشِ نظر ایک مجلس کی تین طلاق کے موضوع پر احمد آباد میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا تاکہ ابتدائی طور پر اہلِ علم کی ایک مختصر سی مجلس باہمی مذاکرہ اور بحث و تمحیص کے ذریعہ مذکورہ مسئلہ کا حل تلاش کر سکے۔ الحمد للہ! اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کی یہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی اور سیمینار کے ذریعہ مسئلہ کے مختلف گوشے، موافق و مخالف دلائل اور مجلس کی متفقہ رائے جو اس اختلافی مسئلہ کے حل حیثیت رکھتی ہے سامنے آ گئی۔ قدر دانوں نے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس تاثر کا اظہار کیا کہ اس قسم کے سیمینار دیگر اہم دینی و ملی مسائل مثلاً رویتِ ہلال کا مسئلہ، انشورنس کا مسئلہ وغیرہ پر بھی منعقد ہونے چاہئیں۔ لیکن جو حضرات اپنے مخصوص مزاج اور افتادِ طبع کی بنا پر وسعتِ ذہنی کا ثبوت نہیں دے سکتے اُنہوں نے حسبِ معمول اس مسئلہ کو بھی بحث و جدال کا موضوع بنا کر مناظرانہ انداز کی بحث شروع کر دی۔ ہمیں اس بحث میں اُلجھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ جو مقالات سیمینار میں پیش کئے گئے تھے ان کا منشا تحقیق کرنا اور اپنے نتیجۂ فکر کو پیش کرنا تھا نہ کہ اپنی بات اُلٹے سیدھے طریقہ سے منوانا۔ اس لئے اعتراضات سے ہم اسی حد تک تعرض کرنا چاہتے ہیں جس حد تک کہ مسئلہ کی تنقیح کے لئے تعرض کرنا ضروری ہے۔

مجلس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ:

"ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ اجماعی اور قطعی نہیں ہے۔ اس میں

سلف ہی کے زمانہ سے اختلاف موجود ہے:

اس پر بعض گوشوں سے یہ اعتراض سامنے آیا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی نہیں بلکہ اجماعی ہے۔ لیکن مسئلہ سے متعلق جب اُلجھی ہوئی بحثیں، محدثین کی جرح و قدح اور نصوص کی تعبیر و تشریح میں علماء و فقہاء کے اختلافات سامنے آتے ہیں تو اجماع کے دعوے کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے اور بہ آسانی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے جس میں رایوں کے اختلاف کے لئے پوری گنجائش موجود ہے۔

اسلامک ریسرچ سنٹر نے مقالہ نگار حضرات کو جو سوالنامہ بھیجا تھا اس میں ایک سوال اجماع کے بارے میں بھی تھا:

"کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے؟"

اس سوال کا جواب مدلل طور پر ہر مقالہ نگار نے دیا ہے۔ ان جوابات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں سلف ہی کے زمانہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا اجماع کا دعویٰ کر کے لوگوں کو مرعوب تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اجماع ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کتنے ہی مسائل میں اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ اجماعی نہیں ہوتے۔ چنانچہ امام احمدؒ سے یہ قول منقول ہے کہ:

وما یدعی فیہ الرجل الاجماع ھو الکذب "جس مسئلہ میں آدمی اجماع کا دعویٰ کرتا ہے اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے
من ادعی الاجماع فھو کذاب لعل الناس جو شخص بھی اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ ممکن ہے لوگوں نے
قد اختلفوا۔ ما یدریہ ۔ ولم ینتہ الیہ اختلاف کیا ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو۔ اس کے بجائے
فلیقل، لا نعلم الناس اختلفوا۔ اسے یوں کہنا چاہیے کہ: لوگوں کے کسی اختلاف کا ہمیں علم نہیں۔"

(علم اصول الفقہ، لعبد الوہاب خلاف۔ ص ۴۹)

امام شوکانیؒ نے بھی امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

من ادعی وجوب الاجماع فھو کاذب۔ "جو وجوب اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے"

(ارشاد الفحول۔ ص ۶۴)

پھر اجماع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجماعِ صریح اور دوسرا اجماعِ سکوتی۔ اجماعِ صریح یہ ہے کہ وقت کے تمام مجتہدین کسی بات پر متفق ہو جائیں اور ان میں سے ہر مجتہد صریح طور سے اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اور اجماعِ سکوتی یہ ہے کہ وقت کے بعض مجتہدین اپنی رائے کا صراحتہً اظہار کریں اور بقیہ مجتہدین سکوت اختیار کریں۔

اکثر جس چیز کو اجماع کہا جاتا ہے وہ اجماعِ سکوتی ہی ہوتا ہے۔ لیکن اجماعِ سکوتی سے شرعی حجت قائم نہیں ہوتی۔ چنانچہ حنفی اصولِ فقہ کی کتاب نور الانوار میں ہے:

ویسمّٰی ھٰذا اجماعاً سکوتیاً وھو مقبول عندنا وفیہ خلاف الشافعیؒ ۔ "اسے اجماعِ سکوتی کہا جاتا ہے جو ہمارے یہاں مقبول ہے، لیکن امام شافعیؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے"

(نور الانوار۔ ص ۲۱۷)

الاستاذ عبدالوہاب خلاف لکھتے ہیں:۔

"پہلی قسم جو اجماعِ صریح کی ہے، وہی اجماعِ حقیقی ہے اور جمہور کا مسلک اسی کے حجتِ شرعیہ ہونے کا ہے۔ رہی دوسری قسم یعنی اجماعِ سکوتی تو ایسا اجماع اعتباری ہے کیونکہ سکوت اختیار کرنے والے کے بارے میں یقینی طور سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس سے متفق ہے۔ اس لئے یقینی طور پر اتفاق اور اجماع کا انعقاد ثابت نہیں ہوتا۔ اس بنا پر اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک ایسا اجماع حجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا کہ یہ رائے صرف چند مجتہدین کی ہو"

(علم اصول الفقہ۔ ص ۵۱)

فقہ الزکوٰۃ کے مصنف یوسف القرضاوی نے بھی اجماع کو لائقِ احترام قرار دیا ہے جو متیقن ہو۔ رہا وہ اجماع جس کا محض دعویٰ کیا جائے تو اس کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

"اس سے اگر ہم کسی دلیل کی بنا پر اختلاف کریں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ فی الواقع اجماع نہیں ہے" (فقہ الزکاۃ۔ ج ۱، ص ۲۶)

موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں:

"شریعت میں تغیر نہیں ہوتا لیکن فقہ میں تغیر ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت اللہ کی وحی ہے لیکن فقہ، فتویٰ اور قضاء لوگوں کا عمل ہے۔ (فقہ الزکاۃ۔ ج ۱، ص ۳۲)

اجماع کے سلسلہ میں فقہاء نے جو شرائط بیان کی ہیں وہ بھی بڑی سخت ہیں۔ مثلاً کسی ایک مجتہد کے اختلاف کو بھی اجماع میں مانع تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں ہے:

والشرط اجماع الکل وخلاف الواحد مانع "سب کا متفق ہونا شرط ہے۔ اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو وہ اجماع"

كخلاف الأكثر (نورالانوار۔ ص ۲۱۹) اسی طرح مانع ہوگا جس طرح کہ اکثریت کا اختلاف مانع ہوتا ہے:

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

"اگر ایک مجتہد نے بھی اختلاف کیا ہو تو جمہور کے نزدیک نہ اجماع ہوگا اور نہ حجت" (ارشاد الفحول ص ۸۸)

پھر ثبوتِ اجماع کے لئے جمہور کے نزدیک شرط یہ ہے کہ تواتر سے ثابت ہو۔ اہلِ مدینہ کے اجماع کو بھی جمہور حجت تسلیم نہیں کرتے۔

ان تصریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مسئلہ پر اجماع ثابت کر دکھانا آسان نہیں ہے، اور اگر کسی اجتہادی مسئلہ میں اجماعِ سکوتی کا ثبوت مل بھی جائے تو اس کے حجت ہونے ہی پر جب اجماع نہیں ہے تو اس سے شرعی حجت کس طرح قائم ہوگی؟

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نہ قرآن کی کوئی صریح نص ہے، نہ کوئی ایسی حدیث جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، اور نہ ہی اجماع ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ قرآن و سنت کے نصوص کی تعبیر اور اجتہاد و استنباط سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں اختلاف چلا آرہا ہے اور ایک مسلک مستقلاً اہلِ حدیث کے نام سے موجود ہے جو ایک وقت کی تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق تسلیم کرتا ہے۔ اگر چار مسلکوں کو برحق تسلیم کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پانچویں مسلک کو بھی برحق تسلیم نہ کیا جائے جبکہ اس کی پشت پر علامہ ابنِ تیمیہؒ اور علامہ ابنِ قیمؒ جیسے مجتہدین ہوں۔ لہٰذا ہر قسم کی تنگ نظری اور مسلکی عصبیت کو طلاقِ مغلظہ دیتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس مسئلہ کو اس طور سے پیش کرنا چاہئے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور دلائل دونوں طرف ہیں۔ اگر کوئی شخص تین یکجائی طلاقوں کو ایک قرار دینے والے مسلک کو اختیار کرتا ہے تو اس کی پوری گنجائش اسلام کے اندر موجود ہے اور اس سے کوئی گمراہی ہرگز لازم نہیں آتی۔

ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ پر مجلس مذاکرہ کی متفقہ رائے

اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد (گجرات) کی دعوت پر احمد آباد میں ۴، ۵، ۶، نومبر ۷۳ء کو "ایک مجلس میں تین طلاق" کے موضوع پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ اس مجلس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے فرمائی۔ مفتی صاحب موصوف کے علاوہ اس مجلس میں درج ذیل علماء کرام نے شرکت فرمائی:۔

(۱) مولانا محفوظ الرحمن صاحب (فاضل دیوبند) مدرس مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں

(۲) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، مدیر "برہان" دہلی

(۳) مولانا مختار احمد صاحب ندوی ناظم جمعیۃ اہل حدیث بمبئی

(۴) مولانا عبدالرحمن صاحب ابن شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی

(۵) مولانا سید احمد صاحب عروج قادری مدیر ماہنامہ "زندگی" رام پور (یوپی)

(۶) مولانا سید حامد علی صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند دہلی

(۷) مولانا شمس پیرزادہ صاحب امیر جماعتِ اسلامی مہاراشٹر اسٹیٹ

اسلامک ریسرچ سنٹر نے ان حضرات کے علاوہ متعدد دوسرے علماءِ کرام کو بھی مدعو کیا تھا، مگر وہ اپنی مختلف معذوریوں کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔

اسلامک ریسرچ سنٹر نے ان حضرات کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھی ارسال کیا تھا جو صفحہ ۱۸ پر درج ہے۔

یہ مجلس مذاکرہ "گجرات چیمبر آف کامرس ہال" احمد آباد میں منعقد ہوئی جس میں مذکورہ بالا سات حضرات نے اپنے تحقیقی مقالے پیش فرمائے۔ ان مقالات میں مسئلہ مذکورہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت کی روشنی میں مدلل بحث کرتے ہوئے اپنا اپنا نقطۂ نظر واضح کیا گیا تھا۔ مقالات میں مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی تھی۔

صدرِ مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی اپنی مصروفیات کے باعث

مقالہ مرتب نہ کرسکے تھے اس لئے انھوں نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے جس میں دوسرے قیمتی مشوروں کے علاوہ نقطۂ اتفاق تلاش کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ تقریر کے بعد مسئلۂ مذکور پر بحث و تمحیص کا آغاز ہوا جس کے بعد مجلسِ مذاکرہ متفقہ طور پر حسبِ ذیل نتیجہ پر پہنچی :-

۱۔ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ اجماعی اور قطعی نہیں ہے۔ اس میں سلف ہی کے زمانے سے اختلاف موجود ہے۔

۲۔ فقہی جزئیات و تفصیلات سے قطعِ نظر مندرجۂ ذیل دو صورتوں کے بارے میں مجلسِ مذاکرہ کی رائے یہ ہے :

(الف) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی، میں نے طلاق کا لفظ تاکید کے لئے دہرایا تھا تو اُس کی اس بات کو باور کیا جائے گا اور یہ طلاق، طلاقِ مغلظہ بائنہ شمار نہ ہوگی۔

(ب) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے "تجھے تین طلاق" مگر وہ حلفیہ بیان دیتا ہے کہ میری نیت تین طلاقیں دینے کی نہیں تھی، میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تین طلاق کا لفظ کہے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے میں نے تین طلاق کے الفاظ استعمال کئے تھے، تو اُس کی بات باور کی جائے گی اور یہ طلاق، طلاقِ مغلظہ بائنہ شمار نہ ہوگی۔

۳۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو طلاق کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور اُن پر واضح کیا جائے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا طریقہ بدعت و معصیت اور عورت کے حق میں ظلم و زیادتی ہے۔ طلاق کے اس غلط طریقہ سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہئے۔ اور طلاق دینا ضروری ہی ہو تو ایک طلاق پر بس کرنا چاہئے اور یہ طلاق بھی عورت کی پاکی کی حالت میں دینی چاہئے جس میں شوہر نے اُس سے مقاربت نہ کی ہو۔

دستخط

۱۔ محفوظ الرحمٰن ۲۔ سعید احمد اکبرآبادی ۳۔ مختار احمد ندوی ۴۔ سید احمد قادری ۵۔ عبدالرحمٰن رحمانی

۶۔ حامد علی ۷۔ شمس پیرزادہ ۸۔ عتیق الرحمٰن عثمانی (صدر مجلسِ مذاکرہ)

تطلیقاتِ ثلاثہ

سوالنامہ

سیمینار میں حصہ لینے والوں کی خدمت میں ایک سوالنامہ روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے مقالات اس کی روشنی میں مرتب فرمائیں۔ مذکورہ سوالنامہ کا مضمون درج ذیل ہے۔

عام طور سے لوگ جہالت اور شرعی احکامات سے ناواقفیت کی وجہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں جب طلاق کے مغلظہ ہونے کا فتویٰ ملتا ہے تو وہ پچھتانے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میری نیت تین طلاق دینے کی نہیں تھی، محض تاکید کے طور پر طلاق کا لفظ تین مرتبہ دُہرایا تھا اور کوئی کہتا ہے کہ تین طلاق کے الفاظ میں نے اس لئے استعمال کئے تھے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

پھر ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دینے کے بعد حلالہ کرنے کی قبیح صورتیں تجویز کی جاتی ہیں اور ناروا حیلے تلاش کئے جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال نے ایک طرف تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مشکلات پیدا کردی ہیں اور دوسری طرف مسلم پرسنل لا اور اسلامی نظامِ معاشرت کے مخالفین اس صورتِ حال سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کا سہارا لے کر دین پر حرف زنی کرتے ہیں۔ اس لئے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مسئلہ کا کوئی حل تلاش کرنا ہے۔

مجلسِ مذاکرہ کے لئے جو ۴، ۵ اور ۶ نومبر ۱۹۷۳ء کو احمد آباد میں منعقد ہو رہی ہے آپ جو مقالہ مرتب فرمائیں گے اس میں اپنے نقطۂ نظر کو مدلل طور پر پیش کرنے کے ساتھ درج ذیل سوالات کے جوابات بھی عنایت فرمائیں تو مناسب ہوگا۔

(۱) کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دُہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہو کہ

میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی ؟

(۲) کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے، لفظِ "تین" کی صراحت کے ساتھ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین کا لفظ جب تک استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں۔ اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک ؟

(۳) کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے ؟ اگر نہیں تو اُن علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔

(۴) آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا کیا حل ہے ؟ اسے ایک شمار کیا جانا چاہئے یا تین ؟

محمد حبیب الرحمٰن
اقبال ورق والا ایڈوکیٹ
کنوینر زاسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد

سیمینار کی کارروائی

ستمبر ۷۳ء میں اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر "طلیقاتِ ثلاثہ" کے موضوع پر ایک سیمینار کرنے کا فیصلہ کیا اور ملک کے سُلجھے ہوئے علمائے کرام کو دعوت نامے جاری کر دیئے جن کے جوابات بہت حوصلہ افزا موصول ہوئے۔ متعدد علماء نے اراکین سنٹر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے جدید حالات و ضروریاتِ زمانہ کے پیشِ نظر فقہی مسائل میں غور و فیصلہ کی شدید ضرورت کا اظہار کیا۔

سیمینار کے لئے ۴، ۵، ۶، نومبر ۷۳ء کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ جوں جوں تاریخیں قریب آتی گئیں، احمد آباد کے نوجوان مستعدی سے انتظامات میں لگ گئے اور ایک ٹیم ورک کی طرح کام شروع کر دیا۔ سیمینار کے لئے گجرات چیمبر آف کامرس کا شاندار ہال Engage کیا گیا تھا، جہاں نشست کا نہایت معقول انتظام اور پُرسکون ماحول تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مقررہ تاریخ کو مدعو علماء حضرات تشریف لے آئے جن کا قیام احمد آباد کی نہایت مخیر اور علم دوست ہستی جناب مغل صاحب کے وسیع مکان میں رہا۔

سیمینار ۴، ۵، ۶، نومبر کو انعقاد پذیر ہوا جس میں حصہ لینے والوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب — صدر آل انڈیا مسلم مجلسِ مشاورت

۲۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب — ایڈیٹر ماہنامہ "برہان" دہلی

۳۔ مولانا سیّد احمد عروج قادری صاحب — ایڈیٹر ماہنامہ "زندگی" رامپور

۴۔ مولانا مختار احمد ندوی صاحب — صدر جمعیۃ اہلِ حدیث بمبئی

۵۔ مولانا سیّد حامد علی صاحب — سکریٹری جماعتِ اسلامی ہند

۶۔ مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی صاحب — استاذ مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں

۷۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب

۸۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب — امیر جماعتِ اسلامی مہاراشٹر

صدارت کے فرائض مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے انجام دیئے، مذاکرہ کا افتتاح مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کی تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جناب حبیب الرحمٰن صاحب امیر جماعتِ اسلامی احمد آباد نے مذاکرہ کی غرض وغایت بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ یوں تو متعدد مسائل ہیں جو جدید حالات وضروریاتِ زمانہ کے پیشِ نظر مسلم عوام کے لئے الجھن اور پریشانی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہم نے ایک مجلس میں تین طلاق کے مسئلہ کو فوقیت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ کی صحیح واقفیت نہ ہونے اور مناسب رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس کی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر تین طلاق دے بیٹھتے ہیں اور پھر جب پشیمانی ہوتی ہے تو مختلف حیلوں بہانوں سے اپنی مطلب برآری کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ شریعت کے اس مختلف فیہ مسئلہ پر بحث وگفتگو کے لئے ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی جائے جس میں ملت کے مختلف مکاتبِ فکر کے اصحابِ علم اور صائبُ الرائے علماء کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ جدید معاشرتی تقاضوں کے پیشِ نظر زیرِ بحث مسئلہ میں اتفاقِ رائے سے کوئی فیصلہ کریں۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد نے آپ حضرات کو تکلیف دی ہے۔ میں سنٹر کی طرف سے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ اتحاد واتفاق کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنی تقریر میں مذاکرہ کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ: اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد کے ذمہ داران قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے وقت کے ایک اہم مسئلہ پر اُمت کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ واقعۃً ہماری اولین توجہ کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کے مناسب حل کے سامنے نہ ہونے کے باعث مسلم معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں رُونما ہو رہی ہیں؛ جس کی چند مثالیں مولانا نے پیش کیں۔

مولانا سید احمد عروج قادری صاحب نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا: دینِ اسلام کے معاشرتی مسائل جُڑے ہوئے ہیں اس کے عقائد سے۔ لہٰذا توحید، آخرت اور رسالت کی حقیقت کو اچھی طرح مسلمانوں کے ذہن نشین کرایا جائے تو اس طرح کے معاشرتی مسائل بھی آسانی کے ساتھ

حل ہوں گے۔ مذکورہ بنیادی عقائد اور اُن کے تقاضے اچھی طرح ذہن نشین ہوں تو طلاق کے معاملہ میں بھی لوگ ٹھیٹ اسلامی طریقہ طلاق کو اختیار کریں گے اور اُس طریقہ کو چھوڑ دیں گے جو آج کل معاشرہ میں رواج پاچکا ہے اور جس کے بعد پشیمانی ہوتی ہے"

مولانا مختار احمد ندوی صاحب نے بھی موضوعِ زیرِ بحث پر سیمینار منعقد کرنے پر احمد آباد کے لوگوں کی تحسین فرمائی اور علماءِ کرام سے اپیل کی کہ وہ مسلک کے اختلافات سے ہٹ کر اس اہم مسئلہ میں اعتدال کی راہ اختیار فرمائیں۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ: "میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک مختلف فیہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اُمت کے مختلف الخیال علماء جمع ہوگئے ہیں اور اس سلسلہ میں اسلامک سنٹر قابلِ مبارکباد ہے کہ اُس نے ایک مختلف فیہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک بہت ہی سنجیدہ، باوقار اور علمی طریقہ اختیار کرنے کی داغ بیل ڈالی"۔ آپ نے معاشرتی خرابیوں کے چار اہم اسباب کا ذکر کیا:۔ (۱) روایت پرستی (۲) فقہی موشگافیاں (۳) اجتہاد کا دروازہ بند کرنا (۴) کسی ایک فقہی مسلک سے چمٹ کر رہ جانا۔ آپ نے کہا "ہمارے علماء جب تک کھلے ذہن کے ساتھ اور براہِ راست قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل پر غور نہیں کریں گے، ملت کے پیچیدہ مسائل کا کوئی حل نہیں نکل سکے گا"

سیمینار کی اس افتتاحی نشست میں مہمان علماءِ کرام کے علاوہ شہر کے پڑھے لکھے باشعور حضرات نے بھی شرکت کی اور اہلِ علم کی تقاریر کو غور سے سنا۔ اس کے بعد دوپہر میں مقالات کی خواندگی کا دور شروع ہوا جو دوسرے دن تک جاری رہا۔ پہلا مقالہ مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی (مالیگاؤں) نے پیش کیا۔ اس کے بعد علی الترتیب مولانا عروج قادری صاحب، مولانا شمس پیرزادہ صاحب، مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحب، مولانا مختار احمد ندوی صاحب، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب اور مولانا حامد علی صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے پیش فرمائے۔ ان مقالات میں مسئلہ مذکورہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب وسُنت کی روشنی میں مدلل بحث کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر واضح کیا گیا تھا اور مختلف فقہی نقطہائے نظر کی ترجمانی کی گئی تھی۔

صدرِ مجلس مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اپنی مصروفیات کے باعث مقالہ مرتب نہ کر سکے تھے، لہٰذا موصوف نے مقالات کی خواندگی کے اختتام پر تقریر کی شکل میں اپنے خیالات پیش فرمائے۔ صدارتی تقریر کے بعد مسئلہ مذکور پر بحث وتمحیص کا آغاز ہوا اور درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(۱) مولانا سید حامد علی صاحب (۲) مولانا عروج قادری صاحب (۳) مولانا شمس پیرزادہ صاحب

مذکورہ کمیٹی نے اپنی نشست میں بحث کے بعد بیان کا مسودہ تیار کیا جو ۱۶ نومبر کے صبح کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ شرکائے اجلاس نے اس پر غور وبحث اور ترمیم واضافہ کے بعد اسے آخری شکل میں متفقہ طور پر منظور کیا اور اس پر آٹھوں شرکائے مجلس نے اپنے دستخط ثبت کئے۔ مجلس کا یہ بیان صفحہ نمبر ۹ پر درج ہے۔

اس کے بعد شرکاء کی طرف سے آئندہ مجلسِ مذاکرہ کے سلسلہ میں مشورے سامنے آئے۔ مسائلِ حاضرہ پر کتاب وسنت کی روشنی میں اجتماعی طریقہ سے غور وبحث کے ذریعہ نقطۂ اتفاق تلاش کرنے کو علماء حضرات نے پسند کیا اور اس خیال کا اظہار فرمایا کہ آئندہ جو سیمینار منعقد کئے جائیں وہ درج ذیل موضوعات پر ہوں:۔

۱۔ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ

۲۔ سرکاری اداروں سے سود پر قرض حاصل کرنے کا مسئلہ

۳۔ نس بندی اور تحدیدِ نسل کا مسئلہ

۴۔ فوٹو کا مسئلہ

اس کے بعد جناب حبیب الرحمٰن صاحب کنوینر اسلامک ریسرچ سنٹر نے شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

مرتب
عبدالرحمٰن شیخ

تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ

از

مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی

فاضلِ دیوبند، مدرس مدرسہ بیت العلوم، مالیگاؤں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلاق ثلاثہ کے موضوع پر غور و فکر کرنے کے لئے میرے نزدیک چار بنیادیں ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد ہمیں فیصلہ کرنا چاہیئے کہ ہمارے لئے موجودہ حالات میں کون سا راستہ زیادہ قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔

۱۔ کیا تین طلاق کو ایک سمجھنے کا خیال دورِ نبوت سے ہی آ رہا ہے؟ اور کیا احادیث میں اس کے لئے کوئی بنیاد موجود ہے یا نہیں؟ اگر اس کی بنیاد موجود ہے اور دورِ نبوت سے ہی بحث و گفتگو کی گنجائش چلی آ رہی ہے تو اب ہمارے لئے اور مسئلوں کی طرح یہاں بھی دیکھنا ہوگا کہ ہمارے معاشرے سے کونسی صورت زیادہ مناسب ہے، اس کو اختیار کر لیا جائے۔

۲۔ غور و فکر کی دوسری بنیاد یہ کہ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شئے ہے؟ اگر نہیں تو کیوں نہ ایسی شکل پر غور و فکر کیا جائے جو سنّت کے مطابق اور شریعت کے منشا کے عین مطابق ہو۔

۳۔ غور و فکر کی تیسری بنیاد، کیا فقہِ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اقوال سے ہٹ کر کسی دوسرے امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا جائے۔

۴۔ غور و فکر کی چوتھی بنیاد ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہیں کون سی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ قانون کی عمدگی کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں معاشرہ کے لئے زیادہ سے زیادہ خیر و فلاح کی ضمانت ہو۔

آئیے، اب ہم پہلی بنیاد پر غور کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے اور اہلِ سنّت والجماعت کا ایک طبقہ ہمیشہ سے اسے تسلیم کرتا آیا ہے۔ اس کے لئے ہم مختصراً چار احادیث نقل کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے "ابو صہبا نے ابن عباسؓ سے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین طلاقیں دورِ نبوت، اور دورِ ابوبکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی برسوں میں ایک ہی مانی جاتی تھیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا" ہاں! یہ بات مجھے معلوم ہے"۔ مسلم، ابوداؤد، نسائی، حاکم، بیہقی میں ہے، ابن عباسؓ

فرماتے ہیں کہ "حضورؐ اور ابوبکرؓ کے زمانے میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ لوگ اُس معاملہ میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں جس میں اُن کے لئے توسع تھا۔ لہٰذا ہم اس کو جاری کر دیں، سو آپ نے جاری کر دیا۔ ابوداؤد کی روایت ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "اذا قال أنت طالق ثلثا بفم واحد فهي واحدة" (کسی نے اگر ایک ہی مجلسہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہی رہیں گی۔) مسند احمد جلد اوّل میں واقعہ مذکور ہے کہ "رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور حضورؐ نے اُن کو مراجعت کرنے کا اختیار دیا۔" ان احادیث میں سے اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو یا محلِ کلام ہو تو اور متعدد طریقوں سے جو مرویات آتی ہیں، وہ اِس ضُعف کی تلافی کر دیتی ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی عمدۃ الرعایۃ جلد دوم صف۷ پر تحریر فرماتے ہیں: "والقول الثاني أنه إذا طلق ثلثا تقع واحدة رجعية وهذا هو المنقول عن بعض الصحابة وبه قال داود الظاهري وأتباعه وهو أحد القولين لمالك وبعض أصحاب أحمد۔" (یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دیدے تب بھی ایک رجعی پڑے گی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہؓ سے منقول ہے۔ داؤد ظاہری اور اُن کے متبعین اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کا بھی اک قول یہی ہے۔ امام احمدؒ کے بعض اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔) علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۹ صف۵۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں: "طاؤس، ابن اسحٰق، حجاج ابن ارطاۃ، نخعی، ابن مقاتل اور ظاہریہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدے تو ایک واقع ہوگی۔ ان لوگوں نے ابوصہبا کی اُس روایت سے استدلال کیا ہے جو مسلم شریف میں ہے۔" آپ ناموں کی فہرست پر نگاہ ڈالیے، یہ حضرات اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کی فہرست میں آتے ہیں۔ حضرت طاؤس زبردست فقیہ ہیں، محمد بن اسحٰق امام المغازی ہیں، حجاج بن ارطاۃ کوفہ کے مشہور فقیہ ہیں، ابراہیم نخعی امام ابوحنیفہ کے استاد ہیں، اور محمد بن مقاتل رازی امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ علامہ عینیؒ کی جو عبارت اوپر منقول ہوئی قریب قریب انھیں الفاظ کے ساتھ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی لکھا ہے۔ امام نووی شارحِ مسلم نے صف۴۷۸ جلد اوّل میں بھی قریب وہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ نیل الاوطار جلد ۶ صف۲۴۵ پر علامہ شوکانی لکھتے ہیں: "اور اہلِ علم کا اک گروہ اِس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے پیچھے واقع نہیں

ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے" صاحب بحر نے اس کو ابوموسیٰ اشعریؓ اور ایک روایت حضرت علیؓ سے اور ابن عباسؓ سے طاؤس، عطار، جابر بن یزید ہادی، قاسم ناصر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی اک جماعت گئی ہے، جس میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے، اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس، عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے، اور مشائخ قرطبہ محمد بن لقبی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا فتویٰ اس قول پر نقل کیا ہے۔ ابن مغیث نے اس کو عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ اُن کے جد امجد ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام حرانی بھی کبھی کبھی طلاق ثلاثہ کے ایک طلاق رجعی ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر صہ ۲۴۸ جلد دوم میں هو اختيار كثير من علماء الدين کا لفظ نقل کیا ہے۔ یعنی یہی مسلک بہت سے علماء دین کا پسندیدہ ہے۔ روح المعانی جلد ۲ صہ ۱۳۷ پر ہے: "وخالف فی ذالك الإمامية وبعض من أهل السنة كالشيخ أحمد بن تيمية ومن اتبعه" (یعنی اس مسئلے میں امامیہ اور بعض اہل سنت والجماعت کے افراد جیسے علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے متبعین احناف کے خلاف ہیں۔) امام طحاوی نے بھی معانی الآثار صہ ۱۳ جلد ۲ میں ابن عباسؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا معا وقعت عليها واحدة" امام طحاوی نے بھی لفظ قوم سے کثیر افراد ہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بتلایا ہے کہ ابتدا ہی سے یہ مسئلہ اجتہادی رہا اور کوئی واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ معاملہ حضورؐ تک پہنچا اور آپ نے اس کی کوئی اک شکل متعین فرمادی۔ وہ لکھتے ہیں: "وهذه مسئلة إجتهادية كانت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يرو فى الصحيح أنها رفعت إليه فقال فيها شيئا" ہمارے احناف بھی مثلاً قہستانی اور طحطاوی وغیرہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صدر اول میں تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی۔ طحطاوی در مختار صہ ۱۰۵ جلد دوم کے حاشیہ میں اس کو نقل فرماتے ہیں: "انه كان فى الصدر الأول إذا أرسل الثلاث جملة لم يحكم إلا بوقوع واحدة"

إلى زمن عمر رضی اللہ عنہ ثم حکم بوقوع الثلاث سیاسۃ لکثرتہ بین الناس :
قہستانی نے جامع الرموز صہ۱۲۲ اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابہر صہ۲۸۵ میں قریب قریب وہی الفاظ نقل کئے ہیں، لہٰذا اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔

عصر حاضر کے علماء میں علامہ شبلی نعمانی نے بھی الفاروق میں طلاق ثلاثہ کو تین ماننا حضرت عمرؓ کے اوّلیات میں شمار کیا ہے۔ آخر مسلم شریف ہی میں تو موجود ہے کہ "عمرؓ نے اس کو جاری کر دیا"۔ اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ دورِ اوّل میں تین کا تین سمجھنا عمومی طور سے نہ تھا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے اِس خیال کو کہ تین طلاق لفظ واحد سے ہو تو ایک ہی سمجھی جائے گی، اس کی نظیر میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شریعت لعان میں چار قسموں کو ضروری قرار دیتی ہے۔ مگر ایک ہی لفظ سے کوئی چار قسمیں کھالے تو ہمارے فقہاء اس کو ناکافی سمجھتے ہیں۔ وہ الگ الگ چار قسموں کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر شریعت تین طلاق کو مُباح کرتی ہے اور یکجا استعمال کو معصیت بھی بتلاتی ہے تو ضروری ہے کہ ان کو الگ الگ رکھا جائے اور ایک جملے سے ادا کی جانے والی تین طلاق کو ایک ہی سمجھا جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح رمی جمار کے لئے سات کنکریوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک ہی دفعہ میں سات کنکریاں مار دے تو وہ ایک ہی سمجھا جائے گا۔ جس طرح کسی نے قسم کھایا کہ وہ حضورؐ پر ایک لاکھ درود شریف پڑھے گا۔ اب اگر اُس نے صلی اللہ علیہ وسلم مائۃ الف کہہ دیا تو یہ ناکافی سمجھا جائے گا۔ بلکہ الگ الگ ایک لاکھ درود پڑھنا پڑیں گے، جب جا کر وہ قسم پورا کرنے والا کہلائے گا" ہمارے علماء ان قیاسات کو قیاس مع الفارق بتلاتے ہیں۔ مگر ان تاویلوں کی حیثیت اتنی قوی نہیں کہ اس میں گفتگو کی گنجائش نہ ہو۔

اِن تمام تحریروں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تین کو ایک کہنے کا خیال بعد کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ اس کی بُنیاد دورِ نبوت اور دورِ صحابہؓ ہی میں ملتی ہے اور اس کے حق میں بھی نقلی اور عقلی دلائل ہیں اور شروع ہی سے علماء اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ اسی کو مانتا آرہا ہے۔ لہٰذا طلاق ثلاثہ کو ایک باور کرنے کا خیال لغو و باطل نہیں بلکہ اگر اصح

نہیں تو صحیح ضرور ہے، راجح نہیں تو مرجوح کہہ لیجئے مگر لغو اور باطل نہیں کہا جا سکتا۔

غور و فکر کی دوسری بنیاد یہ تھی کہ کیا تین طلاق ایک ساتھ کوئی محمود اور پسندیدہ شئے ہے؟ — اس کا جواب بالکل نفی میں ہے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ناپسندیدہ ہی نہیں، سخت معصیت کا موجب بھی ہے۔ نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ حضورؐ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "أیلعب بکتاب اللہ وأنا بین أظھرکم" (کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔) اس حرکت پر حضورؐ کے غصہ کی کیفیت دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا، کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں۔ امام طحاوی نے روایت نقل کی ہے کہ "ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ إن عمك عصى الله فأثم وأطاع الشيطان۔ (تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور شیطان کی پیروی کی) عبد اللہ بن عمرؓ کے قصے میں دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے جو تفصیل لکھی ہے کہ حضورؐ نے جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو اُن کی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پوچھا۔ اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا، لا کانت تبین منك وکانت معصیۃ۔ (نہیں، وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا۔) علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جو شخص ایسا آتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں اُسے وہ مارتے تھے اور اُس کی طلاقوں کو نافذ کر دیتے تھے۔" سعید بن منصور نے یہی بات صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس معاملہ میں صحابہؓ کرام کی عام رائے وہ ہے جس کو صاحب فتح القدیر نے جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ پر نقل کیا ہے کہ امام محمد نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ "إن الصحابۃ رضی اللہ عنھم کانوا یستحبون أن یطلقھا واحدۃ ثم یترکھا حتی تحیض ثلاثۃ حیض۔" (صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی بیوی کو صرف اک طلاق دے اور اُسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اسے تین حیض آ جائیں۔)

یہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں۔ خود امام محمدؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں: "کانوا یستحبون أن لا یزیدوا

فی الطلاق علی واحدۃ حتی تنقضی العدۃ ؛ (ان کو پسندیدہ طریقہ تھا کہ طلاق کے معاملہ میں ایک سے زیادہ نہ بڑھیں یہاں تک کہ عدت پوری ہوجائے۔) اسی لئے ہمارے فقہار کرام اس طلاق ثلاثہ کو طلاق بدعی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بدعت کہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ طلاق حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ وہ مانتے ہیں کہ یہ ثابت ہے، صرف موجب عتاب اور معصیت ہونے کی وجہ سے اس کو مغلظ اور طلاق بدعت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۴۱ جلد دوم میں فرمایا "کرہ ایضاً جمع الطلقات الثلاث فی طھر واحد" (ایک ہی طہر میں تینوں طلاقوں کا جمع کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔) اور یہ فعل شرعی حکمتوں اور مصالح کو باطل کرنے والا ہے۔

سابقہ تصریحات سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا شریعت کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو نفسِ طلاق ہی کو أبغض الحلال کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما أحل اللہ شیئاً أبغض إلیہ من الطلاق ؛ (اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا ہے جو طلاق سے بڑھ کر اُسے ناپسند ہو۔) اِسی لئے ہمارے فقہار کی تصریح ہدایہ اولین میں موجود ہے۔ الأصل فی الطلاق ھو الحظر۔ شریعت نے کچھ عظیم مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے طلاق کو مشروع کیا ہے اور کہا ہے کہ بوقت شدید ضرورت اِس کا استعمال درست ہے۔ اور اصولِ فقہ کا یہ قاعدہ ہے ماثبت بالضرورۃ فھو یتقدر بقدر الضرورۃ۔ (جو چیز کسی خاص مجبوری اور ضرورت کے لئے مُباح کی جائے گی وہ صرف اُسی قدر مُباح ہوگی جس سے ضرورت پوری ہوجائے۔) مثلاً بوقت ضرورت مُردار حلال کیا گیا ہے تو اس میں قید لگادی گئی ہے کہ صرف اُتنی مقدار میں مُردار حلال ہے جس سے رشتۂ زندگی کو باقی رکھا جاسکے۔ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ۔ اب اگر کوئی شخص ایک ہی دفعہ میں تین طلاق کا استعمال کرتا ہے تو وہ سخت معصیت کا کام کرتا ہے۔ امام مالکؒ تو دو طلاق کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ہدایہ اولین میں ہے "وقال مالکؒ إنہ بدعۃ ولا یباح إلا واحدۃ لأن الأصل فی الطلاق ھو الحظر والإباحۃ لحاجۃ الخلاص وقد اندفعت بالواحدۃ ؛ (دو طلاق بھی بدعت ہے صرف ایک مرتبہ میں ایک ہی مباح ہے۔ کیونکہ نفسِ طلاق خود اولاً ناپسندیدہ شے ہے اور طلاق کی اباحت ایک ضرورت کے تحت تھی اور وہ ضرورت ایک سے پوری ہوجاتی ہے۔)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق بیک وقت معصیت ہے۔ تو کیوں نہ اس معصیت کے روکنے کا انتظام کیا جائے اور اس کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے اور شریعت کی مصلحتوں کو طلاق کے سلسلہ میں باقی رکھا جائے۔ علامہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۴۸ میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ "ثم القائلون اختلفوا علی قولین، الأول هو اختیار کثیر من علماء الدین أنه لو طلقها اثنین أو ثلاثاً لا یقع إلا واحدة، وهذا القول هو الأقیس لأن النهی یدل علی اشتمال المنهی عنه علی مفسدة راجحة، والقول بالوقوع سعی فی ادخال تلك المفسدة فی الوجود وإنه غیر جائز فوجب أن یحکم بعدم الوقوع" (یعنی بہت سے علماء دین کا کہنا ہے کہ جو بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیتا ہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی قول قیاس کے سب سے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے منع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز کسی بڑے مفسدہ اور خرابی پر مشتمل ہے اور وقوع طلاق کا قائل ہونا اس مفسدہ اور خرابی کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ بات جائز نہیں۔ لہٰذا عدم وقوع کا حکم لگانا واجب ہے۔)

بالکل یہی بات تفسیر نیشاپوری میں بیان ہوئی ہے۔ الفاظ یکساں ہونے کی وجہ سے ہم اسے نقل نہیں کریں گے۔ اور یہی رائے قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی کی ہے۔ انھوں نے اپنی معروف و مشہور تفسیر مظہری میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت لکھا ہے۔ "وکان القیاس أن لا یکون الطلقتان المجتمعان معتبرة شرعاً، وإذا لم یکن الطلقتان المجتمعان معتبرة لم یکن الثلاث مجتمعة معتبرة بالطریق الأولی لوجودهما فیها مع زیادة" (اور قیاس کا اقتضا یہ ہے کہ دو طلاق مجموعی معتبر نہ ہوں اور جب دو طلاق مجموعی معتبر نہ ہوں گی تو بیک وقت تین طلاق بطریق اولیٰ معتبر نہ ہوں گی، کیونکہ دو کا عدد تین کے اندر مع ایک زائد کے موجود ہے۔) اس رائے کی وجہ انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھ دی ہے، وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اس پر اس طرح بھی غور کیجیے کہ اللہ پاک نے بندوں کو نکاح کرنے کا حکم چند شرائط کی پابندی کے ساتھ دیا ہے۔ اُن میں ایک شرط یہ ہے کہ ایام عدت میں نکاح نہ ہو۔ پس جو شخص ایام عدت میں عورت سے نکاح کرے تو اُس کا نکاح منعقد نہ ہوگا اور یہ نکاح ایسا ہوگا جیسے نکاح کیا ہی نہیں۔ پس اسی طرح اگر کوئی شخص ایام منہی عنہ اور اوقات ممنوعہ

میں طلاق دیتا ہے تو اُس کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ مولانا شیخ محمد تھانوی جو حضرت تھانوی مرحوم کے استاد بھی تھے، لکھتے ہیں: "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ، معناہ مرۃ بعد مرۃ فالتطلیق الشرعی علی التفریق دون الجمع والارسال مرۃ واحدۃ" (حاشیہ نسائی صفحہ ۹۹ جلد ۲۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے۔ پس طلاق شرعی وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جائے، نہ یہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں۔) مولانا موصوف اس طلاق ثلاثہ کو سرے سے غیر شرعی طلاق قرار دیتے ہیں، اور علامہ سندھی حنفی بھی قریب قریب یہی تحریر فرماتے ہیں۔ بحوالہ سابق تو معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاق بہر حال معصیت اور گناہ ہے۔

غور و فکر کی تیسری بنیاد تھی، کیا فقہ حنفی میں اس کی گنجائش ہے کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے مجتہدین کی آراء پر عمل کیا جا سکتا ہے: اس کے متعلق میں واضح الفاظ میں عرض کر دوں کہ عُرف و مصلحت اور حالات کی جتنی رعایت فقہ حنفی میں ملحوظ رکھی گئی ہے شاید دوسری جگہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملاً فقہ حنفی کو تنفیذِ احکام سے ایک مدید و طویل مدت تک واسطہ رہا ہے۔ ہمارے فقہاء اُن احکام کو جن میں مصالح عامہ کے پیشِ نظر حکم لگایا گیا ہے، استحسان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ ان مسائل میں شرعی دلائل کچھ اور ہیں، مگر شریعت کا عمومی مزاج اور اُس کا عمومی قانونِ تیسر اور لوگوں کے حالات کسی اور بات کے متقاضی ہیں۔ لہٰذا اس کی مناسبت سے ایک دوسرا قابلِ عمل طریقہ اختیار کیا گیا، اسی کو استحسان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فقہ کی دنیا میں علامہ شامی کو کون نہیں جانتا۔ عالمِ اسلام میں جو شہرت و مقبولیت اُن کو حاصل ہوئی اُس سے شاید کوئی دوسرا بہرہ ور ہوا ہو۔ انھوں نے خاص اسی عنوان پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العُرف۔ یہ رسالہ ۱۹۰۱ء میں دمشق سے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں علامہ نے بڑی تفصیل سے اُن مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں عُرف اور مصلحت نیز زمانہ کے تقاضوں کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اُن مسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ایک زمانہ میں حرام اور ممنوع تھے مگر دوسرے زمانے میں وہ اک شدید ضرورت بن گئے، لہٰذا اُن کا حکم بدل گیا۔ دراصل یہ بات قانون کے لئے خصوصاً اُس قانون کے لئے بہت ضروری ہے جو ابدی ہو۔ دنیا میں کوئی قانون بشمول قانون

اسلام کے ایسا نہیں ہے جو جزئیات کا اس طرح احاطہ کئے ہو کہ بس اُس میں اب تغیر کی گنجائش نہ ہو۔ مثلاً علّامہ شامی صفہ ۱۸ پر فرماتے ہیں۔"

واعلم أنّ المسائل الفقهية إمّا أن تكون ثابتة بصريح النصّ وهي الفصل الأوّل. وإمّا أن تكون ثابتة بضرب اجتهاد ورأى وكثير منها ما يبيّن المجتهد على ما كان في عرف زمانه بحيث لو كان في زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله أوّلاً ولهذا قالوا في شروط الاجتهاد أنّه لابدّ فيه من معرفة عادات الناس. فكثير من الأحكام إلى قوله ...... بأنّه لو كان في زمنهم لقال بما قالوا

"یہ بات واضح ہے کہ کچھ مسائل تو ایسے ہیں جو صریح نص سے ثابت ہیں انھیں ہم نے فصل اوّل میں بیان کیا ہے۔ اور کچھ مسائل وہ ہیں جو رائے اور اجتہاد سے ثابت ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ بہت سے مسائل تو مجتہد نے اپنے دور اور رواج کے اعتبار سے قائم کئے ہیں۔ حالانکہ وہی مجتہدین اگر اس زمانہ میں ہوتے تو اپنے قول کے خلاف فتویٰ دیتے۔ اس لئے اجتہاد کی شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ مجتہد رسم و رواج اور مصلحتِ وقت کا تابع ہے کیونکہ اکثر احکام اختلافِ زمانہ سے متغیر ہو جاتے ہیں: رواج کی تبدیلی اور کسی نئی ضرورت کے پیدا ہو جانے سے یا اس لئے کہ زمانہ کے لوگ بدروش اور تساہل برتنے لگے ہیں، اس شکل میں اگر پہلا حکم باقی رہے تو شدید ضرر کا اندیشہ رہے اور ان قواعدِ شریعت کی مخالفت لازم آئے گی جن کی بنیاد آسانی اور دفعِ ضرر پر ہے، تاکہ دنیا کا نظام اعلیٰ طریقہ پر چل سکے۔ اسی بناء پر تم دیکھو گے کہ مشائخ فقہ اکثر مواقع پر مجتہد کی منصوصات تک سے اختلاف کرتے ہیں جن کی اساس اور بنیاد مجتہد کے دور کے مطابق تھی، مگر اب نہ رہی۔ مشائخ نے اس بنیاد پر ایسا کیا کہ انھیں معلوم تھا کہ اگر وہ مجتہد آج ہوتا تو وہی حکم لگاتا جو انھوں نے دیا۔

نظر کو وسعت دیں گے تو مذکورہ عبارت کی وضاحت آپ کو فقہ حنفی میں نظر آجائے گی اور خود علّامہ شامی نے بھی قریب سو مثالیں ایسی نقل کی ہیں جن میں عُرف اور مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے متاخرین نے متقدمین کے خلاف فتوے دیئے ہیں۔ ہم دو چار مثالیں نقل کرتے ہیں۔

"پہلے ہمارے علماء کا فتویٰ تھا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی ناجائز ہے۔ مگر متاخرین علماء نے موجودہ دَور کو سامنے رکھتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں جانا ثابت ہے۔ مگر متاخرین نے حالات وزمانہ کی رعایت سے اسے ممنوع قرار دیا:

"بہت سے مسائل میں احناف نے ابوحنیفہؒ کے اقوال کو ترک کر کے دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے۔ مثلاً وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو اس میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ چار سال تلاش وجستجو اور انتظار کے بعد نکاح فسخ کر دیا جائے اور اس عورت کو شادی کی اجازت دیدی جائے۔ امام صاحب کا مسلک تھا کہ گواہ بظاہر ثقہ ہو تو شہادت دے سکتا ہے۔ مگر امام محمد وابویوسف رحمہا اللہ ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ امام صاحب کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ عادل ہوتے تھے اور صاحبین کے زمانہ میں یہ بات نہ رہی۔ مزارعت، معاملت اور وقف میں امام ابوحنیفہ کا قول معمول بہ نہیں ہے بلکہ امام محمد وابویوسف رحمہا اللہ کے اقوال پر فتویٰ ہے۔ ماءِ مستعمل کو امام صاحب نجاستِ غلیظہ فرماتے ہیں اور امام محمد طاہر غیر مطہر کہتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ہدایہ جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ پر یہ عبارت ملے گی۔" لو

کان الامام انتقل الی اٰیۃٍ اُخریٰ تفسد صلوٰۃ الفاتح وتفسد صلوٰۃ الامام لو اخذ بقولہٖ:

(اگر امام نماز میں بھول گیا اور بھولنے کے بعد دوسری آیت شروع کردی، اب کسی نے لقمہ دیا اور امام نے لے لیا تو امام ومقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔) مولانا عبدالحی لکھنوی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:" یہ عام مشائخ کے خلاف ہے، جیسا کہ صاحبِ محیط نے ذکر کیا ہے۔ آگے کہتے ہیں:" والصحیح انہ لا تفسد صلوٰۃ المقتدی ولا صلوٰۃ الامام:" (صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ ہی امام کی، سب کی نماز ہو جائے گی۔)"

"قدیم فقہاء کے نزدیک وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل تھا۔ مگر متاخرین اس کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ علامہ شامی نے نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف میں لکھا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت کے بدلہ میں تہائی آٹا اس کا ہو گا تو ناجائز ہوگا۔" اس حدیث سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کپڑا بننے والے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے اور معاوضہ میں اک تہائی کپڑا لے لے تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا۔ لیکن چونکہ بلخ میں یہ طریقہ عموماً معمول ہے

اس لئے بلخ کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ قرار دیا ہے کہ رواج کی بناء پر حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی یعنی یہ حدیث آٹے کی صورت تک ہی محدود رہے گی۔ علامہ شامی کے خاص الفاظ یہ ہیں: "ومشائخ بلخ کنصیر بن یحییٰ ومحمد بن سلمة وغیرهما کانوا یجیزون هذه الإجارة فی الثیاب لتعامل أهل بلدهم، والتعامل حجة یترك به القیاس ویخص به الأثر" (اور مشائخ بلخ مثلاً نصیر بن یحییٰ و محمد بن سلمہ وغیرہ اس اجارہ کو کپڑے میں جائز کہتے ہیں کیونکہ اُن کے شہر میں یہ چیز عملاً موجود تھی اور لوگوں کا کسی شئے کو معمول بنا لینا ایک ایسی حجت ہے جس سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی۔)

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اس تبدیلی کی کوئی حد ہو گی یا نہیں؟ اس طرح تو فرائض اور ارکان تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ علامہ شامی نے خود اس سوال کو نقل کر کے اس کا مفصّل جواب دیا ہے اور وہ حدود بتلائے ہیں جہاں تک مختلف تبدیلیوں کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "فنقول فی جواب هذا الإشکال أن العرف نوعان خاص وعام وکل منهما إما أن یوافق الدلیل الشرعی والنصوص علیه..... إلی قوله ..... یترك به القیاس"

چونکہ یہ بات بہت مفصّل ہو جائے گی اس لئے ہم عرض کریں گے کہ اس بحث کو براہ راست اسی کتاب میں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اُوپر کی مثالیں دینے سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ فقہ حنفی میں بہت توسّع ہے۔ فقہ حنفی صرف ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و آراء کا نام نہیں، بلکہ بوقت ضرورت دیگر فقہاء و ائمہ کے اقوال پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے۔ احناف کی کتابیں اُٹھا کر دیکھئے آپ کو ایسے الفاظ کثرت سے مل جائیں گے والفتویٰ علی قولهما (فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے) یا علیه الفتویٰ۔ بلکہ ہمارے ائمہ میں سے امام محمدؒ کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسلک اعتدال میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے مدینہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جس کنویں سے اُنھوں نے غسل فرمایا ہے اُس میں چوہا مرا ہوا ہے، لہٰذا پانی ناپاک ہو گیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے بھائی مالکیوں کے مسلک پر نماز پڑھائی ہے۔

یہ بات فقہ حنفی کے لئے عیب نہیں بلکہ اتنی بڑی خوبی اور دور اندیشی کی بات ہے

کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فقہ حنفی ناقص ہوتا۔ لہٰذا اس بنیاد پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ثلاثہ والے مسئلے میں اگر دیگر فقہار کے مسلک پر فتویٰ دے دیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ ضرورت اس کی شدید متقاضی ہے، جیسا کہ ہم چوتھی بنیاد میں اس پر گفتگو کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض احناف اور جلیل القدر علمار یہ میلان رکھتے ہیں

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی سے کسی سائل نے اسی طلاق ثلاثہ کے متعلق فتویٰ طلب کیا تھا، سائل کے گاؤں میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا کہ ایک حنفی شخص نے تین طلاق دینے کے بعد کسی اہل حدیث عالم سے فتویٰ پوچھ کر رجوع کر لیا۔ اب گاؤں کے لوگوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا۔ مفتی صاحب نے یہ جواب دیا "ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جانے کا مذہب جمہور علمار کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علمار اس کے ضرور قائل ہیں کہ اس طرح ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے، اور حضرت ابن عباسؓ، طاؤس، عکرمہ اور ابن اسحٰق سے منقول ہے۔ پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں، اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور مستحق اخراج از مسجد ہے۔ ہاں حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔ لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہو تو قابل درگذر ہے۔" (اخبار الجمعیۃ دہلی، مورخہ ۱ شعبان ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی)

ہمارے علمار احناف میں سے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا فتویٰ مجموعۂ فتاویٰ صفحہ ۲۴۲ پر موجود ہے، وہ لکھتے ہیں: "اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تو کسی اور امام کی تقلید کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوج مفقود اور عدۃ ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورۃ قول امام مالکؒ پر عمل کر لینے کو درست رکھتے ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔"

مدرسہ امینیہ دہلی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کرتے چلئے۔ "اور بعض سلف صالحین اور علمار متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں، اگرچہ ائمہ اربعہ میں یہ بعض نہیں ہیں، لہٰذا جن

مولوی صاحب نے مفتی اہلِ حدیث پر جو فتویٰ دیا ہے، یہ غلط ہے اور مفتی اہلِ حدیث پر اس اختلاف کی بنا پر کفر و مقاطعہ و اخراج از مسجد کا فتویٰ غیر صحیح ہے۔ بوجہ شدید ضرورت اور خوفِ مفاسد اگر طلاق دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا جن کے نزدیک اس واقعۂ مرقومہ میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے تو وہ خارج از مذہب حنفی نہ ہوگا کیونکہ فقہاءِ حنفیہ نے بوجہ تندّتِ ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے"۔

(دستخط حبیب المرسلین عفی عنہ۔ مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی۔ بحوالہ الجواہر العالیہ صفحہ مرتب مولانا ابوعبیدہ اعظمی)

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں میں نے پڑھا ہے کہ جس زمانہ میں انھوں نے "حیلۂ ناجزہ" تصنیف فرمائی اور اس میں نکاح مفقود الزوج کے سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا تو کسی نے کہا کہ آپ لوگ تقلیدِ ابو حنیفہ پر بہت زور دیتے ہیں، لیکن امام مالک کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں تو تقلید جا رہی ہے۔ فرمایا، تم تقلید کو لئے پھرتے ہو، یہاں سرے سے اسلام ہی جا رہا ہے۔ درحقیقت اُن کا اشارہ اس طرف تھا کہ شریعت کی مصلحت کُل کو باقی رکھنے کے لئے کسی خاص امام کی تقلید کر کے دوسرے امام کی رائے پر عمل درست ہے۔

اِس پوری تفصیل سے آپ کو یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ ائمہ احناف بوقتِ ضرورت اور زمانہ کی اقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے مجتہدین و ائمہ کی آراء پر عمل کو جائز رکھتے ہیں۔ لہٰذا طلاق ثلاثہ والے مسئلہ میں ہم غور و فکر کر کے دیکھیں کہ واقعی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ تین طلاقیں واحد شمار کی جائیں یا نہیں؟ اگر ضرورت شدید ہے تو اسے قبول کر لیں۔

غور و فکر کی چوتھی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات ہمیں کونسی صورت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا ہندی معاشرہ کچھ اس طرح پر چل رہا ہے کہ اس میں دینی قدریں ماند پڑ گئی ہیں۔ ہمارے عوام دین کا اتنا حصہ بھی حاصل نہیں کرتے جو اُن پر فرض عین ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو دنیاوی تعلیم اونچی سے اونچی رکھتے ہیں اور دینی تعلیم اُس کی نسبت سے کم ہے۔ مولانا اسحٰق جلیس ندوی، مدیر تعمیرِ حیات نے ابھی حال ہی میں

اپنے ایک اداریہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر سے گفتگو کے دوران حضرت عمرؓ و عثمانؓ کا تذکرہ آیا تو وہ سادگی سے پوچھتے ہیں، مولانا! ان دونوں میں کس کی خلافت پہلے اور کس کی بعد میں ہے؟ ــــ یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اسی جہالت کے باعث جب ایسے لوگ طلاق دینا چاہتے ہیں تو انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول نے کونسا طریقہ بتایا اور پسند فرمایا ہے اور کسے معصیت بتایا ہے، بلکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ایسے مل جائیں گے جنہیں یہ مسئلہ معلوم ہے کہ ایک طلاق کے بعد رجوع کا اختیار رہتا ہے۔ اس لئے وہ ایک طلاق کو کامل طلاق ہی نہیں سمجھتے اور جب وہ دینی ناواقفیت اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر تین طلاق دیتے ہیں تو صحیح حکم کے ظاہر ہونے کے بعد سخت نادم ہوتے ہیں اور دنیا بھر کی حیلہ جوئی اور چارہ گری تلاش کرتے ہیں، ایسی غلط تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ پھر وہ عورت اس کے نکاح میں بغیر تحلیل کے آجائے یا باقی رہ جائے۔ اس سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے، شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح کرتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا۔ اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے ترمذی شریف کی روایت ہے: إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن المحلل والمحلل لہ۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے) یہ حدیث نسائی میں بھی موجود ہے اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامر کی روایت اس طرح ہے۔

"ألا أخبركم بالتيس المستعار۔ قالوا بلى یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال هو المحلل، لعن اللہ المحلل والمحلل لہ" (کیا میں تم کو منگنی کے بکرے سے آگاہ نہ کروں صحابہ نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

حضرت عمرؓ کا فتویٰ ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: لا أوتى بمحلل ولا محلل لہ إلا رجمتهما (میرے پاس جو بھی حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہو، لایا جائیگا تو میں اس کو سنگسار کر دوں گا۔) امام بیہقی نے جلد ۷ صفحہ ۲۰۸ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اگر کوئی شخص

اُس کی بیوی کو اُس کے لئے حلال کر دے تو کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا: من یخادع اللہ یخدعہ۔ (جو اللہ کے ساتھ چالبازی کرے گا، اللہ اُس کی چال کو ناکام کر دے گا) یہ فتویٰ امام طحاوی نے بھی معانی الآثار میں صفحہ ۱۱ جلد ۲ پر نقل کیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے: والمحلل یفرق بینھما مع کل حال اذا اُرید بالنکاح التحلیل۔ (یعنی دونوں کے درمیان ہر حال میں تفریق کر دی جائے گی اگر اُن کا ارادہ تحلیل کا ہے۔)

ہمارے ائمہ میں سے صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحلیل سے بیوی زوج اوّل کے لئے حلال ہوتی ہے، ورنہ امام محمد و ابویوسف کے نزدیک دیگر ائمہ کی طرح علیٰ وجہِ التحلیل کیا ہوا نکاح غلط ہے اور اس سے عورت زوج اوّل کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے۔ ویسے خود امام صاحب بھی تحلیل کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں چنانچہ ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ میں ہے: اذا تزوجھا بشرط التحلیل فالنکاح مکروہ لقولہ علیہ السلام، لعن اللہ المحلل والمحلل لہ۔ مؤطا امام مالکؒ کے حاشیہ میں ہے: قال الشافعیؒ وابویوسف اذا نکح بشرط أنہ اذا وطی طلق، بطل۔ (امام شافعیؒ و ابویوسفؒ کا کہنا ہے کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا کہ ہم بستری کے بعد اس عورت کو طلاق دے دیا جائے تو نکاح باطل ہے۔) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتویٰ ملاحظہ کرتے چلئے۔ اخبار الجمعیۃ دہلی، ۶ شعبان ۳۵۱ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء میں تحریر فرماتے ہیں: حلالہ مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور پھر اُس سے طلاق یا موت زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوج کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام حلالہ ہے۔ لیکن زوج اوّل یا زوجہ یا اُس کے کسی ولی کی طرف سے زوج ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ طلاق دیدے اور زوج ثانی کا اِس شرط کو قبول کرکے اس سے نکاح کرنا یہ حرام ہے اور اس پر فریقین پر لعنت کی گئی ہے:

اب آپ غور کرکے دیکھئے کہ ہمارے معاشرہ میں کون سی شکل رائج ہے۔ بالکل مُتعۃ النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے۔ اس شکل میں بعض ایسے شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جب ہی تو حضرت

عمرؓ نے فرمایا تھا، ایسے لوگوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع و فساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

ان تمام قباحتوں کا ارتکاب تو اس شکل میں ہوتا ہے جب طلاق دینے والا حنفی مسلک پر قائم رہتا ہے، لیکن اگر وہ حنفی مسلک پر مستعد نہیں تو فوراً ایسی شکل میں وہ تبدیلیِ مسلک پر غور کرتا ہے اور یہاں بھی ایسا شخص مجرم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے علماء اس کو شریعت کی اتباع نہیں، بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح کی تبدیلی کو غلط اور ناجائز بتلاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شاطبی نے الموافقات جلد ۴ صفحہ ۱۴۵ بیان مفاسد اتباع رُخص المذاہب میں اس کو وضاحت سے لکھا ہے۔ اور خود طلاق دینے والے کیلئے یہ دشواری ہے کہ اگر وہ صرف اس مسئلہ کی حد تک اہل حدیث مسلک پر عمل کرتا ہے اور باقی سب مسئلوں میں اہلِ حدیث کی مخالفت کرکے ابو حنیفہ کو مانتا ہے تو یہ کھلی خواہشِ نفس کی پیروی ہے۔ ایسا رجحان شرعی معاملات میں ایک خطرناک رُجحان ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ مذاہب کی رُخصتوں کا متلاشی ہوگا، اور اگر وہ اس ایک مسئلہ کی وجہ سے مکمل اہلِ حدیث مسلک اختیار کر لے تو اپنے ذہن و قلب کے خلاف کرتا ہے کہ بہت سے مسئلوں میں امام ابو حنیفہ کو برحق مانتے ہوئے، جس پر وہ اب تک پوری زندگی عمل کرتا رہا ہے، اب صرف ایک مسئلہ کی وجہ سے اُس کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہے۔

مزید یہ کہ اس طرح عورت کو غصہ اور جذبات کی شدت میں الگ کر دینے کے نتائج بہت سنگین شکل میں برآمد ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورت کی زندگی کے لئے تو انتہائی تباہ کُن بھی ہو سکتے ہیں، فوری طور سے بچوں کی نگہداشت اور اُن کی پرورش و تربیت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے حقیقی ماں جس طرح اپنی اولاد کی ساخت و پرداخت پر اپنا خونِ جگر صَرف کر سکتی ہے، دوسری عورت نہیں۔ پھر اسی مطلقہ عورت کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کو کس طرح معاشرہ میں جذب کیا جائے۔ ۲۵۔ ۵۰ برس شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد اب الگ ہو کر وہ کہاں جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکی ہو۔

ہندوستان میں ہمارا بیت المال بھی نہیں کہ اس کی کفالت ہو سکے۔ خود اس میں کمانے اور پیٹ بھرنے کی استطاعت نہیں۔ علاوہ اس کے وہ پردہ نشین خاتون جس نے اب تک عزت و خودداری کی اعلیٰ زندگی بسر کی ہو، کس طرح اپنے معاشی پریشانی کا ازالہ کر سکے اور سکون و اطمینانِ قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

مجھے اپنے شہر کے متعلق اچھی طرح معلوم ہے، ایک صاحب جو اچھے خاصے دیندار معروف تھے، ۵۰، ۶۰ برس کی عمر تک ساتھ رہنے کے بعد ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ کچھ دنوں تو اُس عورت نے خود کو سنبھالا، مگر اُس کے افرادِ خاندان کی غربت اور معاشی پریشانی کی وجہ سے وہ اس قدر بدحال ہو گئی کہ اُس کے دماغ پر جنون کے اثرات ہو گئے، اب وہ دربدر کاسۂ گدائی لے کر اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی میری نظر میں ہے۔ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ شادی کے وقت دونوں بہت غریب تھے، مگر عورت کی محنت اور کوشش سے محلہ والوں کا کہنا ہے کہ چند برسوں میں اللہ نے وسعت دی۔ اب وہ ایک پختہ مکان اور ایک کارخانے کے مالک ہو گئے۔ بس کسی خانگی معاملہ میں بگڑ کر شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ علاحدگی کے بعد کچھ دنوں تک عورت زیورات اور گھر کا اثاثہ بیچ کر گذارہ کرتی رہی، مگر اب حالت یہ ہے کہ اُس کی زندگی باعثِ عبرت ہے۔ کسی نے اُس عورت کو مشورہ دیا کہ تو دارالقضاء میں دعویٰ داخل کر دے کہ شوہر کے مال میں سے جو اصلاً تیری محنت و کوشش کا نتیجہ ہے، کچھ حصہ دلا دیا جائے۔ مگر کفالت کی کوئی شکل نہ بننے کی وجہ سے وہاں سے بھی محرومی ہوئی۔

اِس طرح کے دسیوں واقعات آپ کو مل جائیں گے۔ میں محترم اقبال ورق والا صاحب کے ان الفاظ سے متفق ہوں کہ مخالفین ان واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، مگر اس کو نہیں بھولنا چاہیے کہ اِن واقعات کی کوئی نہ کوئی اصلیت بھی ضرور ہے جس پر رنگ آمیزی اور مبالغہ کی دیوار کھڑی کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکومت ایسے قوانین بنانے پر تل گئی ہے کہ مطلقہ کا نان و نفقہ اُس وقت تک شوہر کے ذمہ واجب ہے جب تک کہ وہ دوسری شادی نہ کر لے۔ ظاہر ہے یہ چیز افراط

کی طرف ایک قدم ہے۔ مگر یہ بھی کمی اور تفریط کی بات ہوگی کہ ایسی عورت کے سلسلہ میں ہم بیٹھ کر کوئی لائحۂ عمل نہ سوچیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر طلاق کے مروجہ طریقہ میں احناف کے مسلک سے ہٹ کر بعض دیگر مجتہدین کی آراء پر عمل کر لیا جائے یعنی تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے تو بہت سی پیچیدگیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی اور فریقین ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ایک دوسرے کے مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ اس طرح مخالفین کو مسلم پرسنل لا کے خلاف رنگ آمیزی کا بھی موقع نہ رہے گا۔ جس طرح مصری علماء نے پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں ثلث مال کی اختیاری وصیت کو لازم کر دیا ہے، اسی طرح ہم کو مذکورہ بالا چار بنیادوں پر غور و فکر کرنے کے بعد کوئی تبدیلی کرنا چاہیے جس کی شریعت میں گنجائش بھی ہے اور حنفی مسلک بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔ ائمہ تین طلاق کو معصیت اور گناہ بھی بتلاتے ہیں اور ہمارے حالات شدت سے متقاضی ہیں تو کیوں نہ ان اقوال پر عمل کر لیا جائے جو شروع سے اہل سنت والجماعت کے ایک طبقہ کا معمول رہا ہے۔

اب آئیے، سوالنامے میں درج شقوں کے مختصر جوابات بھی سماعت فرمائیے۔!

۱۔ طلاق، طلاق، طلاق تین دفعہ کہہ دینے سے اگر کہنے والے کی نیت ایک کی ہو اور اس نے محض تاکید کے لئے باقی دو دفعہ مزید کہہ دیا ہو، یا باقی دو سے اس نے کچھ بھی نیت نہ کی ہو، نہ تاکید کی نہ عدم تاکید کی تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں علامہ ابن حجر کی عبارت نقل کی ہے کہ فاسق سے فاسق آدمی کا ارادہ تاکید معتبر مانا جائے گا اور یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ فانہ صریح مذھبنا تصدیق مرید التاکید بشرطہ وان بلغ فی الفسق ما بلغ۔ مفتی مہدی حسن سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند اپنی کتاب اقامۃ القیامۃ صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں۔ "اگر عورت مدخول بہا ہے اور ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا لیکن تکرار لفظاً تین مرتبہ طلاق دی اور دوسری اور تیسری طلاق کو بطور تاکید استعمال کیا ہو تو دیانۃً قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ ابن حزم کی کتاب محلی میں بالکل یہی الفاظ ہیں، مگر اس میں دیانۃً کا لفظ اور حلف کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس کے ارادہ تاکید کو معتبر مانا جائے گا۔ علامہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ پر فرماتے ہیں

"فلو قال لموطوءة أنتِ طالق، أنتِ طالق، فإن نوى التکریر (ای التاکید) لکلمة الأولیٰ فهی واحدة وکذالك إن لم ینو بتکراره شیئاً۔ فإن نوی بذالك أن کل طلقة غیر الأخریٰ فهی ثلاث إن کید ها۔ (مدخول بہا عورت سے کسی نے کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ اگر اُس نے باقی دو سے تاکید کا۔ یا نہ تاکید کا نہ عدم تاکید کا، کسی کا ارادہ نہ کیا تو ایک واقع ہوگی۔ لیکن اگر مطلب یہ تھا کہ ہر طلاق پہلے والی طلاق سے الگ ہے تو تین واقع ہوگی۔)

۲۔ یہی شکل مختلف فیہ ہے۔ احناف تین کے وقوع کے قائل ہیں اور عذر جہالت کو وہ معتبر نہیں مانتے اور علامہ ابن تیمیہ وابن قیم اور اہل حدیث حضرات جب تین کو تین سمجھ کر دینے والے کی طلاق کو رجعی بتلاتے ہیں تو یہاں تو ارادہ بھی نفس طلاق کا تھا نہ کہ تین کا۔ لہٰذا اُن کے نزدیک ایک ہوگی۔

۳۔ اہل سنت والجماعت کا ایک طبقہ شروع سے ہی اس کے خلاف رہا ہے، لہٰذا اُمت کا اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں ہمارے بعض علماء ائمہ اربعہ کا اجماع بتاتے ہیں، مگر یہ بھی مخدوش ہے۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کی جو عبارت ہم اوپر مقالہ میں نقل کر چکے ہیں اُس میں واضح طور سے یہ بات موجود ہے کہ امام مالکؒ کا ایک قول اور اصحاب احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ہم غور وفکر کی پہلی بنیاد میں اُن فقہاء کا نام لکھ چکے ہیں جو ایک طلاق رجعی ہونے کے قائل ہیں۔

۴۔ ہمارے نزدیک مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ یہی ہماری رائے ہے جس کے دلائل اوپر نقل کر دیئے گئے ہیں۔



تین طلاقوں کا مسئلہ

از

مولانا سید احمد عروج قادری

ایڈیٹر ماہنامہ "زندگی" رام پور

بسمہٖ تعالیٰ

نکاح و طلاق سے متعلق قرآن کی آیات اور احادیث کا جو مطالعہ میں نے کیا ہے اُس سے یہ بات بوضاحت ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت میں نکاح ایک بہت ہی سنجیدہ، بُنیادی اور قابلِ احترام معاملہ ہے جو اس لئے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے یہانتک کہ موت زوجین کو ایک دوسرے سے جُدا کر دے۔ یہ میاں بیوی کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس کے استحکام پر خاندان اور معاشرے کا استحکام اور جس کی خوبی و بہتری پر معاشرے کی خوبی و بہتری موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ناپسندیدہ اور ناخوشگوار عمل ہے جو بدرجۂ مجبوری آخری چارۂ کار کے طور پر ہی کیا جانا چاہیئے۔ آخری انقطاع سے بچنے یا سوچ سمجھ کر اس کا فیصلہ کرنے کے لئے صحیح طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت و بیک مجلس یا بیک کلمہ نہ دی جائیں بلکہ انھیں متفرق طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ تعلیم قرآن کی آیتوں میں اجمال اور احادیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ میرے مطالعۂ قرآن و حدیث سے بہ ظنِ غالب یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص صحیح طریقہ کی خلاف ورزی کر کے، یہ جانتے ہوئے کہ تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں، بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالے تو وہ واقع ہو جائیں گی، یہی جمہور اُمت کا مسلک ہے اور دلائل کے اعتبار سے یہی مسلک قوی بھی ہے۔ اُمت کے جو ائمہ و علماء ایسی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں، بلاشبہ اُن کے پاس بھی دلائل ہیں لیکن مجھے اُن سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

اس مختصر مقالہ میں تمام موافق اور مخالف دلائل کو استقصاء کے ساتھ جمع کرنے کا وقت نہیں ہے۔ اس لئے میں جمہور کے مسلک کے دلائل اختصار کے ساتھ پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اس مسلک کے مخالف دلائل کی طرف محض اشارے کئے جاسکیں گے۔

آیتِ طلاق کی شانِ نزول جاہلیتِ عرب میں طلاقیں دینے اور پھر عدت میں رجوع کر لینے کی کوئی حد و تعداد متعین نہ تھی۔ ایک عورت کو

سینکڑوں بار طلاقیں دی جا سکتی تھیں اور پھر عدت میں رجوع کیا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ستانا چاہتا تو اُس کو طلاقیں دے دے کر عدت ہی میں رجوع کر لیا کرتا۔ نہ خود اُس سے تعلقاتِ زن و شو قائم رکھتا اور نہ اُس کو آزاد کرتا۔ اس طرح وہ عورت بالکل مجبور اور بے بس ہو کر رہ جاتی تھی۔ ابتدائے اسلام میں بھی جب تک طلاقوں کے متعلق اللہ کا حکم نہیں آیا تھا، یہی دستور باقی تھا۔

عن مالك عن هشام بن عروة عن أبيه	عُروہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ مرد جب اپنی بیوی کو طلاق
أنه قال كان الرجل إذا طلق امرأته ثم	دیتا تو عدت ختم ہونے سے پہلے اُس کو رجوع کر لینے کا حق تھا اگرچہ
ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذالك	وہ ایک ہزار بار طلاق دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک
له وإن طلقها ألف مرة. فعمد رجل إلى	شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی یہاں تک کہ جب اُس عورت کی عدت
امرأته فطلقها حتى إذا شارفت انقضاء	ختم ہونے کا وقت قریب آیا تو اُس نے رجوع کر لیا اور پھر طلاق
عدتها راجعها ثم طلقها ثم قال والله	دے دی پھر اُس نے کہا بخدا میں تجھے نہ اپنے پاس آنے دوں گا
لا آويك إلي ولا تحلين لي أبدا فأنزل	اور نہ تو کبھی میرے لئے حلال ہوگی۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔
الله تعالى: "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ، فَإِمْسَاكٌ	طلاق (رجعی) ہے دو بار تک۔ اُس کے بعد رکھ لینا
بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ۔	موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے"

(موطا مالک ج ۲ باب الطلاق مرتان)

اللہ تعالیٰ نے طلاق کی تعداد متعین کر دی اور رجعت کی حد بھی بتا دی۔ یعنی یہ کہ طلاقوں کی تعداد صرف تین ہے اور رجعت کا حق دو طلاقوں تک ہے۔ تیسری کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ	پھر اُس عورت کو طلاق دی (یعنی تیسری بار) تو اب حلال نہیں اُس کو وہ
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔	عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ آیت طلاقوں کی تعداد تین تک محدود کرنے اور رجوع کرنے کی حد متعین کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہی دو باتیں بہ نصِ صریح اس سے ثابت ہوتی ہیں۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے

اس سوال کا کوئی تفصیلی جواب اس آیت میں موجود نہیں ہے۔ "مَرَّتَانِ" کے لفظ سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ دو طلاقیں بیک کلمہ نہ دی جائیں، بلکہ میں نے تجھے طلاق دی"، "میں نے تجھے طلاق دی" دو بار کہا جائے۔ تفریقِ مجلس کے لئے اس میں کوئی محتمل لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ محدث ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی یہی تفسیر اختیار کی ہے اور امام رازی نے بھی اسی تفسیر کی تائید کی ہے۔ یعنی یہ کہ لفظ "مرتان" سے رجعی طلاق کی تعداد معلوم ہوتی ہے، تفریقِ مجلس کا ثبوت اس میں نہیں ہے۔ سورہ الطلاق کی آیت "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ" (پس انھیں طلاق دو عدت پر اور اُن کی عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو) سے بھی صرف اتنا بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ایسی حالت میں دی جائے کہ عدت کے زمانے میں کمی یا زیادتی واقع نہ ہو اور اُس کو شمار کرنا بھی آسان اور متیقن ہو۔ طلاق دینے کا ٹھیک اور صحیح طریقہ کیا ہو، اس کا جواب اِس آیت میں بھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دینے کے صحیح طریقہ کی توضیح نہ فرماتے تو قرآن کی آیتوں سے اس کا بصراحت جاننا ممکن نہ ہوتا۔ ہم حدیثِ نبوی ہی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا یا بیک دفعہ تین طلاقیں دے ڈالنا معصیت ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طلاق ایسے طُہر میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ اگر احادیث سے قطعِ نظر کر لی جائے تو قرآن کی آیتوں سے طلاق دینے کا تفصیلی طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقیں تین واقع ہوں گی یا ایک

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے بھی ہمیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہئے، جیسا کہ اُوپر گذر چکا۔ قرآن سے اتنی بات تو بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ طلاق رجعی کی تعداد دو ہے اور تیسری طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا، لیکن طلاق دینے کا صحیح طریقہ وضاحت کے ساتھ ہمیں

احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ قرآن سے اشارۃً یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو تین طلاق کا حق دیا ہے اگر وہ اس کو بیک دفعہ استعمال کرے تو یہ فعل طلاق دینے والے کی اپنی مصلحت کے خلاف ہوگا، کیونکہ اس طرح وہ اپنے حقِ رجعت کو ختم کردے گا۔ یہ اشارہ سورہ الطلاق کی اس آیت سے نکلتا ہے۔

لَا تَدْرِىْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق - ۱)

تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ صلح و موافقت کی کوئی صورت پیدا کردے۔

اگر بیک مجلس تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جائے تو پھر یہ کہنے کے کیا معنی باقی رہتے ہیں کہ "شاید اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا کردے"۔ کیونکہ تین کو ایک شمار کرنے کی صورت میں تو بہرحال رجعت کا حق اور موافقت کی صورت باقی ہی رہے گی۔

قرآن کا یہ فقرہ طلاق دینے والے کو متنبّہ کرتا ہے کہ اگر تم نے طلاق دینے کا پورا حق ایک ہی بار استعمال کرلیا تو پچھتاؤ گے اور پھر بیوی سے صلح کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

قرآن سے اشارۃً بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔ بلکہ بعض ائمہ نے تو بیک مجلس تین طلاقیں دے ڈالنے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے "من جوز الطلاق الثلاث" کے باب میں سب سے پہلے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ والی آیت دلیل کے طور پر پیش کی ہے۔

اس مسئلہ کا تفصیلی جواب حاصل کرنے کے لئے ہم مجبور ہیں کہ احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ کا مطالعہ کریں۔ اس ماخذ سے ہمیں یہ "علم" حاصل ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں یا بیک کلمہ خواہ طہر کی حالت میں ہو یا حیض کی، تین طلاقیں دے ڈالے تو تین ہی واقع ہونگی اور وہ گنہگار ہوگا۔ ہم ذیل میں اس کی تھوڑی سی تفصیل پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔ یہ حدیث دو سبب سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ عہدِ رسالت کا غالباً یہ پہلا واقعہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں ایقاعِ طلاق کا صحیح طریقہ معلوم ہوا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس واقعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ـــ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے

اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ایک طلاق دے دی۔ سیدنا عمرؓ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ سے متعلق حضورؐ سے سوال کیا۔ آپ نے اُن سے فرمایا، عبداللہ کو حکم دو کہ مراجعت کرلے۔ پھر حضورؐ نے ایقاعِ طلاق کا صحیح طریقہ بتایا اور وہ یہ ہے کہ تین طلاقیں بتفریق تین طُہروں میں دی جائیں۔ حضرت عبداللہ کے حالتِ حیض میں طلاق دینے اور حضرت عمرؓ کے سوال سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ان دونوں جلیل القدر صحابیوں میں سے کسی نے بھی قرآن کی کسی آیت سے یہ نہیں سمجھا کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا ایک غلط کام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کی اگر کوئی شخص خلاف ورزی کرے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس حدیث میں اس سوال کا صریح جواب موجود ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث متعدد طرق سے روایت کی ہے۔ ایک ٹکڑے میں تو واقعہ اور حضورؐ کی تعلیم کا ذکر ہے اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے:

قال فکان ابن عمر اذا سئل عن الرجل طلق امرأتہ وھی حائض یقول، أما أنت طلقتھا واحدۃً أو اثنتین فانّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرہ أن یراجعھا ثم یمھلھا حتی تحیض حیضۃ أخری ثم یمھلھا حتی تطھر ثم یطلقھا قبل أن یمسھا وأما أنت طلقتھا ثلاثاً فقد عصیت ربک فیما أمرک بہ من طلاق امرأتک وبانت منک۔ وفی روایۃ أخری وان کنت طلقتھا ثلاثاً فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجاً غیرک وعصیت اللہ فی ما أمرک عن طلاق امرأتک ــــ	(راوی حدیث نے کہا اس واقعہ کے بعد) جب ابن عمرؓ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی ہو تو وہ کہتے، اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا ہے کہ مراجعت کرے اور اس کو مہلت دے یہاں تک کہ دوسرا حیض آجائے پھر اس کو مہلت دے یہاں تک کہ وہ طاہر ہوجائے پھر اس کو طلاق دے اس سے پہلے کہ اس طہر میں اس سے جماع کرے۔ اور اگر تو نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو اپنے رب کی تو نے نافرمانی کی طلاق کے معاملہ میں اور وہ تجھ سے جدا ہوگئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر تو نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تجھ پر حرام ہوگئی یہاں تک کہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح کرے اور تو نے اللہ کی نافرمانی کی طلاق کے معاملہ میں۔

حضرت ابن عمرؓ کے اس مفصل فتویٰ کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کی تعلیقات میں

بیان کیا ہے۔ اس حدیث سے بصراحت و وضاحت معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں بھی اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے تو وہ طلاق بائنہ ہو گی اور بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ابن عمرؓ لوگوں کو یہ مسئلہ بتاتے رہے اور فتویٰ دیتے رہے۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی صحابی کا ایسا قول جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، مرفوع کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ گمان کرنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ ابن عمرؓ نے اپنے اجتہاد سے ایسا فتویٰ دیا ہو اور دیتے رہے ہوں۔ حُسنِ اتفاق سے احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ فتویٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی بناء پر دیا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ، دار قطنی اور طبرانی میں ہے۔

فقلت یارسول اللہ أرأیت لو طلقتها ثلاثاً أکان یحل لی أن أراجعها، فقال لا کانت تبین منك وکانت معصیۃ۔

(ابن عمرؓ کہتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لئے مراجعت حلال ہوتی! آپ نے فرمایا نہیں وہ تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا تین طلاقیں یکدفعہ دے دینا گناہ ہوتا۔

۲۔ عُویمر عجلانی کی طویل حدیث لعان تمام کتبِ حدیث میں مروی ہے۔ امام بخاری نے اس کو من جوز الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے۔

فلما فرغا قال عویمر کذبت علیها یارسول اللہ إن أمسکتها فطلقها ثلاثاً قبل أن یأمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پس جب دونوں (یعنی عُویمر اور اُن کی بیوی) لعان سے فارغ ہوئے تو عُویمر نے کہا اگر میں اس کو اپنے پاس روک لوں تو جھوٹا ہوں۔ پھر انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں حکم دیں۔

یہاں میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ نفسِ لعان سے میاں بیوی میں فرقت واقع ہو جاتی ہے یا تفریقِ حاکم کی ضرورت پڑتی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ حضرت عویمر نے حضورؐ کے سامنے بیک مجلس تین طلاقیں دیں۔ آپ نے نہ اس پر انکار کیا اور نہ یہ کہا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے، کیونکہ فرقت صرف لعان سے واقع ہو جاتی ہے، بلکہ آپ نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے،

عن ابن شہاب عن سہل قال فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سہل نے کہا کہ عویمر نے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرما دیا۔

۳۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رجلاً طلق امرأتہ ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم أتحل للأول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا۔ پھر اس نے بھی (قبلِ جماع) طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، اب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے، آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا بھی اس طرح کا مزہ نہ چکھ لے جس طرح پہلے نے چکھا تھا۔

امام بخاری نے یہ حدیث بھی من جوز الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کی ہے۔ اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ تین یکجائی طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس واقعہ تک یہ مسئلہ اتنا مشہور و معروف ہو چکا تھا کہ حضورؐ کی طرف مراجعت کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ بلاشبہ اس حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ اس شخص نے بیک مجلس تین طلاقیں دی تھیں یا بہ تفریق دی تھیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام بخاری کا اس حدیث کو من جوز الطلاق الثلاث کے باب میں روایت کرنا بے وجہ ہے! اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت دی گئی تھیں۔

۴۔ ان رجلاً جاء الی عبداللہ بن مسعود فقال انی طلقت امرأتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعود فما قیل لک قال قیل لی انها قد بانت منک فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل ما یقولون۔ (موطا امام مالک)

ایک شخص عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا ہے؟ اس نے جواب دیا، مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت مجھ سے جدا ہو گئی۔ انھوں نے فرمایا لوگوں نے سچ کہا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی ہے بلکہ یہ بھی

معلوم ہوا کہ اُس وقت تمام اہلِ فتویٰ یہی فتویٰ دیتے تھے۔

۵۔ نعمان بن ابی عیاش انصاری، عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اُس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے چکے تھے۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے کہا کہ باکرہ کی طلاق تو ایک ہے۔

فقال لی عبد اللہ بن عمرو بن العاص إنّما أنت قاص، الواحدۃ تبینھا والثلاث تحرمھا حتّی تنکح زوجًا غیرہٗ۔ (موطا مالک)

پس عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مجھ سے کہا تم محض قصہ گو ہو ایک طلاق اُس کو جدا کر دے گی اور تین طلاقیں اُس کو حرام کر دیں گی، جبتک کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔

٦۔ محمد بن ایاس، بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اُس کی رائے ہوئی کہ اُس سے نکاح کرے۔ وہ فتویٰ لینے کے لئے آیا اور میں اُس کے ساتھ گیا۔

فسأل عبد اللہ بن عبّاس وأبا ھریرۃ عن ذالك فقالا لانری أن تنکحھا حتّی تنکح زوجًا غیرك، قال فإنّما کان طلاقی إیّاھا واحدۃً فقال ابن عبّاس إنّك أرسلت ما کان لك من فضل۔ (مؤطا مالک)

اُس نے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا۔ اُن دونوں نے کہا تم اُس سے اُس وقت تک نکاح نہیں کر سکتے جبتک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔ اُس نے کہا میں نے دراصل اس کو ایک طلاق دی تھی۔ ابن عباس نے کہا تمہیں جو اختیار تھا تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

۷۔ إنّ رجلًا قال لعبد اللہ بن عبّاس إنّی طلّقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تری علیّ فقال لہٗ ابن عبّاس طلّقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتّخذت بھا ایٰت اللہ ھُزوًا۔ (موطا مالک)

ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سَو طلاقیں دی ہیں آپ کے خیال میں مجھ پر کیا چیز عائد ہوتی ہے؟ ابن عباس نے کہا، وہ تین طلاقوں کے ذریعہ تجھ سے آزاد ہو گئی اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں سے استہزاء کیا۔

۸۔ عن مالك بن حارث قال جاء رجل إلی ابن عبّاس فقال إنّ عمّی طلّق امرأتہ

مالک بن حارث نے کہا کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں

ثلاثًا فقال إنّ عمّك عصى الله فأثم الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجًا (معانی الآثار للطحاوی)

کہا تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی۔ پس اللہ نے اس کیلئے مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔

۹۔ عن انسؓ قال لاتحل له حتّٰی تنکح زوجًا غیرہٗ ۔ (طحاوی)

حضرت انسؓ نے تین یکجائی طلاقوں کے بارے میں فرمایا، اس کیلئے حلال نہیں جبتک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

۱۰۔ وروی وکیع عن الأعمش عن أبی حبیب عن أبی ثابت قال جاء رجل إلی علیّ بن أبی طالب فقال إنّی طلّقت امرأتی ألفًا فقال له علیؓ بانت منك بثلاث۔ (طحاوی)

ابوثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا، وہ تین طلاقوں سے بائن ہوگئی۔

۱۱۔ روی وکیع ایضًا عن معاویۃ بن أبی یحیی قال جاء رجل إلی عثمان بن عفان فقال طلّقت امرأتی ألفًا فقال بانت منك بثلاث ۔ (طحاوی)

وکیع نے معاویہ بن ابی یحییٰ سے یہ بھی روایت کیا ہے، ایک شخص حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقیں دے دی ہیں۔ انھوں نے کہا، وہ تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔

۱۲۔ تفیع حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے مُکاتَب یا غلام تھے۔ اُنھوں نے اپنی بیوی کو جو حرّہ اور آزاد تھیں، دو طلاقیں دے دیں، پھر رجوع کرنا چاہا تو ازواج مطہّرات نے انکو حکم دیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ سے مسئلہ پوچھیں۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ سے فتویٰ طلب کیا توانھوں نے فرمایا: تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی۔ (موطا مالک)

اِن احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ نے پوری طرح واضح کردیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا بیک کلمہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اِن احادیث و آثار کی سندوں پر اور اس مسئلہ کی تفصیلات پر لمبی چوڑی بحثیں اس مختصر مقالہ میں سما نہیں سکتیں اور ان بحثوں کا اعادہ مفید بھی نہیں، کیونکہ صدیوں سے اس کا سلسلہ جاری ہے اور مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ موجودہ حالات میں راقم الحروف کے نزدیک قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین اور ایک قرار دینے والے دونوں مسلکوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے

کی کتنی گنجائش نکل سکتی ہے اور کس حد تک یہ دونوں مسلکے ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں۔ دونوں مسلکوں کے دلائل اور اس مسئلہ کی تمام بحثوں کے مطالعہ کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں مسلکوں کے ماننے والوں میں اِفراط و تفریط کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس مجلس مذاکرہ کے لیے جو سوالات قائم کئے گئے ہیں اُن کے جواب میں راقم نے اپنے مطالعہ اور حقیر علم کی حد تک افراط و تفریط سے بچ کر اپنی رائے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں سوالات اور جوابات نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۱ :۔ کیا محض طلاق کا لفظ تین مرتبہ دُہرانے سے یعنی بیک وقت طلاق طلاق طلاق کہہ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، جبکہ طلاق دینے والا شخص کہتا ہے کہ میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔

جواب :۔ اگر تین بار طلاق کا لفظ دُہرانے والا یہ کہتا ہے کہ اُس کی نیت ایک طلاق کی تھی، مزید دو بار طلاق کا لفظ اُس نے تاکید کے لئے استعمال کیا تھا تو میرے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی۔

سوال نمبر ۲ :۔ کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے، لفظ تین کی صراحت کے ساتھ، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ جب تک تین کا لفظ استعمال نہ کیا جائے طلاق واقع ہوتی ہی نہیں۔ اِس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک ؟

جواب :۔ میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر طلاق دینے والے نے اِس خیال کے تحت تین کی صراحت کے ساتھ طلاق دی کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جانا چاہیئے۔

سوال نمبر ۳ :۔ کیا ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر امت کا اجماع ہے؟ اگر نہیں تو اُن علماء اور فقہاء کے نام تحریر فرمائیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

جواب :۔ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ بھی چلا آرہا ہے اور اس کا انکار بھی۔ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اساطینِ امت نے اس پر اجماع کا انکار کیا ہے، اور اب تو اہلِ حدیث حضرات کی کثیر التعداد جماعت بھی اس پر اجماع کا انکار کرتی ہے

اختلافِ مسالک بتانے والی کتابوں کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ ابن رُشد لکھتے ہیں:۔

جمھور فقھاء الأمصار علی أن الطلاق بلفظ الثلاث حکمہ حکم الطلقۃ الثالثۃ وقال أھل الظاھر وجماعۃ حکمہ حکم الواحدۃ ولا تأثیر للفظ فی ذالک (بدایۃ المجتہد ج ۲۔ کتاب الطلاق)	جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ تین کے لفظ سے جو طلاق دی جاتی ہے، اس کا حکم تیسری طلاق یعنی طلاق مغلظہ کا ہے اور اہلِ ظاہر اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اس کا حکم ایک طلاق کا حکم ہے اور اس میں لفظ کی کوئی تاثیر نہیں۔

خود قاضی ابن رُشد کا اپنا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم ایک ہی طلاق کا ہونا چاہیئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مغلظہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ محلِ نظر ہے۔

سوال ۳:۔ آپ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقوں کے مسئلے کا کیا حل ہے، اسے ایک شمار کیا جانا چاہیئے یا تین؟

جواب:۔ جیسا کہ میں اُوپر مقالہ میں عرض کر چکا ہوں، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بیک مجلس اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ میرے نزدیک تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی جتنی گنجائش نکل سکتی ہے اس کا ذکر میں نے سوال نمبر ایک اور دو کے جواب میں کیا ہے۔ جو لوگ یہ جان کر اور سمجھ کر کہ بیک دفعہ و بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں۔



تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ



امیر جماعتِ اسلامی مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کا معاشرتی نظام ایک سیدھا سادہ نظام ہے جس میں نہ قانونی پیچیدگیاں ہیں اور نہ تکلفات۔ دینِ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (سورۂ حج) اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خصوصیت الحنیفیۃ السمحۃ "سہل اور حنیف دین" بتائی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شریعت کو سہل اور آسان بنا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ اصولی بات بیان کی گئی ہے کہ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ (بقرہ۔ ۱۸۵) اور حدیث میں شدت پسندی اور قانونی موشگافیوں سے منع کر دیا گیا ہے۔

انّ الدین یسرٌ ولن یشاد الدین الّا غلبہ (بخاری)	دین آسان ہے اور جو کوئی دین کو مشکل بنائے گا وہ بے بس ہو کر رہ جائے گا۔

اور فرمایا:

ھلک المتنطعون۔ (مسلم)	دین میں تعمق اور شدت برتنے والے ہلاک ہو جائیں۔

قرآن و سنت کی ان ہدایات کے پیشِ نظر فقہی موشگافیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا بال کی کھال نکالنا اور شرعی احکام کو مشکل اور دقیق بنا کر لوگوں کے لئے دشواریاں پیدا کرنا دین کی خدمت ہرگز نہیں ہے۔

اسلام کا ضابطۂ طلاق انتہائی سادہ اور اعتدال پر مبنی ہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ امت کے اندر جو فقہی بحثیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اس نے اس کو سادہ شکل میں باقی نہیں رہنے دیا بلکہ اس میں تعمق اور تشدد پیدا کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کو معاشرتی زندگی میں غیر معمولی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس سے مسلم پرسنل لا کے مخالفین بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دریں حالات ملتِ اسلامیہ کو اسلام کے معاشرتی نظام سے وابستہ اور شرعی احکام پر کاربند رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام فقہی موشگافیوں، تعمق اور تشدد کے علی الرغم ابھرتے ہوئے معاشرتی مسائل کا کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور اجتہادی امور میں دین و ملت کے مصالح کا پورا پورا لحاظ کیا جائے اور ان تمام اصر و اغلال کو

توڑ دیا جائے جس نے ملّتِ اسلامیہ کو جکڑ رکھا ہے، خواہ کسی حلقہ کی طرف سے کتنی ہی مخالفت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ مخالفتوں کے مقابلہ میں دین و ملّت کے مصالح زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بھی غور کرتے وقت ہمیں یہی انداز اختیار کرنا ہوگا۔ کیا زبان سے بیک وقت "طلاق، طلاق، طلاق" کے الفاظ نکل جانے پر یا "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" کہہ دینے پر شرعاً تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں کہ جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور وہ اُسے پھر اپنی مرضی سے طلاق نہ دے پہلے شوہر کے لئے وہ جائز نہیں ہو جاتی اور خاص طور سے ایسے حالات میں جبکہ لوگ لاعلمی کی بنا پر بیک وقت تین طلاقیں دینے کے عادی ہو گئے ہیں، اور جب انھیں تین طلاقوں کے واقع ہو جانے کا فتویٰ مل جاتا ہے تو پچھتانے لگتے ہیں۔ ایک غلط فہمی لوگوں میں یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ جبتک ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دی جائیں، طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں تطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ سنجیدہ غور و فکر چاہتا ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ کتاب و سنّت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جائے۔

زمانۂ جاہلیت میں طلاق

جاہلیت میں طلاق کے لئے کوئی تحدید نہیں تھی۔ مرد اپنی بیوی کو جب چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرتا۔ طلاق دینے اور رجوع کرنے کا یہ سلسلہ بغیر کسی تحدید کے جاری رہتا جس سے عورت کو سخت تکلیف پہنچتی اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتی۔

اسلام کا اصلاحی اقدام

اسلام نے طلاق کے اس ظالمانہ طریقہ اور لامحدود سلسلہ کو ختم کر دیا اور مرد کو دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا اختیار دیا تاکہ خاندانی زندگی میں تفرقہ پیدا ہونے سے پہلے مرد کو اُس کے نتائج و عواقب پر غور کرنے کا دو مرتبہ موقع ملے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس رشتہ کو ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے یعنی تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق مغلظہ ہوگی۔ یعنی اب نہ وہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اُس سے نکاح ہی کر سکتا ہے، تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اور پھر وہ اُسے اپنی مرضی سے طلاق نہ دے۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے تاکہ مرد بار بار طلاق دے کر عورت کو پریشان

نہ کرے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔

قرآن و سنّت کی رُو سے طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ حالتِ طُہر میں جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو صرف ایک طلاق دینے پر اکتفا کیا جائے۔ یہ طلاق عدّت کے اندر رجعی ہوگی اور عدّت گذر جانے پر بائن ہو جائے گی۔ یعنی عدّت گذر جانے پر رجوع کا موقع تو باقی نہیں رہے گا، البتہ مرد اور عورت دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اِس احسن طریقہ کو چھوڑ کر بیک وقت تین طلاقیں دینا نہ شرعاً درست ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی ہے۔ مرد کے لئے کسی مجبوری کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اگر وہ عورت کو چھوڑنا ہی چاہتا ہے تو ایک طلاق دے کر چھوڑ سکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اُن کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ صریح جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں تاکیدی حکم ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔ (البقرۃ-۲۲۹) "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں (ضابطے) ہیں ان سے تجاوز نہ کرو"

اور فرمایا:

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ (البقرۃ-۲۳۱) "اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔"

کیا قرآن نے آنِ واحد کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دیا ہے؟

قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ کہیں یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ آنِ واحد کی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ جس آیت سے مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔـا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْھِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ

"طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو معروف طریقہ پر عورت کو رکھ لیا جائے یا بھلے طریقہ سے رخصت کر دیا جائے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا تھا اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ الا یہ کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ اگر واقعی تم کو اندیشہ ہو کہ دونوں حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گے تو دونوں پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کریں وہی

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ط (البقرة - ۳۰-۲۲۹)

ظالم ہیں۔ پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دیدی تو اس کے بعد وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔

اس آیت میں "مَرَّتَانِ" (دو مرتبہ) کا جو لفظ آیا ہے اُس سے طلاق کا لفظ دُہرانا یا عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا مُراد لیا جاتا ہے۔ اِس بنا پر "طلاق، طلاق، طلاق" یا "تین طلاقیں" کہہ دینے پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا ہے، حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظ طلاق کو دُہرانا نہیں بلکہ دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رُجوع کا حق باقی رہتا ہے، لیکن تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رُجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب کس طرح صحیح ہوگا کہ اگر کسی نے بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہا اور طلاق مغلّظہ ہوگئی، حالانکہ اُس شخص نے ایک ہی دفعہ طلاق دی ہے۔ لفظ "مَرَّتَان" کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

اوّلاً لغتِ عرب میں "مَرَّتَان" کا مطلب مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ ہے۔ یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ، نہ کہ محض لفظی تکرار۔ اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا:

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ۔ (توبہ - ۱۲۶)

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انھیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ۔ (نور - ۵۸)

"اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔"

اِس آیت کے بعد تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "ثَلٰثَ مَرّٰتٍ" (تین اوقات میں) کا مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں، نہ کہ زمانۂ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اِس سے واضح ہوا کہ "مرّتان" میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجتماع کی پیش کی جاسکتی ہے تو وہ اعیان کی ہوگی، نہ کہ افعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانۂ واحد میں "مرّتان" کا اجتماع مُمکن نہیں۔

ثانیاً رمیِ جمار کی مثال ہے۔ سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی اور جمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ "میں تینتیس (۳۳) بار سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہتا ہوں" تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی، نہ کہ تینتیس (۳۳)۔

ثالثاً چار قسموں کی مثال ہے جس کا حکم لِعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص الگ الگ چار قسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کہہ دے کہ "میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں" تو اُس کی ایک ہی قسم شمار ہوگی، نہ کہ چار۔

(مرّتان کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد۔ ج ۴، ص ۵۹)

اگر مذکورہ آیت میں مُراد طلاق کا عدد ہوتا تو مرّتان کی جگہ لفظ اثنتان استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرّتان سے مُراد لفظ طلاق کی تکرار یا عدد نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

طلقوا مرّتین یعنی دفعتین۔ "دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو۔"

(التفسیر الکبیر۔ ج ۶، ص ۹۰)

انّ الطلاق المشروع متفرق لأنّ المرّات لاتکون إلّا بعد تفرق بالإجماع۔ (ایضاً) "مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ بالاجماع "مرّات" تفرّق کے بعد ہی ممکن ہے۔"

لہٰذا جب دو طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں، دو شمار نہیں ہوں گی تو تین طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں کس طرح تین شمار ہوں گی؟

پھر جس پس منظر میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں اور بار بار رُجوع کیا جاتا تھا۔ اس لئے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا معہود یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا، نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدد طلاقیں۔

سورۂ طلاق میں ہدایت کی گئی کہ جب طلاق دی جائے تو عدّت کے لئے دی جائے،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ "اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدّت کے لئے

لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ (طلاق۔۱) طلاق دو اور عدّت کو شمار کرو"۔

عدّت کے لئے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جبکہ عدّت کا آغاز ہوسکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدّت کا لحاظ نہیں کرتا کیونکہ پہلی طلاق دیتے ہی عدّت شروع ہوگئی لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدّت کا لحاظ نہیں رہا حالانکہ ہر طلاق کیلئے عدّت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ حکم دیا ہے کہ عدّت کا لحاظ کرکے طلاق دی جائے بلکہ عدّت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے،

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ (بقرہ۔۲۳۰) • جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدّت پوری ہونے کو آجائے تو بھلے طریقے سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے رخصت کرو"۔

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدّت پوری ہورہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جاسکتا ہے، یعنی عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص ساقط کرنے کے لئے موجود ہے تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدّت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی طلاقِ رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے، نہ کہ بیک وقت۔ اللہ نے الگ الگ طلاقیں دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے، جیسا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو آنِ واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس طرح تین واقع ہوں گی؟

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اِیلَاء (بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھانا) کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ • مُطلّقہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک روکے رکھیں"۔

اور اسی سیاق میں فرمایا:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ (سورۂ بقرہ۔۲۲۸) "اُن کے شوہر تعلقات درست کرنے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدّت کے دوران انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے حقدار ہیں"۔

معلوم ہوا کہ ایلاء میں بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

دوسری مثال ظہار کی ہے۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا۔ زمانۂ جاہلیت میں اسے طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ظہار کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (مجادلہ-۲) "یہ لوگ ایک منکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں"۔

ظہار کو منکر اور زُور قرار دینے کے باوجود اس کا صرف کفّارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی ظہار کو طلاق نہیں ٹھہرایا اور جاہلیت کے اس رواج کو کہ بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ابدی طور پر شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے، باطل قرار دیا۔

اب زیرِ بحث مسئلہ کو لیجئے۔ کیا بیک وقت تین طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر طلاقِ مغلظہ کا حکم لگانا ایلاء اور ظہار سے بھی شدید قرار دینے کے مترادف نہیں ہے؟ دراں حالیکہ اس شدت کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

الغرض مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا تین واقع ہونا قرآن کی کسی نص سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ صریح طور سے قرآن میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ آنِ واحد کی تین طلاقیں تین واقع ہوں گی۔ رہا نصوصِ قرآنی کی تعبیر کا مسئلہ تو دلائل مذکورہ کی بنا پر یکجا طور پر دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا ہی قرآن سے زیادہ مناسبت رکھنے والی بات ہے۔

کیا مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا وقوع حدیث سے ثابت ہے

جس طرح یکجائی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر قرآن کی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے اسی طرح احادیثِ صحیحہ کی بھی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔

جن احادیث سے اس کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے اُن میں سے بعض احادیث تو وہ ہیں جن میں یکجا طور پر تین طلاقیں دینے کی صراحت موجود نہیں ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کا محمل دوسرا ہے اس لئے اُن سے کوئی دلیل فراہم نہیں ہوتی اور بعض احادیث یا تو مضطرب ہیں یا ضعیف اس لئے اُن میں سے کوئی حدیث حجت کی حیثیت نہیں رکھتی۔ چند خاص حدیثوں کا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جن سے عام طور پر مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے:

إنّ امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله إنّ رفاعة طلّقني فبتّ طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي وإنما معه مثل الهدبة. قال رسول الله لعلّكِ تريدين أن ترجعي إلى رفاعة. لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته۔ (بخاری کتاب الطلاق)

"رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) دی اور میں نے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا لیکن وہ زوجیت کے لائق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے۔ نہیں جب تک کہ (تیرا دوسرا شوہر) تجھ سے لطف اندوز نہ ہولے اور تو اس سے لطف اندوز نہ ہو جائے۔"

اِس حدیث میں طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) کا ذکر ہے، لیکن اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں۔ البتہ صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

فطلّقها آخر ثلاث تطليقات (مسلم کتاب الطلاق)

"اُس نے اُس کو تین طلاقوں کی آخری طلاق دی۔" (یعنی تین طلاقوں میں سے جو آخری طلاق رہ گئی تھی وہ بھی دے دی)

اِس حدیث میں جب مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کی صراحت نہیں ہے تو اس سے اس کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ، "اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔" (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۷، ص ۲۸۶)

دوسری حدیث عُویمر عجلانی کی ہے جس میں لعان کا قصہ بیان ہوا ہے:

فلما فرغا قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلّقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم (بخاری کتاب الطلاق)

"جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عُویمر نے کہا اگر میں اس (بیوی) کو اپنے پاس روک لوں تو جھوٹا ہوں۔ پھر اس نے اس کو تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں۔"

اِس حدیث کو اِس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جب عُویمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیک وقت تین طلاقیں دیں اور آپؐ نے نکیر نہیں فرمائی تو مجلسِ واحد کی تین طلاقیں

واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ لعان کے بعد تفریق ہو ہی جاتی ہے، اور نہ رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرنے کی۔ عُویمر نے جو تین طلاقیں دیں وہ محض تاکید و توثیق کے لیے تھیں، ورنہ لعان میں اس کے بغیر ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی ہو گی۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وأما حديث المتلاعنين فغير لازم لأن الفرقة لم تقع بالطلاق فإنها وقعت بمجرد لعانهما۔ (المغنی ج ۷ ص ۳۰۴)

"رہی لعان والی حدیث تو اس سے لازم نہیں آتا کیونکہ جدائی طلاق سے نہیں ہوئی بلکہ مجرد لعان سے ہوئی۔"

تاہم اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے کوئی چیز ثابت کی جا سکتی ہے تو صرف یہ کہ لعان کے بعد تین یکجائی طلاقیں دی جا سکتی ہیں۔ اس میں عموم پیدا کرنا اور جہاں رجوع کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے وہاں کے لیے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

تیسری حدیث فاطمہ بنت قیس کی ہے جو صحیح مسلم میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن فاطمة بنت قيس أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فأرسل إليها وكيله بشعير فسخطته فقال والله مالك علينا من شيء فجاءت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذالك له۔ فقال ليس لك عليه نفقة۔ (مسلم کتاب الطلاق)

"فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ ابو عمرو بن حفص نے انہیں طلاق بتہ (جدا کرنے والی طلاق) دی اور وہ موجود نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے وکیل کو جَو دے کر ان کے پاس بھیجا۔ فاطمہ نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اس نے کہا: قسم بخدا تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ روداد پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا، تیرا نفقہ اُس کے ذمہ نہیں ہے۔"

اس حدیث میں بھی طلاقِ بتہ کا ذکر آیا ہے جس کو تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں:

فطلقها آخر ثلاث تطليقات

"اُس نے اس کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی۔"

اور دوسری روایت میں اس سے زیادہ صراحت ہے:

فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها۔ (مسلم کتاب الطلاق)	"اُنہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق جو باقی رہ گئی تھی دے کر اپنے وکیل کو اُن کے پاس بھیجا"

جب یہ حدیث تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں کرتی تو اس سے ان کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

چوتھی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس کو صحیح مسلم نے روایت کیا ہے اور جو بہت مشہور ہے:

عن ابن عباسٍ قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكرٍ وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمرٍ كانت لهم فيه أناةٌ فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم۔ (مسلم کتاب الطلاق)	"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاقیں ایک ہی مجھی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا جس معاملہ میں لوگوں کو غور و فکر کرنے کا موقع دیا گیا تھا اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں لہٰذا ہم کیوں نہ اس کو نافذ کر دیں چنانچہ آپ نے اس کو اُن پر نافذ کر دیا"

اِس حدیث کو مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کر دیا تو اس سے اس کے ایقاع اور اس پر اجماع دونوں کا ثبوت ملتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس حدیث سے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ اور عہدِ رسالت کا تعامل بھی تو ثابت ہوتا ہے۔ پھر کس دلیل سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو مان لیا جائے لیکن حضرت ابو بکرؓ اور عہدِ رسالت کے تعامل کو قبول نہ کیا جائے؛ جبکہ عہدِ رسالت کا تعامل بہرحال فوقیت رکھتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین یکجائی طلاقوں کی شرعی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ محض تعزیراً ان کو نافذ کیا تھا اور تعزیرات کے باب میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات معلوم ہی ہیں۔ مثلاً شراب کی دکانوں کو جلا دینا، شرابیوں کے لئے اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کرنا اور شہر بدر کرنا وغیرہ۔ صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ مصالحِ امت کے پیشِ نظر تعزیراً ان کو نافذ کر رہے ہیں تو انھوں نے اِس معاملہ

میں آپ سے اتفاق کیا۔

یہ حدیث سُننِ ابی داوُد میں جس طریقہ سے بیان ہوئی ہے اس میں

إذا طلّق امرأتہ قبل أن یدخل بھا جعلوھا واحدۃ۔	"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تو انھیں ایک شمار کیا جاتا۔"

کے الفاظ ہیں۔ لیکن امام نووی لکھتے ہیں کہ ابوداوُد کی روایت ضعیف ہے (شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱، ص ۴۷۸) ان تمام باتوں کے پیشِ نظر اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

پانچویں حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے جو صحیحین میں بیان ہوئی ہے۔

عن ابن عمر أنہ طلّق امرأتہ وھی حائض فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُرہ فلیراجعھا ثم لیترکھا حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم إن شاء أمسک بعد وإن شاء طلّق قبل أن یمس فتلک العدۃ التی أمر اللہ أن یطلّق لھا النساء۔ (مسلم کتاب الطلاق)	حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، اُن سے کہو کہ وہ رُجوع کر لیں پھر اسی حالت میں بیوی کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر جب دوسرا حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو جائے تو چاہیں تو روک لیں اور چاہیں تو مجامعت سے پہلے طلاق دیں۔ یہی وہ وقت ہے جس کا حکم اللہ نے عورتوں کی طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے۔"

یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں ہے، اسی لئے مُسلم نے اس حدیث کو طلاق الثلاث کے باب میں نہیں بیان کیا ہے بلکہ تحریم طلاق الحائض کے باب میں بیان کیا ہے۔ البتہ بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان ایک سوال کے جواب میں موجود ہے کہ:

فأمّا إن طلّقتھا ثلاثاً فقد عصیت ربّک فیما أمرک بہ من طلاق امرأتک وبانت منک (مسلم کتاب الطلاق)	"اگر تو نے تین طلاقیں دی ہیں تو اپنی بیوی کی طلاق کے معاملہ میں تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ تجھ سے جُدا ہو گئی۔"

اس جواب میں تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں ہے۔ مزید برآں اس کی حیثیت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتوے کی ہے، یعنی مرفوع حدیث کا یہ جزء نہیں ہے۔

رہا مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی اور طبرانی کا مرفوعاً بیان کرنا کہ:

فقلت یا رسول اللہ أرأیت لو طلقتھا ثلاثاً أکان یحل لی أن أراجعھا فقال لا، کانت تبین منک وکانت معصیۃ۔	"(ابن عمرؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ تم سے جدا ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔"

یہ اضافہ والی روایت ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے اغاثۃ اللھفان میں لکھا ہے۔ اس کے ایک راوی شعیب ہیں جن کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ صحیح طریقوں سے یہ حدیث جہاں کہیں روایت کی گئی ہے اُس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے تین یکجائی طلاقوں کا ایقاع ثابت نہیں ہوتا۔

چھٹی حدیث محمود بن لبید کی ہے جسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

عن محمود بن لبید قال أخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعاً فقام غضباناً ثم قال أیلعب بکتاب اللہ وأنا بین أظھرکم حتی قام رجل وقال یا رسول اللہ ألا أقتلہ۔ (نسائی۔ کتاب الطلاق)	"محمود بن لبید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں یکجا طور پر دی ہیں۔ یہ سُن کر آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا: کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے درآں حالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص آپ کی برہمی کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا، یا رسول اللہ! کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں؟"

اس میں تین طلاقوں پر آپؐ کے برہم ہونے کا ذکر ہے، لیکن اُن کے ایقاع کی اس میں صراحت نہیں ہے اور آپؐ کا ارشاد "أیلعب بکتاب اللہ" (کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائیگا) واضح کرتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا کتاب اللہ سے کھیلنا ہے۔ لہٰذا یہ بات کس طرح باور کی جا سکتی ہے کہ آپؐ اس کو مؤثر مان کر کتاب اللہ سے کھیلنے کی اجازت دیں گے؟ علاوہ ازیں اس روایت کے بارے میں ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ "فیہ انقطاع" (یہ روایت منقطع ہے) (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۷۷) الغرض تین یکجائی طلاقوں کا واقع ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

ساتویں حدیث رُکانہ کی ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

عن رُكانةَ قال أتيتُ النبيَّ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقلتُ یا رسول اللہ إنّی طلّقتُ امرأتی البتّة فقال ما أردتَ بھا، قلتُ واحدۃً. قال واللہِ. قلتُ وَاللہِ۔ قال فھو ما أردتَ۔ (ترمذی، کتاب الطّلاق)

"رُکانہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتّہ (جدا کرنے والی طلاق) دی ہے آپؐ نے پوچھا تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے کہا، ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا پھر اس کا حکم بھی تمہارے ارادے کے مطابق ہی ہے (یعنی چونکہ ایک طلاق کی نیت تھی اس لیے ایک ہی واقع ہوگی۔)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے لکھا ہے "لا نعرفہ إلّا من ھذا الوجہ" (ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے) اس کے ایک راوی زبیر بن سعید ہیں جن کے بارے میں علامہ ابن حجر نے تقریبُ التھذیب میں لکھا ہے کہ لیّنُ الحدیث ہیں۔ اسی طرح دوسرے راوی عبداللہ کے بارے میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ علّامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حدیث رُکانہ کوئی چیز نہیں۔ امام بخاری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور علّتِ حدیث کو جاننے والے اُئمّہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ (إغاثۃ اللّھفان ج ۱ ص ۳۱۶) اِس لئے اِس حدیث سے بھی مسئلہ زیرِ بحث میں استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

برعکس اِس کے ابو رُکانہ کی وہ حدیث جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور جس میں ابو رکانہ کے تین طلاقیں دینے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے مراجعت کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

فقال إنّی طلّقتُ ثلاثًا یا رسولَ اللہ، قال قد علمتُ راجعھا۔ (ابوداؤد ابواب الطّلاق)

"ابو رُکانہ نے کہا میں نے اُس کو تین طلاقیں دی ہیں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: میں جانتا ہوں، تم رُجوع کرلو!"

اس حدیث سے ایک طلاق واقع ہونے کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس کی اسناد میں بعضُ بنی أبی رافع مذکور ہے جو راوی کے مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مشہور اور اہم حدیثوں کا جائزہ اوپر پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی ہیں جو یکجائی تین طلاقوں کے ایقاع کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ دارقطنی وغیرہ کی حدیثیں ہیں جو بلحاظِ اسناد اور متن وغیرہ کے لحاظ سے ایسی نہیں ہیں کہ اُن سے حجّت قائم ہو سکے۔ اتنے اہم مسئلہ میں کمزور

غیر مشہور اور غیر واضح حدیثوں کا سہارا لے کر تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حدیثوں کو قبول کرنے کے معاملہ میں اس قدر محتاط تھے کہ آپ نے فاطمہ بنت قیس کی اس مطلقہ کے لئے جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں، عدمِ نفقہ کی روایت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ صحیح مُسلم میں ہے:

قال عمرُ لا نترك كتاب الله وسنة نبينا صلى الله عليه وسلم بقول امرأة لا ندري لعلها حفظت أو نسيت، لها السكنى والنفقة قال الله عز وجل لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔
(مسلم کتاب الطلاق)

حضرت عمرؓ نے فرمایا، کیا ایک عورت کے کہنے پر ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیں گے جبکہ ہم نہیں جانتے اُس عورت نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ مطلقہ ثلاث کے لئے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔ اللہ عزّ وجل نے فرمایا ہے، اُن کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔

اس لئے مسئلہ زیرِ بحث میں جبکہ کوئی صحیح اور صریح حدیث موجود نہیں ہے، قرآن کے بیان پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ غیر صحیح اور غیر صریح روایتوں سے تین یکجائی طلاقوں کا وقوع شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔

کیا تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر اجماع ہے؟

کہا جاتا ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اُمّت کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اور دورِ صحابہؓ سے لے کر اب تک اس کے بارے میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اُوپر گذر چکی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا[1]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی کا اجماع کس چیز پر تھا؟ رہا حضرت عمرؓ کا اجتہاد تو اُس کی جو توجیہ علامہ ابن قیم نے فرمائی ہے، اوپر مذکور ہوئی۔ یعنی یہ حکم عارضی تھا اور بطورِ تعزیر تھا۔ محمد حسین ہیکل نے بھی "الفاروق عمر" میں اس پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ کی نص میں اجتہاد کیا تھا جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ نصِ قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہو اور شوہر کے لئے دو دفعہ رجوع کا موقع باقی رہے۔ کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب

---

[1] یہ روایت صحیح مسلم کی ہے لیکن درایتاً اس پر کلام کی گنجائش ہے۔ یہاں اس کی جو توجیہ پیش کی جا رہی ہے وہ اس مفروضہ پر ہے کہ اگر اس روایت کو قابل استدلال سمجھا جائے تو اس کی صحیح توجیہ یہ ہوگی۔

ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ "تجھے تین طلاقیں ہیں" تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ایک فعل ہے جسے واقع ہونا ہے، نہ کہ قول جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق و شام کی لونڈیوں کی کثرت ہوگئی تھی اس لئے لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے میں جلدی کر رہے تھے اور اُن کو بیک وقت تین طلاقیں دے کر جن لونڈیوں کی طرف اُن کے دل راغب ہوجاتے تھے اُن کو خوش اور مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے اسباب کی بنا پر حضرت عمرؓ نے کلمۂ واحد کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ موصوف آگے لکھتے ہیں:

هذا اجتهاد رأي خالف عمرَ فيه من بعدهُ غيرُ واحدٍ من الفقهاء وخالفه أهل عصرنا الحاضر في طائفةٍ من البلاد الإسلامية ولاضير على عمر من ذالك ولاضير منه على مخالفيه، فعمرُ وغيرُهُ من الصحابة لم يكونوا يُفتون برأيهم على سبيل الإلزام ولا على أنّه وحده الحقُّ بل على أنّه رأي إن يكن صواباً فمن الله وإن يكن خطأً فمن صاحبه فهو يستغفر اللهَ منهُ۔ (الفاروق عمر محمد حسین ہیکل۔ ج ۲، ص ۲۸۶)	"یہ حضرت عمرؓ کا اجتہادِ رائے ہے جس کی مخالفت ان کے بعد متعدد فقہاء نے کی ہے اور دورِ حاضر میں بھی بلادِ اسلامیہ کا ایک گروہ اس کا مخالف ہے، لیکن اس سے نہ حضرت عمرؓ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ اُن سے اختلاف کرنے والوں پر۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ اپنی رائے سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے وہ نہ بطورِ لزوم کے ہوتا تھا اور نہ اس طور سے ہوتا تھا کہ وہی حق ہے بلکہ ایک رائے ہے۔ اگر درست ہو تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو صاحبِ رائے کی طرف سے چنانچہ آپ اس سلسلہ میں اللہ سے استغفار کرتے تھے:

موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

السُنّةُ ما سنّهُ اللهُ ورسولُهُ لا تجعلوا خطأَ الرأيِ سُنّةً للأُمّةِ (ایضاً)	"سُنّت وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے سُنّت قرار دیا ہے۔ رائے کی غلطی کو اُمّت کے لئے سُنّت نہ بناؤ۔"

مصر کی مشہور کتاب "کتابُ الفقہ علی المذاهب الأربعة" کا مصنف رقم طراز ہے:

ولكنّ الواقع أنّهُ لم يُوجد إجماعٌ۔ فقد خالفهم كثيرٌ من المسلمين۔ ومما لاشكّ فيه أنّ ابن عباسٍ من المجتهدين الذين عليهم المُعوّلُ في الدين فتقليدهُ جائزٌ كما ذكرنا ولا يجبُ	"لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پر اجماع ثابت نہیں ہے چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے جن کے اوپر دین کے معاملہ میں پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی تقلید کرنا جائز ہے جیسا کہ

تقلید عمر فیما راٰہ لأنہ مجتہد وموافقۃ الأکثرین لہ لا تحتم تقلیدہ علی أنہ یجوز أن یکون قد فعل ذالک لتحذیر الناس من إیقاع الطلاق علی وجہٍ مغایرٍ للسنۃ فإن السنۃ أن تطلق المرأۃ فی أوقاتٍ مختلفۃٍ علی الوجہ الذی تقدم بیانہ فمن یجرأ علی تطلیقہا دفعۃً واحدۃً فقد خالف السنۃ و جزاء ھذا أن یعامل بقولہ زجراً لہ۔

وبالجملۃ فإن الذین قالوا إن الطلاق الثلاث بلفظٍ واحدٍ یقع بہ واحدۃٌ لا ثلاثٌ لہم وجہٌ شدیدٌ وھو أن ذالک ھو الواقع فی عہد الرسول وعہد خلیفۃ الأعظم أبی بکرٍ وسنتین من خلافۃ عمرٍ واجتہاد عمر بعد ذالک خالفہ فیہ غیرہ فیصح تقلید المخالف کما یصح تقلید عمر، واللہ تعالیٰ لم یکلفنا البحث عن الیقین فی الأعمال الفرعیۃ لأنہ یکاد یکون مستحیلاً۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ۔ ج ۴ ص ۳۴۳، ۳۴۴)

ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمرؓ کی اُن کی رائے کے معاملہ میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ آپ بھی مجتہد ہی تھے رہا اکثریت کا آپ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے آپ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو جبکہ لوگ خلافِ سنت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے کیونکہ سُنّت یہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ جس کے طریقہ کا اوپر بیان ہو چکا۔ تو جو شخص یکبارگی طلاق دینے کی جرأت کرتا ہے وہ سُنّت کے خلاف کرتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اُس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔

مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظ واحد ایک واقع ہوتی ہے تین نہیں، ان کا کہنا معقولیت پر مبنی ہے، کیونکہ عہدِ رسالت خلیفۂ اعظم حضرت ابوبکرؓ کے عہد اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جو اجتہاد کیا اُس کی دوسروں نے مخالفت کی، لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست ہے جس طرح حضرت عمرؓ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی اعمال میں کرید کر یقینی صورت معلوم کرنے کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔"

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

(وکذالک) إذا طلقہا ثلاثاً بکلمۃٍ أو کلماتٍ فی طہرٍ واحدٍ فہو محرمٌ عند جمہور العلماء وتنازعوا فیما یقع بہا، فقیل یقع بہا الثلاث وقیل لا یقع بہا إلا طلقۃٌ واحدۃٌ وھذا

" اگر کوئی شخص ایک طُہر میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں تین طلاقیں دے تو جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ لیکن ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین واقع ہوں گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی

هُو الأظهر الّذی یدُلّ علیہ الکتاب والسُّنّۃ کما قد بسط فی موضعہ۔

اور یہی بات زیادہ صحیح ہے جس پر قرآن وسُنّت دلالت کرتے ہیں، جیساکہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔"

(وکذٰلک) الطّلاق المحرّم فی الحیض بعد الوطیٔ ھل یلزم ؟ ۔ فیہ قولان للعلماء والأظھر أنّہ لایلزم النکاح المحرّم والبیع المحرّم وقد ثبت فی الصّحیح عن ابن عبّاس قال کان الطّلاق علیٰ عھد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وأبی بکر وصدرًا من خلافۃ عمر طلاق الثّلاث واحدۃً۔ وثبت ایضًا فی مُسند أحمد أنّ رُکانۃ بن عبد یزید طلّق امرأتہ ثلاثًا فی مجلس واحدٍ فقال النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ھی واحدۃٌ ولم یثبُت عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم خلاف ھٰذہٖ السُّنّۃ بل ما یُخا لفھا إمّا أنّہ ضعیفٌ بل مرجوحٌ وإمّا أنّہ صحیحٌ لایدلّ علیٰ خلاف ذالک کما قد بسُط ذالک فی موضعہ، واللّٰہ أعلم۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲،ص ۸۶)

" طلاقِ محرّم جو مجامعت کے بعد حالتِ حیض میں دی جائے کیا وہ مؤثر ہوگی ؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ نکاحِ حرام اور بیع حرام مؤثر نہیں ہے اور صحیح حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دور میں تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں ۔ اور مُسند احمد کی حدیث سے ثابت ہے کہ رُکانہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو مجلسِ واحد میں تین طلاقیں دیں، لیکن نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس سُنّت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ مروی ہے وہ یا تو ضعیف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے، یا صحیح ہے لیکن اس سے اس کے خلاف بات ثابت نہیں ہوتی۔ جیساکہ دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے۔ واللہ اعلم

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں :

فإنّ اللّٰہ سبحٰنہٗ إنّما شرع الطّلاق مرّۃً بعد مرّۃٍ ولم یشرعہُ جملۃً واحدۃً أصلاً۔ (اغاثۃ اللھفان۔ ج ۱،ص ۲۸۳)

" اللہ سبحانہٗ نے ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا مشروع فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر تین طلاقیں (ایک وقت) دینا اصل میں مشروع ہی نہیں فرمایا ہے "

امام رازی لکھتے ہیں :

(الأوّل) وھو اختیار کثیرٍ من علماء الدّین

" یہ قول بہت سے علماءِ دین کا ہے کہ اگر مرد نے دو یا تین

أنہ لوطلقھا اثنین أوثلاثاً لا یقع إلّا الواحدۃ وھٰذا القول ھو الأقیس لأن النھی یدل علی اشتمال المنھی عنہ علی مفسدۃ راجحۃ۔ والقول بالوقوع سعیٌ فی إدخال تلک المفسدۃ فی الوجود وأنہ غیر جائز فوجب أن یحکم بعدم الوقوع۔
(التفسیر الکبیر ج ۲، ص ۲۶۰)

طلاقیں دی ہوں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہی بات زیادہ قرینِ قیاس ہے، کیونکہ کسی چیز کی ممانعت دلالت کرتی ہے اِس بات پر کہ ممنوعہ چیز بڑے مُفسدہ پر مشتمل ہے لہٰذا تطلیقاتِ ثلاثہ کے واقع ہونے کا قول اس مُفسدہ کو وجود میں لانے کے مترادف ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عدمِ وقوع کا حکم لگایا جائے۔"

اِن تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ مُختَلَفٌ فِیہ ہے۔

مجلسِ واحد کی تین طلاقیں کن علماء و فقہاء کے نزدیک ایک واقع ہوتی ہیں۔

اگرچہ کہ ائمہ اربعہ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے قائل ہیں، لیکن علماء و فقہاء کی ایک تعداد صرف ایک طلاق کے وقوع کی قائل ہے۔ مثلاً ابنِ عباسؓ، عکرمہ، طاؤس، ابن اسحٰق، امام رازی، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، داؤد ظاہری وغیرہ۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

"اور اہلِ علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق، طلاق کے پیچھے نہیں واقع ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے۔ صاحبِ بحر نے اس کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ایک روایت حضرت علیؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ، امام طاؤس، امام عطاء، جابر بن یزید، ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن عیسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے۔ اِسی طرف متأخرین کی بھی ایک جماعت گئی ہے جس میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے اور ابن المنذر نے اِس کو اصحابِ ابن عباس، عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے، اور ابن مُغیث نے اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ نیز ابن مُغیث نے اپنی کتاب "الوثائق" میں اسی کو محمد بن وضاح سے بھی نقل کیا ہے، اور مشائخِ قرطبہ میں سے محمد بن تقی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک

جماعت کا بھی فتویٰ اِس قول پر نقل کیا ہے۔" (الجواہر الغالیہ - از مولانا ابو عُبیدہ اعظمی بحوالہ نیل الاوطار ج ۲، ص ۲۴۵)

اہلِ حدیث نقطہ نظر بھی یہی ہے۔

علاوہ ازیں اثنا عشریوں کا بھی یہی مسلک ہے اور امامیہ کے یہاں تو تین یکجائی طلاقیں دینے سے طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔

حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن مقاتل (حنفی) بھی اِس کے قائل ہیں کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ملاحظہ ہو شرح مسلم للنووی۔ ج ۱، ص ۴۷۸)

تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا اثر اسلام کے نظامِ طلاق پر

درحقیقت تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رُجوع کا جو حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، اُس کو ساقط کر دیا جائے۔ پھر معاملہ یہیں پر نہیں رُکتا، بلکہ اس کو تسلیم کرنے کے بعد دوسرے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک طلاقِ رجعی کے بجائے ایک طلاقِ بائن دے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے رُجوع کے حق کو خود ہی ساقط کر دے تو اس کے وقوع کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، اور غالباً اسی لئے کچھ فقہاء کو ایک طلاقِ بائن کی گنجائش نکالنا پڑی ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی رُو سے مَدخُول بِہا کی ایک طلاق رجعی ہی ہوتی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو اسلام کا پورا نظامِ طلاق فقہیت اور قانونی اُلٹ پھیر کی زد میں آجاتا ہے جس سے شرعی احکام کی رُوح مجروح ہو جاتی ہے، جو عظیم مصالح معاشرتی زندگی کی تعمیر میں اسلام نے ملحوظ رکھے ہیں، وہ متاثر ہو جاتے ہیں، اعتدال باقی نہیں رہتا اور مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے اِس اندازِ فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

مُسلم ممالک میں ایک طلاق کا قانون

مسلم ممالک نے تطلیقاتِ ثلاثہ کے سلسلہ میں جو قوانین بنائے ہیں اُن کی حیثیت شرعی حُجت کی ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے ان قوانین کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ کن ممالک نے اس سلسلہ میں اقدامات کئے ہیں۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یعنی بغرضِ معلومات اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مصر نے ۱۹۲۹ء میں آنِ واحد کی تین طلاقوں کے اُصول کو ختم کر دیا اور قانون یہ بنایا کہ متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوں گی اور وہ رجعی ہوگی۔

A divorce accompained by a number expressly or impliedly, shall count only a single divorce. and such a divorce shall be revocable -

(Egyptian family Laws of 1929 art. 3)

اسی قسم کا قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں، اُردن نے ۱۹۵۱ء میں، شام نے ۱۹۵۳ء میں، مراکش نے ۱۹۵۸ء میں، عراق نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا۔ (ملاحظہ ہو طاہر محمود کی کتاب — Muslim Law Reform)

تاکیدی طلاقوں کا حکم

کبھی محض تاکید کے لئے طلاق کا لفظ دُہرایا جاتا ہے جس کی مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں۔ مرد طلاق دیتے وقت أنتِ طالقٌ طالقٌ طالقٌ، یا طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہے، لیکن اس کی نیت تین طلاقیں دینے کی نہیں ہوتی، بلکہ محض تاکید مقصود ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں متعدد فقہاء ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل ہیں۔

حنبلی مسلک کی کتاب "المُغنی" میں علّامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فإن قال أنتِ طالقٌ، طالقٌ، طالقٌ. و قال أردتُ التوكيدَ قُبِلَ منهُ لأنّ الكلامَ يُكرّرُ للتوكيد كقوله عليه السلام فنكاحُها باطلٌ، باطلٌ، باطلٌ. وإن قصد الإيقاع وكرّر

"اگر کہا تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے اور کہے کہ میں نے تاکید کی غرض سے کہا تھا تو اُس کا یہ بیان قبول کر لیا جائے گا۔ کیونکہ بات تاکیداً دُہرائی جاتی ہے، جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے (یعنی ایک حدیث میں نکاح کے باطل ہونے کا لفظ تاکید کی غرض سے تین مرتبہ دُہرایا گیا ہے)

الطلقات طلقت ثلاثاً، وإن لم ينوِ شيئاً لم يقع إلا واحدة۔	لیکن اگر اسکی نیت تین طلاقوں کے ایقاع کی تھی اور طلاقوں کو دُہرایا تھا تو پھر تین طلاقیں واقع ہوں گی، اور اگر کوئی نیت نہیں کی تھی تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی"

(المغنی۔ ج ۷، ص ۲۳۲)

شافعی مسلک کی کتاب "منہاج الطالبین" میں امام نووی لکھتے ہیں:

وإن قال أنتِ طالقٌ، أنتِ طالقٌ، أنتِ طالقٌ وتخلل فصلٌ فثلاثٌ وإلا فإن قصد تاكيداً فواحدةٌ (منہاج الطالبین، ص ۱۰۶)	"اور اگر کہا تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے اور درمیان میں فصل واقع ہوا تو تین طلاقیں پڑگئیں۔ ورنہ اگر اس نے تاکید کی غرض سے کہا تھا تو ایک پڑے گی"

حنفی مسلک کی کتاب "بہشتی زیور" میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"کسی نے تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ تو تینوں طلاقیں پڑگئیں، یا گول الفاظ میں تین مرتبہ کہا تب بھی تین پڑگئیں۔ لیکن اگر نیت ایک ہی طلاق کی ہے فقط مضبوطی کے لئے تین دفعہ کہا کہ بات خوب پکی ہو جائے تو ایک ہی طلاق ہوئی لیکن عورت کو اس کے دل کا حال تو معلوم نہیں اس لئے یہی سمجھے کہ تین طلاقیں مل گئیں" (بہشتی زیور۔ ج ۴، ص ۲۲)

مولانا مجیب اللہ ندوی "اسلامی فقہ" میں لکھتے ہیں:

"البتہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق۔ تو اگر اس سے اس کی نیت تین طلاق دینے کی نہیں تھی بلکہ صرف تاکید کرنی مقصود تھی تو ایک ہی طلاق رجعی پڑے گی" (اسلامی فقہ۔ ج ۴، ص ۱۸۲)

اسی سے ملتی جلتی صورت یہ ہے کہ لوگ شرعی احکام سے ناواقفیت کی بنیاد پر تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دیتے ہیں، لیکن بعد میں جب اس کا علم ہو جاتا ہے تو ایسا شخص کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین طلاق کے الفاظ استعمال کئے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

اس صورت حال کو واقعیت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے اور اس کے اس بیان کے پیش نظر تین طلاقوں کو تاکید پر محمول کر کے ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگانا چاہیے۔

خلاصہ بحث اور مسئلہ کا حل تین یکجائی طلاقوں کے ایقاع کے سلسلہ میں دلائل کا جو جائزہ

اُوپر پیش کیا گیا ہے اُس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے ایقاع پر نہ قرآن کا کوئی صریح حکم موجود ہے، نہ کوئی صحیح حدیث ہی ایسی ہے جس میں اس کا صریح حکم بیان کیا گیا ہو اور نہ اس پر اجماع ہی ثابت ہے، بلکہ یہ مسئلہ دورِ صحابہؓ سے لے کر اب تک اُمّت کے درمیان مُختلَف فیہ رہا ہے اور دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ ایسی صورت میں جو بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ نقلی اور قطعی حکم کا نہیں، بلکہ تعبیر اور اجتہاد کا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اُس کو اجتہادی اختلاف پر محمول کرتے ہوئے فتویٰ اُس اجتہادی رائے کے مطابق دیا جانا چاہئے جو مَصالِحِ اُمّت کے لحاظ سے اَنسب ہو۔

ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ لوگ بُری طرح جہالت میں مُبتلا ہیں، شرعی احکام سے بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں، اسی لئے بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں پچھتانے لگتے ہیں، دوسری طرف مرد کی اس نادانی کے نتیجہ میں خاندان کے لئے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور تیسری طرف مُسلم پرسنل لا اور اسلامی نظامِ معاشرت کے مخالفین شریعت پر حرف زنی کرنے اور اسلامی طرزِ معاشرت کی بڑی بھونڈی تصویر پیش کرنے لگتے ہیں جس سے جدید تعلیم یافتہ ذہن خاصا متاثر ہو رہا ہے اور شرعی قوانین کی حفاظت کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات کھڑی ہو رہی ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مصالحِ دین اور مصالحِ اُمّت کا تقاضا ہے کہ فقہی مسلکوں کے خول میں بند رہنے کے بجائے وسیعُ النظری سے کام لیا جائے اور اُس اجتہادی رائے کو اختیار کیا جائے جس کے مطابق تین یکجائی طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ایک طرف عام مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انہیں طلاق دینے کے شرعی طریقہ سے واقف کرایا جائے کہ اگر کوئی شخص طلاق دینا چاہے تو صرف ایک طلاقِ رجعی بحالتِ طُہر جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو، دینے پر اکتفا کرے۔ اس کے بعد اگر وہ رجوع کرنا نہیں چاہتا تو عدّت گذرنے دے۔ عدّت گذرنے پر دوبارہ نکاح کا موقع باقی رہے گا، اس لئے پچھتانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوگا۔

ایک طرف تو وسیع پیمانے پر اس شرعی حکم سے لوگوں کو واقف کرانے کی کوشش کی جائے اور دوسری طرف ہماری شرعی پنچایتیں تین یکجائی طلاقوں کے ایک واقع ہونے کا فتویٰ دیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

تطلیقاتِ ثلاثہ

از

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

ایڈیٹر ماہنامہ "برہان" دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسلام میں طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ رَجْعِيَّۃ۔ جس میں عدّت گذرنے سے پہلے پہلے مُطلّق اپنے قول یا عمل سے طلاق واپس لے سکتا ہے۔

۲۔ بَائِنَۃ۔ جس میں مُطلّق عدّت ختم ہونے کے بعد تجدیدِ نکاح کرسکتا ہے۔

۳۔ مُغَلَّظَۃ۔ اس میں مُطلّق حلالہ کے بغیر تجدیدِ نکاح نہیں کرسکتا۔

اِس وقت موضوعِ بحث یہی تیسری طلاق ہے، اس لئے ہم اس پرہی گفتگو کریں گے۔
اِس طلاقِ مغلّظہ کا حکم قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے بطورِ نصّ ثابت ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۽ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۽ (البقرہ)

طلاق (جس کے بعد رجوع بھی ہوسکتا ہے) وہ تو دو ہی مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو معروف کے ساتھ عورت کو روک لیا جائے یا اسکو احسان کیساتھ چھوڑ دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۽

اگر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد پھر ایک طلاق اور دے دی تو اب جبتک عورت کسی اور سے نکاح نہیں کریگی وہ پہلے مرد کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

اِن آیات کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاقِ مغلّظہ اُس وقت واقع ہوگی جب کہ مرد آگے پیچھے دو طلاق دینے کے بعد یہ فیصلہ کرلے کہ اُسے اب عورت کو اپنی زوجیت میں نہیں لینا ہے اور اس فیصلہ کے مطابق وہ ایک طلاق اور واقع کردے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کوئی شخص آگے پیچھے نہیں بلکہ تین طلاقیں ایک ساتھ واقع کرے گا تو اُس کا یہ فعل قرآن کے مذکورہ بالا حکم کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث جس کی اسناد امام مسلم کی شرط پر ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں تو آپ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم

کیا ابھی جبکہ میں تم لوگوں میں موجود ہوں کتاب اللہ سے اس طرح کھیلا جائیگا۔

علاوہ ازیں مُسندِ امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رُکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور پھر اُن کو اس کا شدید غم اور صدمہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا، "تم نے طلاق کس طرح دی تھی؟" رُکانہ نے جواب دیا۔ "میں نے تین طلاقیں دی ہیں"۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا، "کیا ایک مجلس میں؟" انھوں نے جواب دیا: "جی ہاں! ایک مجلس میں"۔ اب آپ نے فرمایا: فإنما تلك واحدة فارجعها۔ (یعنی یہ تو ایک ہی طلاق ہوئی، تم اسے واپس لے لو اگر تم چاہتے ہو۔) رکانہ کا بیان ہے کہ اس ارشاد نبوی کے مطابق میں نے رُجوع کر لیا۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام احمد فرماتے ہیں کہ اسی روایت کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے بھی تھی کہ طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ طُہر میں الگ الگ ہونی چاہئیے، اور یہی طلاق سُنّت بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو برس تک تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً دی جائیں اُن کا حکم یہی تھا کہ وہ ایک سمجھی جاتی تھیں، لیکن اپنی خلافت کے دو برس گذرنے کے بعد حضرت عمر نے مذکورہ بالا تین طلاقوں کو تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ ماننے کا حکم صادر فرمایا۔ کیوں؟ حضرت عبداللہ بن عباس اس سلسلے میں خود حضرت عمر کے الفاظ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

إنّ النّاس قد استعجلوا في أمر كان لهم فيه إناة فلو أمضيناه عليهم۔ (مسند امام احمد ج ۱۷، ص ۷)	وہ چیز جس میں (قرآن وسنّت کے مطابق) لوگوں کے لئے سوچنے کا بڑا موقع تھا، اس میں انھوں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے۔ پس بہتر ہے کہ ہم اُن پر اپنا حکم نافذ کریں۔

حضرت عمر کا یہ قول نقل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں، فأمضاه عليهم (چنانچہ حضرت عمر نے یہ حکم نافذ کردیا)۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے اس ارشاد سے یہ بات تو صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ حضرت عمر کا یہ اِقدام بے وجہ نہیں تھا، بلکہ لوگوں نے کسی وجہ سے ایک ایسی[۱] جلد بازی کی اختیار کر رکھی تھی جو سرتاسر قرآن کے منشا و مقصد کے خلاف تھی۔ اس بنا پر حضرت عمر نے ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے خیال سے یہ اقدام فرمایا، تاکہ انھیں محسوس ہو کہ اس جلد بازی کے باعث

---

[۱] مسند امام احمد۔ مرتبہ شیخ ساعاتی ج ۱۷ ص ۷/۶

اُنھوں نے کس طرح شریعت کے یُسر کو اپنے لئے عُسر بنالیا ہے اور اس باب میں اُن کا حال ان بنی اسرائیل کا سا ہو گیا ہے جن کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کھانے کی چیزیں ان لوگوں کے لئے حلال کی تھیں، مگر جب انھوں نے خود اپنے اوپر بعض چیزیں حرام کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اُن چیزوں کو حرام کر دیا۔

اب رہی یہ بات کہ وہ وجہ آخر کیا تھی جس کے باعث حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں نے جلدبازی کی راہ اختیار کی تھی؟ اس سوال کے جواب میں عہد حاضر کے مشہور اور بلند پایہ مصنّف محمّد حُسین ہیکل اپنی معرکتہ الآرا کتاب عمر الفاروق میں لکھتے ہیں،

"غالب گمان یہ ہے کہ عہدِ فاروقی میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد اُن سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق وشام کی کنیزیں بکثرت آگئی تھیں اور مدینہ اور جزیرۃ العرب کے لوگ اُن پر فریفتہ تھے اور وہ اپنی ان من موہنیوں کو خوش کرنے کے لئے بیویوں کو بعجلت وشدّت بیک لفظ تین طلاقیں دینے لگے، تاکہ اُن کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ ان کے دل پر تنہا قابض ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کے باعث صدرِ اوّل کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو از راہ بے پروائی و ایذا رسانی ایک ہنسی کھیل بنا لیا تھا۔ ان میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ یہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تاکہ وہ اس کے لئے حلالہ کے بغیر حلال ہی نہ ہو سکے۔ اب اگر حلالہ کے بعد شوہر اپنی پہلی بیوی سے مراجعت کرتا بھی تھا تو اس سے گھر میں ایسی بدمزگی پیدا ہوتی تھی کہ زندگی اُجیرن بن جاتی تھی۔

غرض کہ اس قسم کے اسباب تھے جن کی بنا پر حضرت عمر نے یہ حکم جاری کیا کہ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں اور دفعۃً واحدۃً دی جائیں گی اُن کا حکم طلاق مغلظہ ہونے میں وہی ہوگا جو اُن تین طلاقوں کا ہے جو طلاق سُنّت کے مطابق تین طُہروں میں دی گئی ہوں۔ حضرت عمر نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالتا ہے وہ بے حس اور زیادہ گو انسان ہے اور اسے اس بے حسی اور زیادہ گوئی کی سزا ملنی چاہئیے۔"

ڈاکٹر محمّد حُسین ہیکل نے یہ جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور اس سے خود حضرت عمرؓ

کے مذکورہ بالا قول کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ایک اور چیز بھی ہے جو اس موقع پر پیش نظر رہنی چاہیے اور وہ یہ کہ حضرت عمر سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے پاس جب کبھی محلل اور محلل لہ لائے جائیں گے، میں اُن دونوں کو رجم کر دوں گا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت عرب سوسائٹی میں تحلیل کا رواج ہوتا جا رہا تھا اور اسی رواج کے زیرِ اثر لوگوں نے عجلت پسندی کی راہ سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کا طریقہ اختیار کر لیا ہوگا۔ اور ظاہر ہے یہ رواج معاشرہ میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط کا ایک ایسا ہی بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جیسا کہ متعہ۔ اس بنا پر جس طرح حضرت عمر نے متعہ قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے، اسی طرح طلاق کی کثرت اور اُس کے اثراتِ مابعد سے جو صورتِ حال پیدا ہوتی جا رہی تھی اس کے انسداد کی یہ شکل نکالی کہ ایک طرف ایک ہی مجلس میں اور دفعۃً دی گئی تین طلاقوں کا حکم طلاقِ مغلظہ قرار دے دیا اور دوسری جانب تحلیل کو بالکل ممنوع اور حرام قرار دیا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں[1]: زواج المحلل حرامٌ بالجماعۃ الصحابۃ، اور شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں، إنّ نکاح التحلیل شرٌّ من المتعۃ وأشدّ فسادًا وعارًا[2]

حضرت عمر کا یہ اقدام ایک سخت قسم کی معاشرتی خرابی کو روکنے کے لئے ایک ایسا ہی اجتہاد تھا جیسا کہ اُن کے دوسرے اجتہادات تھے۔ بہرحال اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خاص مسئلہ زیرِ بحث میں حضرت عمر کے اس اجتہاد کو قبولِ عام حاصل ہوا اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کر لیا اور اس کا حکم وہی ہو گیا جو اجماعِ صحابہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کا مسلک بھی یہی ہے اور اسی پر ان کا فتویٰ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ ایک مسئلۂ مجتہد فیہا ہے اور اس بنا پر اس بات کی گنجائش ہے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے یا ایک امرِ جنسی پیدا ہو جانے کی صورت میں اس پر از سرِ نو نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے۔ یہ نظرِ ثانی جن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ قرآن مجید میں تین طلاقوں کے بارے میں جو آیت ہے وہ اس باب میں نصِ قطعی ہے کہ طلاق مغلظہ اُس وقت واقع ہو گی جبکہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے مختلف مجلسوں میں واقع

---

[1] الفتاویٰ۔ للشیخ محمد شلتوت۔ ص ۲۰۱۔ [2] ایضاً

کی جائیں۔

۲- فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ سے ضمناً تیسری طلاق کے واقع کرنے میں قصد اور ارادہ کا بھی اشارہ نکلتا ہے۔

۳- طلاق سے متعلق قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں جو تصریحات ہیں اُن سب کو یکجا طور پر پیش نظر رکھا جائے تو ان سے حسب ذیل اُمور پر روشنی پڑتی ہے۔

(الف) طلاق اگرچہ مُباح اور مشروع ہے لیکن ابغض المباحات ہے اور نکاح میں اصل اس کی بقا ہے۔

(ب) طلاق اُس وقت دی جائے جبکہ شوہر اور بیوی دونوں کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

(ج) لیکن طلاق سے قبل ایک پنچ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دینا چاہیئے۔

(د) طلاق واقع کرنے سے مرد کا مقصد عورت کو ستانا اور اُسے تکلیف دینا نہیں ہونا چاہیئے۔

(ہ) طلاق حالتِ غضب میں نہیں دینی چاہیئے۔ (حافظ ابن قیم نے زاد المعاد صفحہ ۲۴۲ میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے فرمایا لاطلاق ولاعتاق فی الاغلاق" ابو العباس المبرد نے الکامل میں اِغلاق کے معنی بیان کئے ہیں تو تنگ دلی، بے چینی، مجبوری۔ حافظ ابن قیم نے اس کے معنی غضب کے لئے ہیں۔ اس بنا پر اس ارشادِ نبوی کا مطلب یہ ہوا کہ غضب اور مجبوری کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ طلاق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالک کا مذہب یہی ہے اور اس کی خاطر انھوں نے جو شدائد برداشت کئے ہیں وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں)

(و) طلاق کے بارے میں مرد کی نیّت کا اعتبار ہونا چاہیئے۔ (چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے، باب الطّلاق فی الاغلاق، والسکران، والمجنون، والنّسیان، والغلط، والنّسیان فی الطّلاق والشّرک۔ اور اس کے بعد حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ نقل کی ہے۔

اب ذرا صرف ہندوستان اور پاکستان میں نہیں بلکہ عالم اسلام میں ہر جگہ آجکل جو حالات پیش آرہے ہیں اُن کا جائزہ لیجئے۔ وہ حالات یہ ہیں۔

۱۔ آج مسلمان عام طور پر طلاق کے مسئلہ مسائل سے ناواقف ہیں اور وہ رجعیہ، بائنہ اور مغلظہ کے فرق کو نہیں جانتے۔ اس لئے جب کبھی غصہ کی حالت میں ناراض ہوکر یا کسی اور سبب سے بیوی سے ترکِ تعلق کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو بے تکلف طلاق کا لفظ دو تین مرتبہ بول جاتے ہیں۔

۲۔ لیکن جب غصہ فرو ہوتا ہے تو اُن کو اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے اور وہ عورت سے زوجیت کا تعلق پھر قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اُن کو بتایا جاتا ہے کہ بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور اب وہ حلالہ کے بغیر اُن کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

۳۔ حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے اسی لئے مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتا اور یوں بھی ان کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

۴۔ شوہر ہزار کہتا ہے کہ مجھ کو نہ طلاقِ مغلظہ کا حکم معلوم تھا اور نہ میری نیت یہ تھی لیکن اُس کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور فیصلہ برقرار رہتا ہے۔

۵۔ اُس بدنصیب عورت کی جوانی کی عمر ڈھل چکی ہے اسی لئے کچھ اس بنا پر اور کچھ طلاق سے داغ دار ہونے کے باعث اب اس کی کہیں شادی بھی نہیں ہوسکتی۔

۶۔ اُس عورت کے لئے گذر بسر کا ذریعہ بھی ایک نکاح تھا۔ اب جب یہ منقطع ہوگیا تو اُس کے لئے معاش کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ جب ایک انسان اس طرح معاش سے مجبور اور تنگدست ہوتا ہے تو پھر اُس سے کوئی گناہ مستبعد نہیں ہوتا۔

۷۔ علاوہ ازیں یہ معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہی نہیں بلکہ اُن کی اولاد بھی ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ اُن پر کیا گذرے گی؟ اور والدین کی باہمی مفارقت سے ان کے دل و دماغ پر نفسیاتی، اخلاقی اور ذہنی اثرات کیا ہوں گے؟ اربابِ نظر پر یہ پوشیدہ نہیں ہے۔

غرض کہ یہ حالات ہیں جنہوں نے مسلم سماج میں ایک عظیم تہلکہ برپا کر رکھا ہے۔ عالم اسلام کی عدالتوں کی روئداد ملاحظہ کیجئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس طرح کے افسوسناک واقعات کس کثرت سے روزانہ پیش آرہے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ امن و چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں اگر اُن کے عشر تکدوں

تک اُن ہزاروں ستم رسیدہ و مظلوم انسانوں کی داد فریاد اور آہ و شیون نہیں پہنچ سکتی تو کیا اسلام کے پاس بھی اُن کے لئے کوئی مدد نہیں ہے؟ — جواب یہ ہے کہ، ہے، اور لازمی طور پر ہے۔ خود حضرت عمرؓ کے اقدام سے یہ صاف ظاہر ہے کہ طلاق کے احکام میں اس قدر لچک ہے کہ اسلامی سوسائٹی کے خاص حالات کی اصلاح کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی کسی آیت کے منطوق حکم میں تقیید اور تخصیص کا عمل کیا جا سکتا ہے۔ پس جب یہ ہو سکتا ہے تو اگر کسی زمانہ مابعد میں کسی اور قسم کے ناگفتہ بہ حالات سماج میں پیدا ہو جائیں اور اُن کی اصلاح قرآن کے اصل منطوق کی طرف رُجوع کرنے سے ممکن العمل ہو سکتی ہو تو پھر اُس راہ کو اختیار کرنا کیوں بدرجۂ اولیٰ درست اور انسب نہ ہوگا۔ اس بنا پر طلاق سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور مذکورۃ الصّدر تنقیحات کے پیشِ نظر موجودہ معاشرتی حالات میں ہمارے نزدیک علماء مجتہدین کے لئے اس امر کی کافی گنجائش ہے کہ وہ حسبِ ذیل فیصلے کریں۔

۱۔ تین طلاقیں جو ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں وہ ایک طلاق سمجھی جائے گی اور طلاقِ رجعیہ ہوگی۔

۲۔ تین طلاقیں جو ایک ہی مجلس میں تین لفظوں سے دی جائیں اور شوہر شدید غضب کے عالم میں ہو اور غصہ فرو ہونے کے بعد وہ یہ کہے کہ میں نے دوسری اور تیسری طلاق کے الفاظ پہلی ہی طلاق کو موکّد کرنے کے لئے کہے تھے، یا بے سمجھے بُوجھے غُصّہ میں زبان سے نکل گئے تھے اور میں طلاقِ مغلظہ کے حکم سے نا واقف تھا اور نہ اس کا ارادہ تھا۔ تو اِن سب صورتوں میں مرد کی تصدیق کی جائے۔ اسلامی شریعت کی درحقیقت اسپرٹ ہی یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو رشتۂ ازدواج کو قائم رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ ہاں البتہ جب شوہر نے یہ ٹھان ہی لیا ہے کہ اُسے اِس رشتہ کو منقطع کر دینا ہی ہے تو اب مجبوری ہے۔

اب آیئے، جو حضرات مذکورہ بالا تین طلاقوں کو ایک طلاقِ رجعی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں اور اس کے شدید مخالف ہیں، ان کے دلائل کا بھی جائزہ لیں۔

ان حضرات کا سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ حضرت عمرؓ کا حکم اجماعِ صحابہ کا حکم رکھتا ہے جو قطعی الدّلالۃ والثبوت ہوتا ہے اور اسی بنا پر ائمہ اربعہ کا باہم اس میں کوئی اختلاف

نہیں ــــــ اس کے جواب میں گذارش یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ کی جلد ۳-۴ میں اور امام عالی مقام کے تلمیذِ رشید حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے اِغاثۃ اللہفان الکبریٰ والصغریٰ میں اور پھر اپنی کتاب زاد المعاد اور اعلام الموقعین میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بہت مفصل، جامع اور مدلل گفتگو کی ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیے، مخالف حضرات کے دلائل کا جواب مل جائے گا۔

چنانچہ اجماعِ صحابہ کی نسبت حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس، علی و عبداللہ بن مسعود کے متعلق دونوں طرح کی روایات ہیں۔ بعض میں ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور بعض روایات میں اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ طلاقِ مغلظہ ہونے کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحٰق، فلاس بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی اور اُن کے اکثر اصحاب، بعض اصحابِ مالک، بعض اصحابِ حنفیہ، بعض اصحابِ احمد بن حنبل اِن سب کا فیصلہ یہ تھا کہ طلاقِ ثلاثہ کا حکم ایک طلاق کا ہے[1]۔

پس جب صورتِ حال یہ ہے تو اجماع کا دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن قیم کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ درحقیقت حضرت عمر کے فیصلہ پر اجماع نہ عہدِ صحابہ میں ہوا، نہ عہدِ تابعین میں، نہ عہدِ تبع تابعین میں۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں،

سلف اور خلف میں مالک، احمد بن حنبل اور داؤد وغیرھم کے اصحاب میں ایسے حضرات تھے جو یا تو طلاقِ ثلاثہ کو لغو قرار دیتے تھے، یا اس سے ایک طلاق رجعی واقع کرتے تھے، اور یہی صحابہ و تابعین سے بھی منقول ہے[2]۔

پس اوّل تو یہ دعویٰ کرنا ہی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر کے حکم پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا اور اگر یہ اجماع تھا بھی تو یہ اجماع سکوتی تھا جو مرتبہ میں بہرحال اجماعِ تقریری سے کم ہوتا ہے۔ اور پھر یہ امر بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو اجماعی فیصلہ کسی خاص زمانہ میں اُس وقت کے مخصوص حالات و ظروف کی بنیاد پر کیا گیا ہو، علماءِ اصولِ فقہ کے بیان کے مطابق جب تک وہ زمانہ اور اُس کے وہ حالات باقی رہیں گے، اُس وقت تک اجماعی فیصلہ واجب العمل ہو گا، لیکن جب وہ

---

[1] اعلام الموقعین ج ۲، ص ۴۱ تا ۴۲۔ [2] فتاویٰ شیخ الاسلام۔ ج ۴، ص ۱۵۱

حالات بدل جائیں گے تو اب وہ اجماعی فیصلہ واجبُ العمل نہ رہے گا اور اُس کے بجائے نئے حالات اور نئے تقاضوں کی روشنی میں کوئی دوسرا فیصلہ کرنا ہوگا۔

آج مسلمانوں کو یہی صورتِ حال درپیش ہے، جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا۔ یہ حالات ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔ ہر اسلامی ملک کے علماء و مفکرین اُن پر غور و خوض کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے فیصلے کئے ہیں۔ چنانچہ مصر جو جامعہ ازہر کے باعث علوم دینیہ و اسلامیہ کا مرکز رہا ہے اور جہاں اکابر علماء و محققینِ اسلام ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، اُس کے اجلّہ علماء نے اِس خاص مسئلہ میں بھی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ علّامہ شیخ محمود شلتوت اپنے فتاویٰ میں صاف لکھتے ہیں:

اَلطلاق بالثلاث لا یقع الا واحدۃ رجعیۃ ویرد الرجل زوجہ بکلمۃ الرجعۃ أو بالمخالطۃ الخاصۃ [1]

جو تین طلاقیں ایک مرتبہ دی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی اور مرد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو واپسی کے لفظ سے یا مخالطتِ خاص کے ذریعہ واپس لے لے!

علّامہ سید رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں کہ "بعض فقہاء اور دانشوروں نے ہماری حکومتِ مصر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تین طلاقوں کے مسئلہ میں اصل کتاب و سنّت کی طرف رُجوع کیا جائے جس کے دلائل کو سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علّامہ ابن قیم نے نہایت بسط و تفصیل سے اپنی کتاب اعلام الموقعین، اغاثۃ اللھفان اور زاد المعاد میں بیان کیا ہے اور پھر ان دونوں حضرات کی تائید و موافقت امام شوکانی، سید صدیق حسن اور دوسرے ہندوستانی علمائے متاخرین نے کی ہے۔" [2]

چنانچہ اسی سلسلہ میں حکومتِ مصر نے ایک قانون بنایا جو ۱۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو منظور کیا گیا۔ یہ قانون طلاق سے متعلق ہے اور اس میں بہت سی دفعات ہیں۔ اس کی دفعہ نمبر ۳ میں ہے: "وہ طلاق جس کے بعد اشارۃً یا لفظاً عدد ہوں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔" [3]

علاوہ ازیں عہدِ حاضر کے ایک اور جلیل القدر عرب عالم اور مفسّر شیخ جمال الدین القاسمی نے نہایت محمود کتاب "الاستیناس لتصحیح أنکحۃ الناس" کے نام سے لکھی ہے اور

---

[1] الفتاویٰ۔ ص ۳۰۶۔ [2] تفسیر المنار۔ ج ۹ ص ۶۸۳۔ [3] حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ از شیخ محمد بہجۃ البیطار ص ۶۶

اس میں طلاق کے مسئلہ پر نہایت مفصّل گفتگو کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جو تین طلاقیں دفعتہً واحدۃً واقع کی جائیں اُن سے ایک طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔ شیخ نے اس مسئلہ پر مبسوط و مفصّل گفتگو کے بعد آخر میں جو عبارت لکھی ہے ہم اسے نقل کرتے ہیں اور اسی پر یہ مقالہ ختم کرتے ہیں۔

" اللہ کی قسم دل رنج والم کے مارے پاش پاش ہوا جاتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں کہ آج جہالت اور علمِ دین سے بے خبری کے باعث مسلمانوں کی حالت کیا ہوگئی ہے۔ چنانچہ آج ہماری عدالتیں اور محاکم شرعیہ مظلوم عورتوں کی شکایتوں سے پُر ہیں اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ شوہر اپنے ظلم و عدوان اور بیویوں کے ساتھ حق تلفی و سخت بے رحمی کا معاملہ کرنے کے باعث اسلام کے لئے ننگ و عار بن گئے ہیں۔ دوسری قومیں یہ سب کچھ دیکھتی ہیں اور ہمارا مذاق اُڑاتی ہیں اور اسلام کے ساتھ تمسخر کرتی ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ " [1]

---

[1] بحوالہ حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ص ۵۷



مجلسِ واحد کی
تین طلاقوں کا مسئلہ

از

مولانا مختار احمد صاحب ندوی
ناظم جمعیۃ اہلِ حدیث بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں پر تفصیلی بحث سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی نوعیت اور سماج پر پڑنے والے اس کے اثرات کا بھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ اس اہم اور نازک مسئلے پر غور کرنے والے کو مسئلہ کی نزاکت اور نتائج کا صحیح احساس ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے حقوق میں اپنا حق مقدم رکھا ہے اور حقوق العباد میں والدین کے حق کو اوّلیت بخشی ہے۔ "والدین" کا لفظ معنوی اعتبار سے اگرچہ ماں اور باپ دونوں ہی پر یکساں طور سے استعمال ہوتا ہے، لیکن حقوق کے اعتبار سے ماں کا حق باپ کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ہے۔ والدین اولاد کے لئے تو ماں اور باپ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن خود اُن کی اپنی حیثیت "زوجین" یعنی میاں بیوی کی ہے۔ عورت بچّے کے لئے ماں اور شوہر کے لئے بیوی ہے، لیکن اِن دونوں حیثیتوں کے علاوہ بھی سماج میں اُس کی دوسری بہت سی قابلِ احترام حیثیتیں ہیں اور ہر حیثیت اپنا ایک جداگانہ حق رکھتی ہے۔

عورت اگر عفّت اور صالحیّت کے حُسن سے آراستہ ہے تو وہ بلاشُبہ اِس کائنات کی سب سے قیمتی اور محبوب متاع ہے، اس لئے وہ رحم، عفو اور حُسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دُنیا میں عورت سب سے زیادہ مظلوم رہی ہے۔ اس کی پیدائش کو عار اور اس کے وجود کو نحوست قرار دے کر مدتوں اسے زندہ درگور کیا جاتا رہا۔ ہمارے ہندوستان میں عرصہ تک اسے اپنے شوہر کی چتا میں کُود کر جان دینے پر مجبور کیا جاتا رہا، بلکہ اب بھی ایسے اندوہناک حادثات کی خبریں گاہے گاہے ملتی رہتی ہیں۔

اسلام نے سب سے پہلے عورت کے حقوق کے تحفّظ اور اُس کی نسائیت کے احترام کی آواز اُٹھائی اور اُسے اُس کا فطری مقام عطا کیا۔ دادی اور نانی کی بزرگی، ماں کا تقدس، خالہ کا احترام، بیوی کا لُطف و پیار، بہن کی محبت، بیٹی کی عزت یہ سب اسلام کی دین ہے۔ میاں بیوی کے تعلق کو قرآن نے "لباس" سے تعبیر کیا ہے۔ اِس سے جامع اور موزوں و حسین تعبیر ممکن نہیں تھی جسم اور لباس میں کوئی پردہ نہیں۔ جسم جہاں لباس کا محتاج ہے، وہیں لباس کا حُسن جسم کے بغیر

ممکن نہیں، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ اسی طرح زوجین کا وجود اور اُن کی زندگی کا لُطف وسکون ایک دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ ایک دوسرے کے لئے جتنے زیادہ مَوزوں ومتناسب وجاذب ہوں گے، اُتنا ہی زیادہ زندگی کا حُسن نکھرے گا اور خاندان امن و راحت سے ہمکنار ہوگا۔

یہ اسلام کے حُسنِ معاشرت کا ادنیٰ سا ایک اشارہ تھا، لیکن زندگی حادثات ومکروہات سے بھی دوچار ہوتی ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ لباس جسم کے لئے ناموزوں ثابت ہوتا ہے۔ اُس وقت کی نزاکتوں کا احساس کرکے شریعتِ اسلامیہ نے ایسے اُصول وضع فرمائے ہیں جن سے جسم اور لباس دونوں کی رعایت وحُرمت قائم رہتے ہوئے دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہوجائیں۔ اسے اسلام نے "طلاق" سے تعبیر کیا ہے، جو حلال اشیاء میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت وکراہت قرار دیا گیا ہے اور جس کا استعمال اشد ترین ضرورتوں کے سوا روا نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ طلاق سے مشابہ دوسری تمام صورتوں کو طلاق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ظہار، ایلاء، طلاقِ مُکرہ (جبری طلاق) وغیرہ۔

طلاق کا شرعی طریقہ

جب میاں بیوی میں ایسی نااتفاقی پیدا ہوجائے جس سے خاندان کی تباہی اور زندگی کے امن وسکون کی بربادی کا خطرہ لاحق ہو اور زوجین کے درمیان حدودُ اللہ کا قیام ناممکن ہوجائے تو شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو اُس طُہر کی حالت میں ایک طلاق دے جس میں اُس نے بیوی سے مقاربت نہ کی ہو۔ یہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور عدّت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوگا۔ یہ تین ماہ کی مدّت ہے جس میں زوجین اور اُن کے اقرباء ومتعلقین کو اُن کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر سُدھار کی کوئی صورت نہیں بنتی اور طلاق ضروری ہی ہے تو دوسرے طُہر میں دوسری طلاق دے۔ یہ دوسری طلاق بھی رجعی ہوگی اور اب بھی شوہر کو عدّت کے اندر رجعت کا اور عدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کا حق حاصل ہے۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹ میں ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط	"طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے اور دونوں مرتبہ یا تو معروف طریقہ پر عورت کو روک لیا جائے یا عمدہ طریقہ سے چھٹکارا کردیا جائے۔"

آگے ارشاد ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔ "پھر اگر تیسری بار طلاق دے دی (یعنی تیسرے طہر میں) تو وہ اُس شوہر کیلئے اُس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے"۔

یہ تیسری آخری طلاق بائن ہوگی جس سے زوجین کے درمیان دائمی تفریق واقع ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کو بدفعاتِ ثلاثہ دینے کی ہدایت دے کر جو حکمت اور سہولت ملحوظ رکھی ہے وہ اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب ہدایاتِ ربانی کے مطابق طلاق دی جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب طلاق باری باری دو طہروں میں دی جائے۔ اِس قرآنی ہدایت کو نظرانداز کرکے اگر بیک لفظ و بیک مجلس تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دی جائیں اور انہیں تسلیم بھی کرلیا جائے تو جہاں یہ ایک فعلِ معصیت ہے وہیں کتاب اللہ کے ساتھ ایک مذاق بھی ہے۔ ساتھ ہی رجعت کا جو حق اللہ نے دیا تھا اُس کی بربادی بھی ہے۔ خاندان کی تباہی اور اہل و عیال کے حقوق کی پامالی اس پر مستزاد ہے۔ غالباً انہیں سب وجوہات سے متاثر ہوکر اُمت کے ایک طبقے (شیعہ) نے ایسی طلاقوں کو لغو اور باطل قرار دیا ہے، جو بہرحال انتہاپسندی اور دین میں غلو ہے۔ لیکن جہاں امامیہ کا یہ مسلک حق و صواب سے بعید ہے، وہیں یہ مسلک بھی صحیح نہیں کہ یہ تینوں طلاقیں تین شمار ہوں اور عورت شوہر پر حرام ہوجائے۔ اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جہالت یا جذبات کی رو میں آکر دی ہوئی ایک مجلس کی یہ تین طلاقیں ایک رجعی شمار ہوں اور اس غیر شرعی طریقہ طلاق کو طالق کی جہالت پر محمول کیا جائے۔

لفظ مرتان کی تشریح | قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے اسی مفہوم کی تشریح ہو رہی ہے۔ علماءِ احناف میں سے مشہور عالم مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اُستاد شیخ محمد صاحب تھانویؒ اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إِنَّ قَوْلَهُ تَعَالَىٰ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" معناه مرّةً بعد مرّةٍ فالتطليق الشرعي على التفريق دون الجمع والإرسال۔ (حاشیہ نسائی شریف ج ۲ ص ۲۹) "یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے۔ اس لئے کہ شرعی طلاق وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جاتی ہے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں"۔

لفظ مرتان کی یہی تفسیر علامہ سندھی حنفی (نسائی شریف حاشیہ ج ۲ ص ۲۹) علامہ ابوالبرکات

عبداللہ بن احمد نسفی حنفی (مدارک التنزیل۔ ج ۲ ص ۱۷۷) مولانا عبدالحق صاحب اکلیل (اکلیل علی مدارک التنزیل کشوری۔ ج ۲ ص ۱۷۱) علامہ انور شاہ صاحب کشمیری (فیض الباری۔ ج ۴ ص ۳۱۱) وغیرہم نے بھی کی ہے۔ جن کی عبارتیں اور اُن کے ترجمے طوالت کے خوف سے حذف کئے جارہے ہیں۔ البتہ آخر میں علامہ ابوبکر جصاص رازی کی یہ تشریح ملاحظہ کے لئے نقل کی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

إنّ الآیۃ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" تضمنت الأمر بإیقاع الاِثنتین فی مرتین فمن أوقع الاِثنتین فی مرۃ فھو مخالف لحکمھا۔ (أحکام القرآن)	یعنی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ دو طلاق، دوبار، دو طہروں میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے۔ لہٰذا جو شخص دو طلاق بیک دفعہ یعنی ایک طہر میں دیتا ہے وہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے پہلے "مرّتان" کہا، اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا۔ یعنی دو رجعی طلاقوں کا ذکر پہلے کیا پھر تیسری بائنہ کا ذکر آخر میں۔ اِس سے متفرق مدتوں میں طلاق دینے کے ساتھ پہلی دو طلاقوں کے رجعی ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

نیز عربی زبان بلکہ دُنیا کی کسی بھی زبان میں آپ اگر کہیں کہ "میں نے یہ کام تین مرتبہ کیا" تو اس سے تین مرتبہ الگ الگ کام کرنا مُراد ہوگا یا مثلاً اذان دیتے وقت "اللہ اکبر" چار مرتبہ دُہرانے کے بجائے پہلی ہی بار کہہ دیں "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ" تو اس سے اذان پُوری نہ ہوگی جبتک کہ چار مرتبہ نہ اسی کلمہ کو دُہرائیں۔ یا مثلاً نماز کے بعد تسبیحات پڑھتے وقت اگر آپ کہیں "سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ، اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ" تو اس سے تسبیحات کی تعداد تو پوری نہ ہوگی اور نہ حدیث پر عمل ہوسکے گا۔

یہ سب اعمال قولی تھے۔ جب یہ اپنی مطلوبہ تعداد پوری کئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتے تو طلاق ولعان وغیرہ جو سراسر قولی ہیں، کیسے پُورے ہوجائیں گے۔

لعان اور طلاق زوجین کی تفریق کے اعتبار سے حکماً ایک ہی جیسے ہیں اور لعان والی آیت میں "فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ۝" اِس جگہ شہادت کا عمل پانچ بار کہے جانے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا، تو پھر طلاق کو اس اُصول سے کیسے الگ کیا جاسکتا ہے؟

ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ طلاق والی آیت میں "مرتان" سے مراد "الگ الگ دو بار" ہے، نہ کہ بیک زبان و بیک مجلس مراد ہے، اور یہ کہ قرآن مجید کی آیات سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے، جبکہ ان تینوں کے تین طلاق ہونے کا اشارہ تک کسی آیت سے نہیں ملتا۔ فقہی موشگافیوں اور مسلکی گروہ بندیوں سے الگ ہو کر قرآن کو خالی ذہن کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا مفہوم سب کے قلب و دماغ پر بآسانی ثبت ہو جائے گا۔

مسئلے کی نوعیت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

طلاقِ ثلاثہ کی بابت سب سے مشہور و جامع حدیث وہ ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

کان الطلاق علی عہد رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و أبی بکرٍ وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب إنّ الناس قد استعجلوا فی أمرٍ کانت لہم فیہ اناۃ فلو أمضیناہ علیہم فأمضاہ علیہم۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق)	"یعنی عہدِ نبویؐ، خلافت صدیقیؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی لیکن جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینی شروع کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا جس کام میں لوگوں کو مہلت دی گئی تھی اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے۔ لہٰذا ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں تو کیا حرج ہے چنانچہ انھوں نے ان سب کو نافذ کر دیا۔"

یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دے کر عورت کو بائنہ قرار دیتے تھے۔

انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سرکاری حکم نامے کے ذریعہ یہ بات مشتہر کرادی کہ جو شخص بھی بیک زبان تین طلاقیں دے گا وہ تین شمار ہوں گی اور ایسا کرنے والے پر وہ بڑی سختی کرتے تھے۔

یہ حدیث اس مسئلے کے لئے فریقین کی سب سے اہم دلیل ہے۔ جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ حضرت عمرؓ کے اس عمل کو اپنے لئے مدارِ عمل بناتے ہیں اور یہ کہ صحابہؓ نے اس حکمنامہ کی مخالفت نہیں کی اور سب نے خاموشی اختیار کی۔

لیکن جو لوگ مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت عمرؓ کے قبل اور بعد دونوں

زمانوں کا الگ الگ تعامل ظاہر ہو رہا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں تک ایک مجلس کی تین طلاق ایک مانی جاتی تھی۔ اُمت کا اِس مسئلے پر اجماع تھا اور اس کے خلاف کوئی ایک فرد بھی نہ تھا۔ اختلاف کی ابتداء حضرت عمرؓ کے اُس فرمان کی وجہ سے ہوئی ہے جس میں آپ نے ایسی تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا حکم نافذ فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے فرمان کی توجیہ

اِس مقام پر پہنچ کر ہر صاحبِ فکر یہ سوچنے لگتا ہے کہ قرآنی تشریحات، نیز عہدِ رسالت و عہدِ صدیقی کے تعاملِ عام کے باوجود حضرت عمرؓ جیسے حساس شخص نے اس مسئلے میں اتنی نمایاں تبدیلی کیسے کر ڈالی؟ کیا بالفاظِ دیگر یہ مداخلت فی الدین نہیں؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ محض اجتہاد تھا جس میں اُن کے پیشِ نظر اُمت کے مصالح تھے اور عوام کی تربیت تھی۔ کیونکہ بیک مجلس و بیک زبان تین طلاقوں کے دینے کا غلط و غیر شرعی رواج عام ہو گیا تھا جس سے کتاب اللہ کے ساتھ کھُلا ہوا تلعّب ظاہر ہو رہا تھا اور اس باب میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں اور سہولتوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ باتیں ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے غیور کو کب برداشت ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے "تہدیداً و سیاسۃً" اپنا فرمان جاری کیا اور اُس پر سختی سے عمل بھی اسی لئے کرایا تاکہ لوگ غیر شرعی طلاقوں سے پرہیز کریں۔

حدیثِ رُکانہ بن عبد یزید

حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ سے روایت ہے:

طلّق رُکانۃ بن عبد یزید أخو بنی مُطّلب امرأتہٗ ثلاثاً فی مجلسٍ واحدٍ فحزن علیہا حزناً شدیداً قال فسألہٗ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کیف طلّقتہا، قال طلّقتُہا ثلاثاً قال فقال فی مجلسٍ واحدٍ؟ قال نعم. قال فإنّما تلک واحدۃٌ فارجِعْہا إن شئتَ. قال فراجَعَہا.

"حضرت رُکانہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر سخت مغموم ہوئے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے پوچھا: کس طرح طلاق دی؟ انھوں نے کہا: میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا ایک ہی مجلس میں؟" انھوں نے عرض کیا: "جی ہاں۔" آپؐ نے فرمایا: "وہ سب ایک ہی ہیں۔ آپ چاہیں تو بیوی سے رجعت کر لیں۔" حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو رجوع کر لیا۔"

(مُسندِ احمد - ج ۱، ص ۲۶۵)

اِن دونوں احادیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک

رجعی ہونے پر عہدِ نبوی، عہدِ صدیقیؓ اور عہدِ فاروقیؓ کے ابتدائی دو برسوں تک اُمت کا اجماع تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

إذا قال أنتِ طالقٌ ثلاثاً بفمٍ واحدٍ فهي واحدةٌ

یعنی اگر کوئی شخص بیک زبان تین بار کہے "تجھ کو طلاق دیا" تو یہ ایک طلاق ہوگی۔ (ابوداؤد مع عون المعبود ج ۲ ص ۲۲۷)

غیر مدخول بہا کے بارے میں امام طاؤس قسم کھا کر کہتے ہیں:

وَاللهِ ما كان ابن عباس يجعلها إلا واحدةً (ایضاً)

یعنی بخدا عبداللہ بن عباسؓ غیر مدخول بہا کی تین طلاقوں کو ایک ہی قرار دیتے تھے۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ بھی ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے کے قائل تھے۔ الغرض حضرت عمرؓ کے فرمان کے بعد بھی صحابہ کی معتد بہ تعداد اپنے مسلکِ اول پر قائم تھی۔

مجلسِ واحد کی تین طلاقوں پر اجماع کی حقیقت

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر سب سے زیادہ جو دلیل زیرِ بحث لائی جاتی ہے وہ حضرت عمرؓ کے فرمان کے بعد اُمت کے اجماع کی ہے اور عوام کو دراصل اسی "اجماع" کے بھاری بھرکم لفظ سے دھوکہ ہوا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ مجلسِ واحد کی تین طلاقوں کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے فتویٰ کے بعد بھی کبھی بھی متفق علیہ نہیں رہا، بلکہ اس میں اوّل روز ہی سے اختلاف پایا جاتا ہے جس کا اعتراف خود علماءِ احناف نے بھی کیا ہے۔

چنانچہ مازری نے اپنی کتاب "معلم" میں امام محمد بن مقاتل حنفی کی یہ روایت نقل کی ہے:

"طلاقِ ثلاثہ جو ایک ساتھ ہوں وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ایک قول یہی ہے"۔

امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

فذهب قومٌ إلى أنّ الرّجل إذا طلق امرأتہٗ ثلاثاً معاً وقعت علیھا واحدۃ۔ (شرح معانی الآثار)
یعنی کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدے تو وہ ایک ہی شمار ہوں گی۔

امام نووی شافعیؒ نے بھی لکھا ہے:

قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہٖ أنتِ طالقٌ ثلاثاً (نووی۔ ص ۴۷۸)
یعنی علماءِ اسلام کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپنی بیوی سے 'أنتِ طالقٌ ثلاثاً' کہا:

نیز امام طاؤسؒ اور بعض ظاہریہ نیز حجاجؒ بن ارطاۃ اور محمدؒ بن اسحٰق جیسے اجلّۂ امّت بھی اسی کے قائل تھے۔

ہندوستان کے مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ عمدۃ الرّعایہ ج ۲ ص ۷۱ میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کی بابت اُمّت کے ایک گروہ کی رائے نقل فرماتے ہیں:

والقول الثّانی أنّہ إذا طلق ثلاثاً تقع واحدۃٌ رجعیۃٌ وھذا ھو القول عن بعض الصّحابۃ وبہٖ قال داؤد الظّاھریؒ واتباعہٗ وھو أحد القولین لمالک وبعض أصحاب أحمد۔
یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر اگر تین طلاق دیدے تب بھی ایک رجعی ہی پڑے گی اور یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ سے منقول ہے اور امام داؤد ظاہری اور ان کے متّبعین اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک اور امام احمد کے بعض اصحاب کا بھی ایک قول ہے۔

امام شوکانی اسی مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا فتویٰ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امام طاؤس، امام عطاء، جابر بن یزید، ہادی، قاسم، ناصر، احمد بن عیسٰی، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ، ابن تیمیہ، ابن قیم کی طرف منسوب کیا ہے۔

ابن مُغیث نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ سے بھی نقل کیا ہے اور مشایخ قرطبہ جیسے محمد بن نقی، محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا بھی فتویٰ اسی قول پر نقل کیا ہے۔ (نیل الاوطار)

مذکورہ تفصیلات سے ہر انصاف پسند پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر اُمّت کا اجماع ثابت نہیں، بلکہ یہ مسئلہ عہدِ فاروقی کے بعد نسلاً بعد نسلٍ اور خلفاً عن سلفٍ مُختلَفٌ فیہ رہا اور عہدِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں کے پہلے

تک یہ مسئلہ نزاع و اختلاف سے دوچار نہیں ہوا۔ اُس وقت تک پوری امت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجعی شمار کرتی تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکمنامہ پر عام صحابہؓ و تابعین نے محض سکوت اختیار کیا تھا۔ اِس کا یہ مطلب تھا کہ وہ حضرات، خلیفہ کو امت کی اپنی مصلحت و مفاد کا مجاز سمجھتے تھے۔ لیکن اِس کے باوجود بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کا فتویٰ دیتے رہے۔ اسی طرح حضرت زبیر بن عوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی اور تابعین میں حضرت عکرمہ اور طاؤس کا بھی یہی عمل تھا، اور تبع تابعین میں محمد بن اسحٰق، خلاس بن عمرو اور حارث اور اُن کے بعد داؤد بن علی اور اُن کے اصحاب نیز امام مالک کے بعد اسحٰق اور بعض حنفیہ اور امام احمد کے بعض اصحاب بھی۔

اِس طرح ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے پر امت کا اجماع قدیم تھا جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور قیاس سے ثابت ہے۔ اِس اجماع کے خلاف امت کا کوئی دوسرا اجماع ثابت نہیں، اور یہ کیسے ممکن بھی تھا کہ حضرت عمرؓ کا ایک تعزیری و سیاسی حکم جو بعض وقتی مصالح کی بنیاد پر تھا اور جس کی تشہیر کما حقہٗ ممکن بھی نہیں تھی، کیونکہ اکثر صحابہ اپنے وطن سے دُور ہزاروں میل پر جہاد میں مصروف تھے اور جنہیں اس فتوے کی مطلقاً خبر نہ تھی، وہ امت کے اجماع قدیم ہی پر قائم رہے۔

کتاب اللہ کی واضح آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ٹوک فیصلے اور عہدِ نبوی سے عہدِ فاروقی کے ابتدائی دَور تک ہزار ہا ہزار صحابہ و تابعین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے رہے، اس کے مطابق فتویٰ بھی دیتے تھے اور اسی پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف ثابت نہیں۔ لہٰذا اِن حقائق کو نظر انداز کر کے کس طرح اس کے خلاف امت کے اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی حقیقت

اگر دل و دماغ کو تقلیدی جمود سے پاک کر کے اور بنظرِ انصاف حضرت عمرؓ کے اس فتویٰ پر نظر ڈالی جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کا محض اجتہاد تھا جس کے ذریعہ وہ طلاق کے

مسئلہ پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی ہدایات کے مطابق عوام کو تربیت دینا چاہتے تھے اور یہ محض اُن کی تربیت اور خلوص ہی کا جذبہ تھا کہ وہ اس مسئلہ میں شدت و سختی برتتے تھے۔ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت اور سہولت سے فائدہ اٹھائیں جو باری باری الگ الگ مدتوں میں طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ نے ملحوظ رکھی ہے، اور محض اسی مصلحت کے پیش نظر عام صحابہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں موجود تھے، آپ کے اس اجتہاد پر سکوت اختیار کیا۔ کیونکہ وہ خلیفۂ وقت کو اس مصلحت کا اہل سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ عدمِ اختلاف صحابہؓ کا محض سکوت تھا جسے لوگوں نے اجماع تصور کر لیا۔

اس موقع پر ایک سچا مومن اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی ایک ہنگامی اور وقتی حالت تھی جس کے سدھار کی طرف امیر المومنین نے قدم اُٹھایا تھا، ورنہ جب صحیح حدیث آجائے تو ہر اُمتی کا فرض ہے کہ وہ بلا چوں و چرا اس پر عمل کرے اور اس کے خلاف ہر چیز کو ترک کر دے، خواہ وہ کسی کی کی ہوئی ہو یا کہی ہوئی۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب تمام صحابہؓ ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک رجعی ہونے پر متفق ہی تھے تو اس اجماع کے خلاف حضرت عمرؓ نے فتویٰ کیوں دیا؟ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اجماعِ قدیم کی مخالفت ہرگز نہیں کی، بلکہ اُن کا حکم محض تہدید و تنبیہ اور تربیت و سیاست کی بنا پر تھا، تاکہ لوگ جان جائیں کہ یہ غیر شرعی طریقہ پر طلاق دینے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رُخصت نہ قبول کرنے اور حکمِ الٰہی کی حکمتوں کو پامال کرنے پر یہ سرکاری مواخذہ ہے۔

لیکن سزائیں زمانوں اور اشخاص کی تبدیلی کے ساتھ بدل بھی جاتی ہیں، اور حضرت عمرؓ نے اس حکم کو جاری کرتے وقت یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور آپؐ کی حدیث ہے۔ بلکہ صراحت کر دی تھی کہ یہ میرا شخصی تعزیری حکم ہے جس کا قولِ رسول سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ طلاق کے بارے میں اللہ کی دی ہوئی رُخصت اور سہولت کے استعمال اور تحفظ کے لئے یہ محض ایک انسانی تدبیر ہے جسے شریعت اور دین کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس کے خلاف آیاتِ قرآنی، احادیثِ صحیحہ اور امت کا اجماعِ قدیم موجود ہے۔

مُفسدات وقبائح

چونکہ عام طور پر لوگ طلاق کے شرعی طریقہ سے ناواقف ہیں اور طلاق کے اسباب عموماً غضب اور غصّہ ہی کی پیداوار ہوتے ہیں، اس لئے جب بیک زبان، بیک مجلس طلاق دے کر ٹھنڈے پڑتے ہیں اور انھیں صورتِ حال کا علم ہوتا ہے تو پچھتاتے اور تڑپتے ہیں۔ اُس وقت ہمارے مُفتیانِ کرام انھیں اپنا مسلک بتاکر الگ ہوجاتے ہیں اور طلاق دینے والا ناواقف مسکین اپنی بیوی کی جدائی، گھر کی بربادی اور بال بچوں کی کس مپرسی کو دیکھ دیکھ کر روتا اور بلکتا ہے، اور اپنے مذہبی دائرے کی تنگی اور حکمتِ الٰہی سے ناواقفیت اور اللہ کی دی ہوئی رُخصت وسہولت سے محرومی کا تصوّر کر کرکے کبھی اپنے کو کوستا ہے، کبھی اپنے مذہب کو اور کبھی اپنے مذہب کے مُفتیانِ کرام کا ماتم کرتا ہے۔ لیکن حلالۂ ملعونہ کے سوا اپنی بیوی کی واپسی کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اُس وقت شرم وحیا کے دامن کو تار تار کرکے اپنی بیوی کی پاکیزگی اور طہارتِ نفس کا گلا گھونٹ کر حلالہ جیسی ملعون چیز کے لئے راہیں ڈھونڈتا اور ہموار کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ حلالہ جس چیز کا نام ہے اور شریعت نے اسے جس صورت میں جائز اور حلال قرار دیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ مُطلّقہ بائنہ کہیں دوسری جگہ صحیح شرعی طریقہ پر شادی کرکے نئے شوہر کی صُحبت سے ہمکنار ہوجائے اور اُس کے ساتھ حُسنِ معاشرت کی پختہ نیّت وارادہ رکھے اور پہلے شوہر کو قطعاً فراموش کر جائے اور اُس سے ہر قسم کا تعلقِ زوجیت بالکلیّہ منقطع کرلے۔ پھر بدقسمتی سے اُس کا شوہر ہلاک ہوجائے یا اُس کو طلاق دیدے، تو ایسی صورت میں پہلے شوہر کو اُس سے نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

لیکن مُروّجہ حلالہ جس کا فتویٰ عام طور سے ہمارے علماءِ کرام دیا کرتے ہیں وہ ایک فعلِ لعنت ہے اور ہرگز زواجِ شرعی نہیں، بلکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے کرنے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور آنحضرتؐ کی لعنت دینِ فطرت کی کسی سنّت پر کبھی نہیں ہوسکتی، بلکہ کبائر ومعاصی ہی پر ہوتی ہے، اور حلالہ حقیقتاً ایک معصیت ہے جس کی نسبت شریعتِ الٰہیّہ کی طرف ایک شیطانی حرکت اور فضیحت ہے۔

آنحضرتؐ نے حلالہ کرنے والے کو کرایہ کا سانڈ کہا ہے اور حلالہ کے نکاح کو کتاب اللہ کے ساتھ مذاق قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میرے پاس کوئی بھی حلالہ کرنے والا لایا جائیگا تو میں اُسے رجم کردوں گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حلالہ کرنے والے کے بارے میں پُوچھا گیا تو

فرمایا کہ دونوں زانی ہیں اور اس قسم کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صریح گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ زوجِ اوّل کے لئے حلالہ کی خاطر اگر بیس برس تک بھی عورت کو اپنے نکاح میں روک رکھا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حلالہ کرنے والے کو دھوکہ باز قرار دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اِسی بناء پر اپنے فتویٰ کے ذریعہ رجعت کی پابندی لگائی تھی کہ لوگ حلالہ جیسے لعنتی فعل کی جراُت نہیں کرسکیں گے، بلکہ ایک مجلس کی تین طلاق سے پرہیز کریں گے اور شرع شریف کے مطابق ہی طلاق دیا کریں گے۔ یہ کون تصور کرسکتا تھا کہ کبھی ایسا دور بھی آئے گا کہ لوگ حلالہ جیسی ملعون چیز کا ارتکاب کرنا گوارہ کریں گے۔

حلالہ کی لعنتیں

حلالہ ایسی بے غیرت چیز ہے جس کا کوئی شریف اور خوددار شخص تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اِسی لئے نکاحِ شرعی کا اعلان واشتہار ہوتا ہے جس پر خوشی اور مبارکبادی کا اظہار ہوتا ہے، تقریبات اور ولیمہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن حلالہ کے نکاح کو لوگ کانوں کان چھپاتے ہیں۔ نیز عورت کے نکاح کا داعیہ اُس کے دین، حسب ونسب اور مال وجمال سے ہوتا ہے، لیکن کیا حلالہ کرنے والا بھی اِن میں سے کسی داعیہ کا طالب ہے؟ ذرا حلالہ کا نکاح کرنے والے سے پوچھئے کہ کیا اُس کے دل میں اپنی زوجہ کے نان ونفقہ اور اس کے لباس کا بھی احساس ہے یا نہیں؟ اور کیا حلالہ کے لئے نکاح کرائی جانے والی عورت عام شرعی نکاح کرنے والی عورتوں کی طرح خود کو سنوارتی اور مُزیّن کرتی ہے؟

کیا لوگوں کو اِس بات کا احساس نہیں ہے کہ حلالہ کے ذریعہ داغدار کی جانے والی کتنی ہی شریف زادیاں عزّت وشرافت سے محروم ہوکر فسق وفجور کی بُری راہوں کا شکار ہوگئیں اور حلالہ کے عادی ملعون مردنے کتنے گھرانے تباہ کئے اور کتنی حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ اپنی زوجیت میں رکھا۔

الغرض ایک مجلس کی تین طلاق کو کتابُ اللہ، سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہؓ کے خلاف تین مان لینے کی بنا پر آج جہاں سینکڑوں خاندان تباہ وبرباد ہیں، وہیں مخالفینِ اسلام کو بھی اس مسئلہ کی آڑ لے کر مُسلم پرسنل لا پر حملہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ضرورت ہے کہ علماءِ اُمّت اِس مسئلہ کی تمام جزئیات پر بنظرِ تعمّق غور وفکر کرکے اُمّت کے لئے وہی فطری اور ربّانی سہولتیں پیدا کریں جو عہدِ نبویؐ میں اُمّت کو حاصل تھیں۔

آخر میں خلاصۂ کلام کے طور پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس مسئلہ کے بارے میں مسلکی تعصب و جمود کے خلاف شاکی ہیں اور کسی انقلابی اور اصلاحی اِقدام کے محتاج و منتظر ہیں۔ ضرورت ہے کہ وقت کے حق پرست علماء تمام مسلکی حدود و قیود کو پھاند کر اُمت کی اس اہم ترین ضرورت پر فیصلہ کُن اِقدام کریں۔

واللہ الموفق وعلیہ التکلان ——



ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب ابن شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زواج (نکاح) زوجین کے درمیان ایک عقد اور معاہدہ ہے، اور شوہر اور بیوی باہم عقد کے دو رکن ہیں۔ عقود و معاملات کے بارے میں یہ عام قاعدہ ہے کہ طرفین نے جن شرائط کے تحت اس معاملہ کو باہم طے کیا ہے اس کے وہ بہر حال پابند ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو تنہا دوسرے کی مرضی کے بغیر نہ تو ان حقوق و شرائط میں خلل اندازی کا حق ہے اور نہ ہی اس معاہدہ کو توڑنے اور فسخ کرنے کا اختیار۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب دیگر عقود و معاملات کی طرح شادی بیاہ بھی کرتے تھے۔ اسی طرح بیویوں کو بلا حصر و قید طلاقیں بھی دیا کرتے تھے۔ اسلام نے اُن کے جن عقود و معاملات کو اصلاح اور ان میں قدرے ترمیم کے بعد باقی رکھا، انھیں میں سے عقدِ نکاح بھی ہے۔ چنانچہ عہدِ جاہلیت کے نکاح کی مختلف اقسام کو باطل قرار دے کر صرف اسی نوع کو باقی رکھا جس پر انسانی معاشرہ کی طہارت و پاکیزگی اور نسلِ انسانی کی بہترین صحت و بقا کا دار و مدار ہے، اور اس کے ساتھ کچھ ایسی شرطیں بھی لگا دیں جو عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

صالح اور پاکیزہ انسانی معاشرہ کے وجود و بقاء کے جس عظیم مقصد کے تحت اسلام نے عقدِ زواج کو مشروع کیا ہے، اس کی مقرر کردہ حدود و شرائط کے تحت انجام پانے والے اس عقد کے طرفین (شوہر اور بیوی) کی اجتماعی زندگی میں بعض موڑ ایسے آجاتے ہیں کہ ان کا ایک ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے اور جدائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اسلام نے اس جدائی اور علیحدگی کا طریقہ اور حدود بھی متعین کر دی ہیں۔

زمانۂ جاہلیت اور ابتداءِ اسلام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق طلاق کے بارے میں لوگوں کا رویّہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سیکڑوں بار طلاق دے کر بھی اختتامِ عدت سے قبل رجوع کر کے اُسے اپنی زوجیت میں باقی رکھتا۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ:-

وَاللّٰہِ لَا اُطَلِّقُکِ فَتَبِیْنِیْ مِنِّیْ وَلَا اٰوِیْکِ اَبَدًا۔ قَالَتْ وَکَیْفَ ذَاکَ؟ قَالَ اُطَلِّقُکِ

بخدا! نہ تو میں تمہیں طلاق دوں گا کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ اور نہ تمہیں کبھی اپنے یہاں پناہ ہی دوں گا۔ اُس نے کہا یہ کیونکر؟ شوہر نے کہا

نَحْلما همت عدتك أن تنقضى راجعتك۔ کہ تمہیں طلاق دوں گا اور جب تمہاری عدت ختم ہونے کو آئے گی تو تمہیں لوٹا لوں گا۔"

شوہر کی یہ بات سن کر وہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور شوہر کا یہ ظالمانہ ارادہ اُن سے بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے بھی بروقت اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا تاآنکہ سورۂ بقرہ کی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس حکمِ الٰہی کے نزول کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاق کا آغاز کیا۔ جس نے طلاق دی تھی اُس نے بھی اور جس نے نہیں دی تھی اُس نے بھی۔

اسلام نے جس طرح دورِ جاہلیت میں نکاح کی مروّجہ اشکال میں سے صرف اس شکل کو باقی رکھا جو انسانی معاشرہ کی نظافت و طہارت کا ضامن ہے اور دیگر تمام اشکال کو باطل قرار دیا، اسی طرح طلاق کے لئے بھی کچھ قیود و حدود اور قواعد و ضوابط مقرر کئے تاکہ عورت، مرد کے ظلم و تعدّی اور تضییق و ایذا رسانی سے محفوظ رہ سکے۔

طلاق کا مقصد لہو و لعب نہیں اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسے اپنی مرضی کے مطابق جب اور جس طرح چاہے طلاق کا اختیار ہے۔ اگر چاہے تو بیوی کو فوراً بالکل ہی جدا کر دے اور چاہے تو ایسی طلاق دے کہ اُسے لوٹانے کا اختیار باقی رہے۔

اسلام کا نظامِ طلاق کسی انسانی غور و فکر کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ تو علیم و حکیم ذات کا نازل کردہ قانون ہے، اور زوجین کے درمیان نااتفاقی اور عداوت و بغض کے نتیجہ میں خاندان کے اندر جو بدمزگی رونما ہوتی ہے، اس کا آخری حتمی اور شافی علاج ہے۔

اللہ نے اس کے لئے عدل و انصاف پر مبنی اصول و قواعد اور حدود و ضوابط متعیّن فرمائے اور ان اصول و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والوں اور مقررہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کے لئے وعیدیں نازل فرمائیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ "یہ حدودِ خداوندی ہیں پس ان سے نہ گذرو اور جو لوگ اللہ کی

يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ — حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔"

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ — "یہ خدا کی حدود ہیں جاننے والوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔"

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ — "اور دُکھ دینے کے لئے ان کو مت روکنا کہ ظلم کرنے لگو اور جو کوئی یہ کرے گا اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اللہ کی آیتوں کو مسخری نہ سمجھو۔"

طلاق کا مقصد شریعتِ اسلامیہ میں یہ ہے کہ زوجین کے درمیان ——— دیگر عقود و معاملات کی طرح ——— بہتر طور پر باہم زندگی گذارنے کا جو معاہدہ ہے، اگر ان دونوں نے اس معاہدہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا تو عقدِ زواج کا مقصد حاصل ہو گیا اور ان کی زندگی خوش گوار گذرے گی۔ اور اگر خدانخواستہ باہم مناسبت نہ پیدا ہو سکی اور اس کے بجائے آپس میں نفرت و بُغض ہو گیا اور ان دونوں کو خطرہ ہے کہ معاہدۂ نکاح کے شرائط وہ پورا نہ کر سکیں گے اور علٰحدہ ہونا چاہتے ہیں تو ان کا حال بھی دیگر عقود و معاملات کرنے والوں کی طرح یکساں ہے۔ ان کو اختیار ہے کہ عورت کی جانب سے مرد کے لئے کچھ مالی معاوضہ کے بالمقابل علٰحدگی و طلاق پر اتّفاق کرلیں۔ جس طرح سے کہ نکاح میں مرد کی جانب سے عورت کے لئے مہر کے بالمقابل تعاقد و معاملہ ہوا تھا۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ○ — "پھر اگر تم یہ جانو کہ وہ احکام خداوندی ادا نہیں کریں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ دے کر رخصت لے لے۔"

اس طرح عورت بائنہ ہو جائے گی اور ایسی صورت میں شوہر بلا جدید عقد کے اُسے اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتا، اور عورت بھی شوہر سے مہر و نفقہ وغیرہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی اِلّا یہ کہ اُن دونوں نے اس طرح کی کوئی بات آپس میں طے کرلی ہو۔

اللہ عزّوجلّ نے ایک عظیم مصلحت کے تحت عقدِ نکاح کو معاملات و عقود کے فسخ کے عام قاعدہ سے مُستثنیٰ فرما دیا اور مرد کو اجازت دی کہ کچھ خاص شرائط و قواعد کی پابندی کے ساتھ محض اپنی مرضی سے وہ تنہا ہی اس عقد کو توڑ دے۔ اور زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق متعیّن کر دیئے جن سے ان میں کا کوئی بھی فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ پس جو شخص بھی

طلاق کے بارے میں اللہ کی مقررہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے عقدِ نکاح کو توڑے اس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ اپنا حق جائز طور پر استعمال کیا اور اس پر اس کے اثرات بھی مرتب ہوں گے۔ اور جس نے ان مقررہ حدود سے تجاوز کرکے نکاح کے بندھن کو غیر مشروع طریقہ پر توڑا' اُس کا یہ عمل باطل اور لغو ہوگا۔ جس طرح کہ بیع یا رہن کے معاملہ کو طرفین میں سے کوئی ایک تنہا ہی توڑ دے تو اُس کا یہ عمل باطل اور کالعدم ہوتا ہے اور عقدِ بیع و رہن پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

قبل اِس کے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر اسلام کے نظامِ طلاق پر بھی ڈال لیں۔

۱۔ شوہر نے بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہے تو ایک طلاق ہی سے وہ بائنہ ہو جائے گی اور وہ جدید نکاح کے بغیر دوبارہ اپنی زوجیت میں اسے نہیں لے سکتا۔ ایسی صورت میں طلاق دینے کا کوئی وقت متعیّن نہیں ہے' اور نہ ہی عورت کو عدّت گذارنی ہے۔ ہاں! اگر مہر متعیّن تھا تو شوہر اس کا نصف عورت کو ادا کرے گا۔ اور اگر مہر کا تعیّن نہیں ہوا تھا تو عورت کے لئے مُتعہ ہے۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ۔ "وسعت والے پر اس کے مناسب اور تنگی والے پر اس کے مناسب"

اور یہ عورت کے لئے شوہر کی طرف سے مناسب معاوضہ ہے۔ کیونکہ شوہر نے اُس سے کسی طرح کا استمتاع نہیں کیا اور نہ ہی عورت نے اپنا کچھ شوہر کے حوالہ کیا۔

۲۔ اور اگر شوہر نے بیوی سے صحبت کر لی ہے تو ایسی عورت کے طلاق کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے احکام مقرر فرمائے ہیں ــــ شوہر کو طلاق کی اجازت عدّت کے شروع میں دی ہے۔ اگر وہ حاملہ ہے اور علاماتِ حمل ظاہر ہو چکی ہیں تو اُس کی طلاق بچہ جننے سے پہلے ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وضعِ حمل کے بعد اُس کی عدّت ختم ہو جائے گی۔ علاماتِ حمل کے ظہور کے بعد اگر اُس کو طلاق دی گئی تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس کو اپنی عدّت کی مدّت کا علم ہو جائے گا ــــ اور اگر وہ غیر حاملہ ہے لیکن بالغہ ہے تو اُسے اس پاکی کی حالت میں طلاق دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو' تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ اس کی عدّت

اُس حیض سے شروع ہو گی جو اُس طُہر سے متّصل ہے جس میں اسے طلاق دی گئی ہے۔ اس طرح نہ تو عدّت کے بارے میں عورت کو کوئی اِشتباہ رہے گا اور نہ ہی اس کی عدّت کا وقفہ اور مدّت دراز ہو گی کہ اُس کی بنا پر مطلّقہ کو اذیت پہنچے۔

اور اگر مطلّقہ اُن عورتوں میں سے ہے جنھیں حیض نہیں آتا، مثلاً کم سِن جس کا حیض ابھی شروع ہی نہیں ہوا، یا عمر دراز عورت جو سنِ ایاس کو پہنچ گئی اور اُس کا حیض بند ہو چکا ہے، یا ایسی عورت جس کو کسی بیماری کے باعث حیض آنا بند ہو گیا تو ان تمام کی عدّت مہینوں سے شمار کی جائے گی۔ اس طرح کی عورتوں کے بارے میں مرد کو ایک طلاق کا حق ہے۔ اس میں وقت کی کوئی پابندی نہیں، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہوں گی۔ اور اس لئے کہ اُن کی عدّت مہینوں سے شمار ہوتی ہے اور تین ماہ حمل کے ظہور کے لئے کافی ہیں۔ پس اگر وہ حاملہ ثابت ہوئی تو اُس کی عدّت وضعِ حمل ہو گی۔

اللہ عزّوجلّ نے زوجۂ مدخول بہا کے لئے پورا مہر مقرّر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اُس نے جس شئی پر شوہر سے معاملہ اور عقد کیا تھا اُسے شوہر کے حوالہ کر دیا۔ اس لئے شوہر پر بھی لازم ہے کہ اس کا عوض پورا پورا ادا کر دے، جیسا کہ دیگر عقود میں ہوا کرتا ہے۔ پھر اللہ عزّوجلّ نے شوہر پر طلاق کی صورت میں کامل مہر کی ادائیگی کے ساتھ "مُتعَہ" بھی رکھا ہے جو شوہر کو تنہا طلاق کا حق و اختیار حاصل ہونے کا معاوضہ ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۔ ٭ اور طلاق والیوں کا موافقِ دستور گذارہ ہے۔ (وہ ان کو دیا کرو)۔ پرہیزگاروں پر ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ٥ ٭ اے نبی! تو اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے چھوڑ دوں۔

مدخول بہا مطلّقہ یا تو وضعِ حمل کی عدّت گذارے گی، یا تین حیض، یا تین ماہ۔ یہ عدّت اللہ تعالیٰ نے عورت پر اس لئے لازم قرار دی ہے تاکہ —— اوّلاً اس امر کا تیقّن ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے —— اسی لئے حاملہ کی عدّت وضعِ حمل ہے، چاہے یہ مدّت طویل ہو یا

مختصر۔ ثالثیاً تاکہ مرد کو اس وقفہ میں سوچنے اور غور و فکر کرنے کی مہلت مل جائے۔ ممکن ہے اُسے اپنا یہ اقدام مبنی برصواب نہ معلوم ہو اور غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قطعی اور آخری علاج کے سلسلہ میں اس نے عجلت سے کام لیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا یفرک مؤمن مؤمنۃ ان کرہ منہا خلقاً رضی منہا اٰخر۔ (مسلم)

"مومن مرد، مومنہ عورت کو مبغوض نہیں رکھتا۔ اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری اسے بھلی لگے گی"

اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:۔

ان المرأۃ خلقت من ضلع لن تستقیم لک علی طریقۃ فان استمتعت بھا استمتعت بھا وبھا عوج وان ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا۔

"عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ تمہارے لئے بالکل سیدھی نہیں ہوسکتی۔ اگر تم اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو اُٹھالو۔ اور اگر اسے سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا، اس کا طلاق ہے"

(مسلم۔ ج ۱ ص ۴۷۵)

مرد اپنی غلطی کا یقین ہو جانے کے بعد کبھی اپنے اس اقدام پر نادم ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خطا عورت ہی کی ہوتی ہے مگر اس پر جذبۂ شفقت کی وجہ سے اسے ندامت ہوتی ہے اور توقع رکھتا ہے کہ آپسی شکر رنجی کا علاج بہتر انداز میں کرسکتا ہے تو یہ عدت کا وقت اُس کے لئے غور و فکر کا وقفہ فراہم کرتا ہے جس میں اُسے اپنے اقدام طلاق کی اصلاح کا تنہا اختیار ہوتا ہے۔

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

"تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔"

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

"اور ان کے خاوند اس مدت کے اندر ان کو پھیر لینے کا حق رکھتے ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے بھی ان پر حقوق ہیں دستور کے موافق۔ اور مردوں کو عورتوں پر برتری ہے۔ اور خدا غالب ہے حکمت والا۔"

اللہ نے مرد کو عورت کی عدّت پوری ہونے تک اس کا خرچ برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بوجھ اس پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ — تعلقِ زوجیت کے اثر سے عورت کو ایک مدّت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے تنہا مرد ہی کو عدّت کے اندر اُسے اپنی زوجیت میں واپس لینے کا اختیار رہے۔ اگر اس رجعت سے واقعی اس کا مقصد اصلاح ذات البین ہے تو عورت کو نہ تو شوہر کے انکار کے باوجود اُس کی زوجیت میں لوٹنے کا اختیار ہے، اور نہ ہی اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے مُعارضہ اور انکار کی گنجائش اور حق ہے اِلّا یہ کہ شوہر کا مقصد اس رجعت سے عورت کی ایذا رسانی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنا معاملہ حاکم کے پاس لے جائے گی اور عورت کے دعویٰ وشکایت کی صحت کے یقین کی بنیاد پر حاکم، شوہر کی رجعت کو باطل قرار دے دے گا۔

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَٰحًا — وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا۟ —

اگر شوہر دیکھتا ہے کہ اُس کے پاس اس تلخی کا کوئی مداوا نہیں اور بیوی کے ساتھ اُس کی زندگی کسی طور بھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی اور اُسے قطعی طور پر الگ ہی کرنا چاہتا ہے تو اُسے عدّت پوری ہونے تک ٹھہرنا چاہیئے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ موافقت کی کوئی شکل پیدا فرما دے۔ اس پہلی طلاق کے بعد اختیار ہے کہ اسے رجوع کر لے یا عدّت پوری کر کے اسے الگ ہو جانے دے۔ پہلی طلاق کے بعد اگر عورت اس کی زوجیت میں، عدّت کے اندر رجعت کے ذریعہ یا عدّت گذر جانے کے بعد عقدِ جدید کے ذریعہ، لوٹ آئی اور شوہر پھر کسی سبب سے طلاق دینا چاہتا ہے تو اسے حسبِ سابق شروع عدّت میں طلاق دے اور اُس پر مُتعہ ونفقۂ عدّت واجب ہو گا۔ اس دوسری طلاق کے بعد بھی اسے عدّت کے اندر رجعت کا اختیار ہے اور اگر اس نے ایسا کر بھی لیا اور پھر طلاق دینا چاہتا ہے تو پہلی دونوں مرتبہ کی طرح شروعِ عدّت میں طلاق دے اور عورت کے اس پر وہی حقوق ہیں جو پہلی دونوں مرتبہ اس پر عائد ہوئے تھے۔ اس تیسری طلاق کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی۔ اور وہ عدّت گذرنے کا انتظار کرے، جیسا کہ سابقہ دونوں طلاقوں کے بعد کیا تھا، مگر اب وہ اسے عدّت کے اندر رجوع نہیں کر سکتا۔

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ۔ "اگر اسے تیسری بار طلاق دے دی تو اب وہ اس کیلئے حلال نہیں، یہاں تک کہ دوسرے شخص سے شادی کر لے"۔

اس آخری طلاق کے بعد بھی مطلقہ کے لئے عدت اور شوہر پر نفقہ لازم ہے، حالانکہ اب اسے رجوع کا اختیار نہیں رہا۔ اس لئے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو بات بالکل واضح ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو اس سے مقصود ایک ہی نہج پر عدت کے دروازہ کو بند کرنا اور شارع کی جانب سے ایسے جوڑے پر تشدید کرنا ہے جس نے تین تین بار ایک ساتھ رہنے کا تجربہ کیا لیکن اس میں ناکام رہے اور اپنی ازدواجی زندگی کو بہتر طور پر نہ نباہ سکے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ محبت و اُلفت کے تمام رشتے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے۔

کتاب و سُنّت سے ثابت صحیح دلائل کی روشنی میں یہ ہے اسلام کا واضح نظامِ طلاق۔ اس میں نہ تو کوئی اینچ پینچ ہے اور نہ ہی ابہام۔ اس میں زوجین کی مصلحت کا پورا لحاظ اور اُن کے حقوق کا پورا تحفظ کیا گیا ہے، اور یہ نظام انتہائی متوازن اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ مرد کو عورت پر بعض امتیازات حاصل ہیں۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ اور عورت کو مرد پر بعض ایسے حقوق دیئے گئے ہیں جو مرد کے امتیازات کا معاوضہ ہیں۔ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ۔

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ طلاق کا حق تنہا مرد ہی کو حاصل ہے، عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ اب جبکہ شوہر طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اس کو اس باب میں حدودِ شریعت کے دائرہ ہی میں رہ کر یہ اقدام کرنا ہوگا اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، اگر عورت مدخول بہا ہے تو اسے شروعِ عدت میں طلاق دے۔ پس جب اُس نے طلاق کا ارادہ کر کے اس سے کہا کہ، "تمہیں طلاق"۔ تو اِن الفاظ کے ادا کرتے ہی جو اس کے اس عزم پر دلالت کرتے ہیں، بلا کسی ادنیٰ تقدیم و تاخیر کے معاً طلاق پڑ گئی۔ اب جبکہ ان دونوں کے درمیان رشتۂ ازدواج ٹوٹ گیا اور قطعِ تعلق ہو گیا تو دوسری اور تیسری بار اس کو توڑنے اور کاٹنے کا حق اس کو کہاں رہا؟ کیا اس شریعتِ مطہرہ یا دیگر قوانین و شرائع میں اس کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے کہ ایک ہی عقد و معاہدہ کو ایک مرتبہ کاٹنے اور توڑنے کے بعد دوبارہ، سہ بارہ توڑا جائے۔ یہ تو اُسی وقت ممکن ہے جبکہ اُس کی دوبارہ، سہ بارہ تجدید ہو، تب اُس کے فسخ کی بھی تجدید ممکن ہو گی اور یہ نئے عقد کا فسخ اور توڑنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کو دیگر فسوخ سے چند معین امور میں مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے صرف شوہر کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور طلاق کے بعد ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق عائد کر دیئے ہیں۔ لیکن اللہ نے اس کو یکسر احکامِ عقل سے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ یہ بھی دیگر فسوخ کی طرح ایک فسخ ہے۔ ایک عقد کو ایک ہی بار توڑا جا سکتا ہے۔ اگر مرد اپنی مطلقہ کو عدت کے اندر رجوع کر کے زوجیت میں لے لے تو ان کے درمیان اس عقد کی تجدید ہو گئی۔ گویا اُس نے پہلی بار توڑنے کے بعد اُسے جوڑ دیا۔ اب اس کا دوبارہ قطع کرنا ممکن ہو گا، اسی طرح دوسری بار بھی۔ رہا یہ کہ وہ عقد منقطع ہو چکا ہو اور اس کے بعد بھی اسے کاٹنا ممکن ہو تو اس کو نہ تو عقل ہی باور کرتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیلِ نقلی ہی ہے، بلکہ یہ تو کتاب و سُنّت کی نص کے بھی مخالف ہے۔ اللہ عزوجل نے طلاق کو مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ (ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ) دینے کا حکم دیا ہے نہ کہ اکٹھا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۔ الآیۃ

"طلاق دو دفعہ کر کے ہے۔ اس کے بعد معروف طریقہ سے اسے روک لینا ہے یا بھلے طریقہ سے اسے چھوڑ دینا ہے۔"

اس آیت میں "مَرَّتَانِ" (دو دفعہ) کے لفظ سے عموماً طلاق کے لفظ کا دُہرانا، جیسے "طلاق، طلاق، طلاق" یا عدد کی تصریح کے ساتھ طلاق دینا، جیسے "تم کو تین طلاق" مراد لیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر اگر کوئی بیوی کو کہہ دے کہ تم کو طلاق، طلاق، طلاق یا تم کو تین طلاق، تو اس پر تین طلاقوں کا حکم لگا کر اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دیا جاتا ہے اور بغیر حلالہ کے وہ اس کی طرف اب لوٹ نہیں سکتی۔ حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظِ طلاق کا اعادہ و تکرار نہیں ہے، بلکہ ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کے تحت لکھتے ہیں:۔

تضمنتِ الأمرُ بإيقاعِ الإثنتين في مرتين فمن أوقع الإثنتين في مرةٍ فهو مخالفٌ لحكمها۔

"یعنی آیتِ الطلاق مرتان" دو طلاق کو دو مرتبہ میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے تو جس شخص نے دو طلاق بیک دفعہ ایک طہر میں دے دیا اُس نے اس حکمِ خداوندی کی مخالفت کی۔"

(احکام القرآن۔ ج ۱ صفحہ ۳۸۰)

علامہ سندھی حنفی فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ، اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ - إلى قوله - وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰہِ هُزُوًا - فإنّ معناه التّطليق الشّرعيّ تطليقةٌ بعد تطليقةٍ على التّفريق دون الجمع والإرسال مرّةً واحدةً ولم يُرد بالمرّتين التّثنية ومثله قوله تعالیٰ، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ، أي كرّةً بعد كرّةٍ لا كرّتين اثنتين ۔	۔ یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیئے، نہ کہ ایک ہی بار اکٹھا ۔ "مَرَّتَيْنِ" سے مراد تثنیہ نہیں ہے ۔ جیسا کہ آیت ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ میں ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ نظر اٹھا کر دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے ؛

(حاشیہ سنن نسائی ج ۲ صہ ۸۱ مطبع انصاری دہلی)

مولانا شیخ محمد تھانویؒ، مولانا اشرف علی صاحب کے استاد نے بھی اس آیت کی تفسیر میں تقریباً یہی لکھا ہے اور اسی معنی کی تعیین و تائید کی ہے ۔ فرماتے ہیں:۔

إنّ قوله تعالیٰ، اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ، معناه مرّةً بعد مرّةٍ فالتّطليق الشّرعيّ على التّفريق دون الجمع والإرسال ۔

نیز لغت عرب بلکہ تمام زبانوں میں "مرّتان" (دو بار) کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی شیئ کا وقوع ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ ہو، نہ کہ ایک ہی آن اور وقت میں دُو بار ۔ اب اگر کوئی اپنی منکوحہ کو بیک وقت کہہ دے "تم کو طلاق، طلاق، طلاق" یا "تم کو تین طلاق" تو اُس پر طلاقِ مغلظہ کا حکم لگا دینا اور یہ کہنا کہ اُس کو رجعت کا حق و اختیار نہیں، کیونکر درست ہو سکتا ہے حالانکہ اُس نے صرف لفظِ طلاق کا اعادہ کیا ہے نہ کہ ایقاعِ طلاق کا ۔ کیونکہ کسی فعل کا ایک ہی آن اور وقت میں دُو بار واقع کرنا محال ہے ۔ پس جب دُو بار طلاق کا ایک ہی آن میں واقع کرنا محال ہے اور ایک آن میں صرف ایک ہی واقع کی جا سکتی ہے تو تین تو بدرجہ اُولیٰ محال ہوں گی ۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کے تحت لکھتے ہیں:۔

وكان القياس أن لا تكون الطّلقتان المجتمعتان معتبرةً شرعًا وإذا لم يكن الطّلقتان المجتمعتان معتبرةً لم يكن	۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر دی گئی دُو طلاقیں معتبر نہ ہوں اور جب اکٹھا دو طلاقیں معتبر نہ ہوں گی تو تین اکٹھی کا تو بدرجہ اولیٰ اعتبار

الثلاث المجتمعۃ معتبرۃ بالطریق الاُولیٰ لوجودھما فیھا مع زیادۃ۔

نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ دونوں مع ایک زائد کے تین کے اندر موجود ہیں "

آیتِ طلاق پر غور کرنے سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق اکٹھا نہیں دینی چاہئے۔ اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ حدود اللہ کو توڑ کر حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب تین طلاق کا اکٹھا دینا ہی نصِ قرآنی کے خلاف ہے تو اس کا اعتبار کرنے کے بجائے اسے قرآنی حکم کی طرف لوٹا کر ایک ہی مانا جائے گا۔ فیصلۂ نبوی سے اسی کی تائید ہوتی ہے:۔

عن ابن عباسٍ قال طلّق رکانۃ بن عبد یزید اُخو بنی مطلبٍ امرأتہ ثلاثًا فی مجلسٍ واحدٍ فحزن علیھا حزنًا شدیدًا قال فسألہ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کیف طلّقتھا؟ قال طلّقتُھا ثلاثًا، قال فقال فی مجلسٍ واحدٍ؟ قال نعم! قال فإنّما تلک واحدۃٌ فارجعھا إن شئتَ قال فرجعھا۔ فکان ابن عبّاس یری اُنّما الطّلاق عند کلّ طُھرٍ۔

(مسند احمد۔ ج ۱ ص ۲۶۵)

"عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید، بنی مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو بیوی کی جدائی کا ان کو بڑا غم ہوا، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے پوچھا ایک ہی مجلس میں؟ رکانہ نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا تو یہ تو ایک ہی ہوئی۔ تم اگر چاہو تو اُسے لوٹا لو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رکانہ نے اُس کو لوٹا لیا۔

معلوم ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی، اور یہی نہیں بلکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تین طلاق کو کتاب اللہ کے حکم کے ساتھ کھیل قرار دیا اور ایسا کرنے والے پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔ سُننِ نسائی میں بسندِ صحیح محمود بن لبید سے مروی ہے:۔

اُخبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم عن رجلٍ طلّق امرأتہٗ ثلاث تطلیقاتٍ

"فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اکٹھا تین طلاقیں

جميعًا فقام غضبان ثم قال أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم حتى قام رجل وقال يا رسول الله! ألا أقتله۔

دے دی ہیں تو آپ غصہ سے کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا نےلگا حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ کے رسول! کیا میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کرنے والے اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟"

عہدِ نبوی، خلافتِ صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تمام صحابہ کرام کا اسی پر عمل رہا۔ لیکن عہدِ فاروقی میں جب لوگوں نے اس قرآنی حکم کی پروا کئے بغیر بعض دنیوی اغراض و مصالح کے تحت طلاق کو بدفعات دینے کے بجائے اکٹھا تین ایک ہی مجلس اور ایک طُہر میں دینا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد لوگوں کو طلاق کی بابت قرآنی ہدایت کی طرف لوٹانے کی غرض سے اور قرآنی تعلیم پر عمل کرانے کے لئے ازراہِ سیاست و تدبیرِ شرعیہ ان کو ان کے جنسِ عمل سے سزا تجویز کی کہ جس طرح انھوں نے اللہ کی دی ہوئی رخصت کو ٹھکرا کر اپنے حق و اختیار کا غلط استعمال کیا تو اب ان کو اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق بھی نہیں، تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو اور اس باب میں عجلت سے کام نہ لیں۔

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم۔ (مسند احمد ج ۱ صفحہ ۳۱۴، مسلم ج ۱ صفحہ ۴۷۷-۴۷۸، مستدرک للحاکم ج ۲ صفحہ ۱۹۶)

• ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طلاق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور دو سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں تین طلاق ایک شمار کی جاتی تھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کام میں لوگوں کو سوچ بچار کی مہلت دی گئی تھی اس میں انہوں نے جلد بازی شروع کر دی (یعنی طلاق کو بدفعات دینے کے بجائے اکٹھا تین دینے لگے) تو اگر ہم ان تینوں کو ان پر لازم کر دیں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کو لازم کر دیا۔"

یہاں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک حکم جو عہدِ نبوت، پوری خلافتِ صدیقی اور خود حضرت عمر کے دورِ خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں برابر نافذ رہا تو اس شرعی حکم کو انھیں

بدلنے کا اور اُس کی جگہ دوسرا حکم نافذ کرنے کا اختیار کہاں سے مل گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام قرآن و سنت سے ثابت کسی حکم کی تغییر اور اس میں ردّ و بدل نہیں، بلکہ یہ تو طلاق کے بارے میں قرآنی حکم کی اتباع کی طرف لوگوں کو واپس لانے کی شرعی تدبیر و سیاست کے حکم کا لوگوں کو پابند بنانا تھا۔ اور حکامِ وقت کو اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسے حالات میں احکامِ شریعت کی باریکیوں سے آگاہ اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر علماء سے مشورہ کے بعد ایسا کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کردہ یہ سزا لوگوں کے لئے کچھ دنوں تک تو مؤثر رہی، مگر اس کے بعد اس میں کمزوری آگئی اور لوگوں نے پھر وہی روش اختیار کر لی۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے تو حضرت عمر کے اس حکم سے خروج سے احتراز کیا، مگر دوسرے گروہ نے اس حکم کو تعزیر اور زجر ہی سمجھا۔ چنانچہ طلاق دینے والوں کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی انہوں نے ایک طہر کی تین طلاقوں کو لازم کر دیا اور کبھی اسے ایک قرار دیا۔ اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین شمار کئے جانے پر تمام امت کا اجماع کبھی بھی نہیں ہوا، بلکہ اس کے برخلاف عہدِ نبوی، پورے عہدِ صدّیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تو اجماع اس پر رہا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری حکم کے بعد بھی صحابہ کرام مُطلّق کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی تین کے تین شمار کئے جانے اور کبھی ایک کا فتویٰ دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دونوں طرح کے فتوے منقول ہیں۔ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زبیر بن عوّام، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ایک طہر کی تین طلاق کو ایک ہی مانتے ہیں۔ تابعین میں جابر بن زید، حجّاج، طاؤس، عطاء، عمرو بن دینار، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ، عکرمہ، فلاس اور محمّد بن اسحٰق وغیرہ کا یہی مذہب ہے، اور یہی مذہب ہے اہلِ بیت کا بھی اور اسی کے قائل ہیں مشائخِ قرطبہ ابن زنباع و شیخ ہدی، فقیہ عصر محمّد بن عبدالسّلام الحسینی، محمّد بن تقی بن مخلد، اصبغ بن حباب، امام ابن تیمیہ، علّامہ ابن القیّم، علّامہ شوکانی وغیرہ اور اہلِ حدیث حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو وہی جو مشہور ہے، دوسری یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے۔ جیسا کہ محمد بن مقاتل رازی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے۔ (دیکھو اغاثۃ اللهفان ص۱۵۹ طبعۃ مصر)

امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ بعض اصحاب امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عمدۃ الرعایۃ۔ ج ۲ ص۷۶)

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مجلسِ واحد کی تین طلاق کے تین ہونے کا ثبوت بصراحت نہ تو کتاب اللہ سے ہے اور نہ سنّتِ نبوی سے اور نہ ہی کسی دور میں اس پر اُمّت کا اجماع رہا ہے، بلکہ عہدِ سلف ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

ہندوستان کے مسلم معاشرہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد تعلیم سے بے بہرہ اور ان کی دینی معلومات صرف عبادات کے حصہ صوم و صلاۃ کے چند معروف مسائل تک ہی محدود ہیں۔ معاملات، بیع و شراء، نکاح و طلاق کے مسائل و احکام سے بالعموم ناواقف اور بے خبر ہیں۔ چونکہ طلاق عموماً غصہ ہی کا نتیجہ ہوتی ہے اور بیوی کی ادنیٰ سی بات سے بھی ناراض ہو کر طیش و غضب کی حالت میں اکٹھا تین طلاق دے ڈالتے ہیں اور جب غیظ و غضب کی یہ آگ سرد پڑ جاتی ہے اور حالات کا ٹھنڈے دل سے سامنا کرتے ہیں تو پچھتاتے اور پریشان ہوتے ہیں اور ارباب فتاویٰ کے یہاں دوڑتے ہیں کہ ممکن ہے بیوی کی واپسی کا کوئی شرعی حیلہ و تدبیر نکل آئے۔ مفتی صاحب تو اپنا فقہی مسلک بتا کر الگ ہو جاتے ہیں اور مستفتی حیران و پریشان گھر کی ویرانی، بچوں کی آہ و بکا اور ان کی کس مپرسی کو دیکھتا اور رفیقۂ حیات جس کے ساتھ زندگی کا ایک طویل عرصہ گذارا تھا اس کے اپنی ہی حماقت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل جانے پر کفِ افسوس ملتا، سر پیٹتا ہے۔ کبھی خود کو کوستا ہے اور کبھی فقہی گروہ بندیوں پر نفرین کرتا اور اس سے اظہارِ بیزاری کرتا ہے، اور بیوی کو واپس لانے کی مختلف تدبیریں اور حیلے سوچتا ہے۔

مستفتی اگر اپنے تقلیدی مسلک میں متشدد ہے تو اس کے پاس مطلقہ کو اپنی زوجیت میں دوبارہ واپس لانے کی حلالہ مروجہ کے سوا کوئی دوسری سبیل نہیں۔ چنانچہ غیرت و حمیت اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر بیوی کی طہارت و پاکیزگی اور حرمت و کرامت نیز

طرفِ نظر کرکے اس فعلِ ملعون کے لئے راہ ہموار کرتا ہے، اور اس فعلِ حرام کا ارتکاب کرکے خود کو اللہ اور اُس کے رسول کی لعنت کا مستحق ٹھہراتا ہے اور مخالفینِ اسلام کے لئے اسلامی نظام کی تضحیک اور اُس پر حرف زنی کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث و آثار سے حلالۂ مروّجہ کی قباحت و شناعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:۔

عن عبد اللہ بن عباس قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلِّلَ والمحلَّلَ لہٗ۔	"عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنیوالے مرد اور جس کیلئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔"
عن عقبۃ بن عامرٍ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا أخبرکم بالتیس المستعار؛ قالوا بلیٰ یا رسولَ اللہ! قال ھو المحلِّلُ، لعن اللہُ المحلِّلَ والمحلَّلَ لہٗ۔	"عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں کرایہ کے بوک (بکرے) کی خبر نہ دوں؛ صحابہ نے کہا، ہاں، یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

لا أوتی بمحلِّلٍ ولا محلَّلٍ لہٗ إلّا رجمتُھما۔ وفی روایۃ، لا أوتی بمحلِّلٍ ولا محلَّلۃٍ إلّا رجمتُھما۔	"میرے پاس جو بھی حلالہ کرنیوالا مرد اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے، لایا جائیگا اُسے سنگسار کردوں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ حلالہ کرنیوالا مرد اور حلالہ کی جانے والی عورت دونوں کو سنگسار کردوں گا۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حلالہ کو سِفاح (زنا) قرار دیتے تھے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ پہلا شوہر اور حلالہ کرنے والا دوسرا شوہر اور عورت ان تینوں میں سے اگر کسی کی بھی نیت نکاحِ ثانی سے حلالہ کی ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

ظاہر ہے کہ کوئی مباح اور حلال کام مستوجبِ لعنت اور باطل اور مستحقِ سزا نہیں ہو سکتا۔

حلالہ کی یہ ملعون شکل مسلم معاشرہ کے اندر جنسی بے راہ روی کا بھیانک پیش خیمہ ہے۔ مجھے خود بعض ایسے لوگوں کا علم ہے جنہوں نے اس "سفاح" کو جنسی ہوس رانی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اور اس فعلِ شنیع پر کوئی نکیر کرنے والا نہیں کہ اُمت کے ایک طبقہ نے اس کی گنجائش نکال دی ہے۔ حالانکہ شریعت میں جس تحلیل کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کے طلاقِ مغلظہ کے بعد عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرکے اس کی صحبت سے ہمکنار ہو جائے اور اس کے ساتھ حُسنِ معاشرت سے بسر کرنے لگے اور اس دوسرے نکاح سے سابق شوہر، عورت اور اُس کے موجود شوہرِ ثانی جس کی زوجیت میں وہ اس وقت ہے، ان تینوں میں سے کسی کی نیت حلالہ کی نہ ہو۔ پھر قضاءِ الٰہی سے شوہر فوت ہو جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

اندریں حالات بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کے تین شمار کئے جانے سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو مختلف مسائل اور مشکلات اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں ان کا حل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اوّلاً مسلمانوں میں دینی شعور اور تقویٰ کی رُوح بیدار کرنے کے ساتھ ہی انھیں طلاق دینے کے شرعی اصول اور طریقے سے آگاہ کیا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ اگر کوئی بدرجۂ مجبوری طلاق دینا ہی چاہتا ہے تو اسے پاکی (طُہر) کی حالت میں جس کے اندر اس سے صحبت نہ کی ہو، ایک رجعی طلاق دے تاکہ اگر باہمی نباہ کی کوئی شکل عدّت کے وقفہ میں نکل آئے تو عدّت گذرنے سے پہلے پہلے وہ رجوع کرلے اور پچھتانا نہ پڑے، اور اگر رجوع نہیں کرنا چاہتا تو عدّت گذار کر بیوی کو آزاد ہو جانے دے۔ عدّت گذرنے کے بعد پھر اس کو عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کا موقع رہے گا۔

دوسری طرف ہمارے اربابِ فتاویٰ، حالاتِ زمانہ سے صرفِ نظر کرکے فقہی مسلک کے تنگ خول میں بند رہ کر فتویٰ دینے کے بجائے وسیع النظری سے کام لیں اور ایک مجلس کی تین طلاق کو تین کے بجائے ایک شمار کئے جانے کا فتویٰ دیں۔



ایک مجلس میں تین طلاق کا مسئلہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُسلم پرسنل لا کے جو مسائل ہندوستان اور عالمِ اسلامی کے مسلمانوں کیلئے پریشان کُن اور پیچیدہ بن گئے ہیں، اُن میں "ایک مجلس میں تین طلاق کا مسئلہ" سرِفہرست ہے۔ طلاق کے سلسلہ میں اسلامی احکام کی پیروی کی جائے تو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ طلاق اُس وقت دی جائے جب کہ ناگزیر ہو اور صرف ایک طلاقِ رجعی دی جائے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ عدت کے اندر رجعت اور عدت کے بعد نکاح کے ذریعہ میاں بیوی پھر اکٹھا ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی اِن ہدایات کے برعکس لوگ بے سوچے سمجھے طلاق دے دیتے ہیں اور تین طلاق سے کم نہیں دیتے۔ جہالت کا عالم یہ ہے کہ ایک فی ہزار مسلمان بھی طلاقِ سنّت کا طریقہ نہیں جانتے۔ انہیں طلاق کا ایک ہی طریقہ معلوم ہے اور وہ یہ کہ ایک سانس میں تین طلاقیں دے دی جائیں۔ وکلاء تک طلاق نامے میں تین طلاقیں لکھواتے ہیں۔

ایک مجلس میں تین طلاق دے دینے کے بعد بالعموم سخت ندامت و پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ گھر کی بربادی، بچوں کی پرورش و تربیت کی دشواری، مرد کی بیوی سے محرومی اور عورت کے لئے بآسانی دوسری شادی نہ ہو سکنے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں معاش کے حصول اور اخلاق و عفّت کی نگہداشت کی دِقّت، یہ سب مسائل ہجوم کر کے سامنے آتے ہیں۔ اُس وقت مختلف لوگ مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔

۱ کچھ لوگ پوری ڈِھٹائی اور ناخداترسی کے ساتھ مطلقہ بیوی کو پھر سے گھر میں ڈال لیتے ہیں اور اس بات کی مُطلق پروا نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں شریعت کے احکام کیا ہیں؟

۲۔ کچھ لوگ حلالہ کا ملعون طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ کچھ لوگ حنفی ہوتے ہوئے اہلِ حدیث علماء سے فتویٰ لے آتے ہیں۔

۴۔ کچھ لوگ گھر کی بربادی، بیوی سے محرومی اور اولاد کی خستہ حالی کو گوارا کر لیتے ہیں۔

پہلی صورت انتہائی غلط ہے اور فحشاء اور بدکاری کی تعریف میں آتی ہے۔ دوسری صورت

کے تسلیم ہونے میں بھی کلام نہیں، جیسا کہ احادیث و آثار اور ائمۂ فقہ اور محدثین کے اقوال سے واضح ہے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور اور اختلافی ہے کہ حلالہ کی نیت سے جو نکاح ہوتا ہے اُسے حقیقۃً نکاح کہا بھی جا سکتا ہے یا نہیں اور اس سے عورت سابق مرد کے لئے حلال بھی ہوتی ہے یا نہیں ـــــ سب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خود حنفی ائمہ کے مابین اختلاف ہے ـــــ آخری صورت فی الواقع مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ بس تیسری صورت رہ جاتی ہے یعنی اہلِ حدیث مسلک، جس سے لاکھوں خاندانوں کو تباہی و بربادی سے بچایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ کتاب و سُنّت کی رُو سے اسے اختیار کرنے کی گنجائش نکل سکے اور ایک مجلس کی تین طلاق کو طلاقِ مغلظہ بائنہ نہ شمار کیا جائے۔

ذیل کی سطور حضراتِ علماءِ کرام کے غور و فکر کے لئے تحریر کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ حضرات علماء مسئلہ کو حل کرنے کی نیت سے اِن پر غور کریں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

کِتَابُ اللّٰہِ

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں عورت مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور دوسرے مرد سے نکاح، خلوتِ صحیحہ اور طلاق کے بغیر اُس کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ کیا یہ بات کتاب اللہ سے ثابت ہے؟

کتاب اللہ کی متعلقہ آیات درج ذیل ہیں:-

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ فَاِنْ طَلَّقَهَا

"طلاق دو بار ہے ـــ تو معروف طریقہ پر روک لینا ہے یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دینا اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو الّا یہ کہ دونوں (مرد و عورت) کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو اگر (اے معاشرہ کے لوگو!) تمہیں ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں کہ عورت فدیہ دیکر خلع کرلے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اِن سے تجاوز نہ کرو

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

(سورۂ بقرہ - ۲۲۹-۲۳۰)

اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کریں وہ ظالم ہیں۔ تو اگر اس نے دو بار کے بعد پھر طلاق دے دی تو اب وہ عورت اُس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔ تو اگر وہ بھی طلاق دے دے تو اُن دونوں کے لئے کوئی گناہ نہیں کہ وہ پھر سے نکاح کرلیں اگر انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں جنہیں وہ علم رکھنے والوں کے لئے بیان فرماتا ہے :

ان آیات کو بغور پڑھ جائیے۔ ان میں ایک بار یا ایک مجلس میں تین طلاق کا حکم موجود نہیں ہے۔ تین بار میں تین طلاق دینے کا حکم ہے جن میں سے پہلی دو بار کی طلاقیں قابلِ رجعت ہوں۔ تین بار کی ان طلاقوں کے بارے میں قرآن مجید نے یہ حکم صادر کیا ہے کہ ایسی مطلقہ عورتیں طلاق دینے والے کے لئے حرام ہیں۔ اِلّا یہ کہ اس کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے اور پھر وہ بھی کسی وجہ سے اسے طلاق دے دے۔ اس صورت میں وہ دونوں پھر سے نکاح کرکے میاں بیوی بن سکتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ آیت میں نہ ایک مجلس کا ذکر ہے، نہ تین مجلسوں کا۔ نہ ایک طُہر کا تذکرہ ہے، نہ تین طُہروں کا۔ صرف تین طلاق دینے کا ذکر ہے۔ آیات عام ہیں۔ تین طلاق جب بھی اور جس طرح بھی دی جائیں گی، طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جائے گی —— جواباً عرض ہے کہ قرآن پاک میں تین بار طلاق دینے کا ذکر ہے، جن میں سے دو بار کی طلاق کے بعد رجعت کی گنجائش ہو، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دے دینے کا۔ کم از کم قرآن پاک کے ظاہر الفاظ کا اقتضا تو یہی ہے۔

مُفسّرین کی تصریحات

اب آئیے مفسّرین کی تصریحات کا مطالعہ کریں۔

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" کا کیا مطلب ہے —— کچھ مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاقِ رجعی کے بیان کے لئے اُتری ہے اور مطلب یہ لیتے ہیں کہ طلاقِ رجعی دو طلاقیں ہیں جن کے بعد

رُجوع کرنے اور عورت کو چھوڑ دینے، دونوں کی گنجائش ہے۔ تین طلاق کے بعد رُجوع کی گنجائش نہیں ہے۔"

کچھ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ "اس آیت میں مسلمانوں کو شرعی طلاق دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق یکے بعد دیگرے بس دو بار ہونی چاہیئے، جن کے بعد رُجوع کرنے یا عورت کو چھوڑ دینے کا موقع رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پھر یہ عورت اُس پر حرام ہو جائے گی۔"

ان دو اقوال کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں، لیکن بنیادی اہمیت کے یہی اقوال ہیں۔ مفسرین میں امام ابن جریر طبریؒ دونوں قول بیان کرتے ہیں اور پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ پہلے قول کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

اختلف أھل التاویل فی تاویل ذالك فقال بعضھم ھو دلالۃٌ علی عدد الطلاق الذی یکون للرجل فیہ الرجعۃ والعدد الذی تبین بہ زوجتہٗ منہ۔	"تفسیر کرنے والوں کے مابین اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں طلاق کی وہ تعداد بتائی گئی ہے جس میں مرد کو رجعت کا حق ہے اور وہ تعداد جس میں عورت مرد سے جُدا ہو جاتی ہے۔"

وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب میں طلاق دینے کے سلسلہ میں کوئی حد نہیں تھی۔ وہ طلاقیں دیتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس سلسلہ میں وہ کچھ آثار و اقوال نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:۔

فتاویل الآیۃ علی ھذا الخبر الذی ذکرنا عدد الطلاق الذی لکم ایھا الناس فیہ علی ازواجکم الرجعۃ إذا کن مدخولاً بھن تطلیقتان ثم الواجب علی من راجع منکم بعد التطلیقتین إمساکٌ بمعروفٍ أو تسریحٌ بإحسانٍ لأنہ لا رجعۃ لہٗ بعد التطلیقتین إن سرحھا فطلقھا الثالثۃ۔	"ان آثار کے مطابق جو ہم نے بیان کئے، آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ اے لوگو! طلاق کی وہ تعداد جس میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے سلسلہ میں، جبکہ اُن سے مباشرت ہو چکی ہو، رجعت کا حق ہو، دو طلاقیں ہیں۔ پھر تم میں سے جو کوئی دو طلاقوں کے بعد رجوع کرے اُس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقہ پر عورت کو روک لے یا خوبصورتی سے چھوڑ دے۔ کیونکہ دو طلاقوں کے بعد اس کیلئے رجعت کا حق نہیں اگر اسے چھوڑ دیا اور تیسری طلاق دے دی۔

دوسرے قول کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:۔

وقال آخرون إنما أنزلت هذه الآية علی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعریفاً من اللہ تعالیٰ ذکرہ عبادہ سنۃ طلاقهم نساءهم إذا أرادوا طلاقهن. لا دلالۃ علی القدر الذی تبین بہ المرأۃ من زوجها۔	"اور کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اللہ کے نبی پر اس لئے اُتری ہے تاکہ اللہ اپنے بندوں کو طلاق کا طریقہ بتلائے جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ اُن پر طلاق کی وہ تعداد واضح کرے جس سے عورت اپنے شوہر سے جدا ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد وہ اس سلسلہ کے آثار و اقوال نقل کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں:۔

وتاویل الآیۃ علی قول هؤلاء سنۃ الطلاق التی سننتها وأبحتها لکم إن أردتم طلاق نسائکم أن تطلقوهن ثنتین فی کل طهر واحدۃ ثم الواجب بعد ذالك علیکم إما أن تمسکوهن بمعروف أو تسرحوهن بإحسان۔	"اور ان لوگوں کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر یہ ہوگی۔ طلاق کا طریقہ، جو میں نے تمہارے لئے مقرر کیا اور جائز ٹھہرایا اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو، یہ ہے کہ تم انھیں دو طلاقیں دو۔ ہر طہر میں ایک طلاق۔ پھر اس کے بعد تم پر واجب ہے کہ انہیں معروف طریقے پر روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دو۔"

اِس کے بعد وہ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

والذی أولی بظاهر التنزیل ما قالہ عروۃ وقتادۃ ومن قال مثل قولهما أن الآیۃ إنما هی دلیل علی عدد الطلاق الذی یکون بہ التحریم وبطول الرجعۃ فیہ والذی یکون فیہ الرجعۃ منہ۔	"اور قرآن کے ظاہر الفاظ سے قریب بات وہ ہے جسے عروہ، قتادہ اور ان جیسی بات کہنے والوں نے کہا ہے۔ یعنی یہ آیت طلاق کی تعداد پر دلیل ہے، اس تعداد پر جس سے عورت حرام ہو جاتی ہے اور رجعت ختم ہو جاتی ہے اور اس تعداد پر جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔"

جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے، بات بالکل واضح ہے۔ آیت میں دو طلاقوں کے یکے بعد دیگرے الگ الگ دینے اور ان کے بعد رجعت کی گنجائش کا ذکر ہے۔ پھر تیسری بار طلاق دینے کے نتیجہ میں بیوی کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ اس مفہوم کی رُو سے (اور یہی آیت کا ظاہر مفہوم ہے) ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا حکم آیت میں نہیں ہے، بلکہ ایک بار میں

تین طلاق دینا ہی غیر مشروع اور آیت میں غیر متصور ہے۔

پہلے قول کی رُو سے بھی آیت ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تعرض نہیں کرتی بلکہ جیسا کہ امام ابن جریر طبریؒ نے صراحت کی ہے، آیت میں اس شکل کا ذکر ہے کہ کسی شخص نے دو طلاق رجعی دی ہو پھر رجوع کرنے کے بعد یا رجوع کئے بغیر تیسری طلاق بھی دے دی ہو۔

علامہ زمخشریؒ "کشاف" میں دونوں اقوال کا ذکر کر کے دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الطلاق بمعنی التّطلیق کالسّلام بمعنی التّسلیم أی التّطلیق الشّرعی تطلیقةٌ بعد التّطلیقة علی التّفریق دون الجمع والإرسال دفعةً واحدةً ولم یرد بالمرّتین التّثنیة ولکن التّکریر کقوله ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ أی کرّةً بعد کرّةٍ، لا کرّتین ثنتین ونحو ذالك من التّثانی الّتی یُراد بها التّکریر. قولهم لبّیك وسعدیك وحنانیك وهذاذیك وحوالیك۔

"طلاق، تطلیق (طلاق دینے) کے معنی میں ہے۔ جیسے سلام، تسلیم (سلام کرنے) کے معنی میں ہے۔ یعنی مشروع طلاق دینا یہ ہے کہ طلاق کے بعد طلاق دی جائے۔ الگ الگ نہ کہ ایک ساتھ اور ایک دم اور ایک ہی بار میں۔ اور مرّتین سے مراد تثنیہ نہیں ہے بلکہ تکرار ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اِرْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ (آنکھ کو بار بار لوٹا کر) یعنی ایک بار کے بعد ایک بار اور۔ نہ کہ دو بار اور اس قسم کے تثنیہ کی جن سے مراد تکرار ہوتی ہے، مثال اہلِ عرب کے اقوال میں ہے۔ لَبَّیْكَ، سَعْدَیْكَ، حَنَانَیْكَ، هَذَاذَیْكَ اور حَوَالَیْكَ۔"

پھر وہ پہلے قول کا ذکر کرتے ہیں، مگر ذرا مختلف انداز میں۔ فرماتے ہیں:۔

وقیل معناه الطّلاق الرّجعی مرّتان لأنّه لا رجعة بعد الثّلاث

"اور ایک قول یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق رجعی دو بار ہے کیونکہ تیسری کے بعد رجعت نہیں ہے۔"

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ علامہ زمخشریؒ نے ثنتان (دو) کے بجائے مرتان (دو بار) کہا ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ کی تفسیر میں وہ اور زیادہ واضح انداز میں لکھتے ہیں:۔

فإن طلّقها الطّلاق المذکور الموصوف "تو اگر اس نے وہ طلاق دی جس کا وصف تکرار ہے اور

بالتكرار في قوله الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ واستوفى نصابهُ أو فإن طلّقها مرّةً ثالثةً بعد مرّتين۔ | جس کا ذکر اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں ہے اور اس کا نصاب (تین) پورا کر دیا یا اُس نے دو بار کے بعد تیسری بار طلاق دے دی۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ کے تحت دوسرے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

إختلف المفسرون أنّ هذا حكمٌ مبتدأٌ أو هو متعلّقٌ بما قبلهُ۔ قال قومٌ إنّه حكمٌ مبتدأٌ ومعناه أنّ التطليق الشّرعي يجب أن يكون تطليقةً بعد تطليقةٍ على التّفريق دون الجمع والإرسال دفعةً واحدةً وهذا التّفسير هو قول من قال الجمع بين الثّلاث حرامٌ، وزعم أبو زيد الدبوسي في الأسرار أنّ هذا هو قول عمر وعثمان وعلي وعبد الله بن مسعودٍ وعبد الله بن عبّاسٍ وعبد الله بن عمر وعمران بن الحصين وأبي موسى الأشعري وأبي الدّرداء وحذيفة (رضي الله عنهم)۔

"مفسّرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ نیا حکم ہے جس کے ذکر کی ابتدا یہیں سے ہے یا یہ ماقبل سے متعلق ہے۔ ایک گروہ نے کہا یہ ایک حکم ہے جس کا آغاز یہیں سے ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ "شرعی طلاق" ضروری ہے کہ طلاق دینے کے بعد طلاق دینا ہو، الگ الگ، نہ کہ ایک ساتھ، ایک دم، ایک ہی بار میں۔ اور یہ تفسیر اُن لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دم تین طلاق دینا حرام ہے"۔ اور ابو زید دبوسی نے "اسرار" میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ قول ہے حضرت عمر، عثمان، علی، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عمران بن حصین، ابو موسیٰ اشعری، ابو درداء اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کا"۔

معلوم ہوا کہ یہ قول فقہاءِ صحابہ کی اکثریت کا ہے۔

اس کے بعد پہلے قول کا ذکر امام رازیؒ اِن الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

والقول الثّاني في تفسير الآية أنّ هذا ليس ابتداء كلامٍ بل هو متعلّقٌ بما قبلهُ والمعنى أنّ الطّلاق الرّجعي مرّتان ولا رجعة بعد الثّلاث، وهذا قول من جوّز الجمع بين الثّلاث وهو مذهب الشّافعي رضي الله عنه۔

"اور آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نیا کلام نہیں ہے بلکہ یہ ماقبل سے متعلق ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاقِ رجعی دو بار ہے اور تین کے بعد رجعت نہیں ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو بیک وقت تین طلاق کے جواز کے قائل ہیں اور یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے"۔

بہ یک وقت تین طلاق کے مشروع ہونے کے قائل امام شافعیؒ اور علامہ ابن حزمؒ ہیں۔ جمہور ائمۂ فقہ وحدیث وتفسیر اس طلاق کو غیر مشروع اور بدعت تصور کرتے ہیں حضرت عمرؓ اس پر تازیانے سے سزا دیتے تھے۔

امام رازیؒ آیت کی تفسیر میں ایک اور قول نقل کرتے ہیں:-

القول الثالث فی تفسیر الآیۃ أن نقول إنها ليست كلامًا مبتدأً بل هی متعلقة بما قبلها وذالك لأنه تعالى بيّن فی الآية الأولى أن حق المراجعة ثابتٌ للزوج ولم يذكر أن ذالك الحق ثابتٌ دائمًا أو إلى غاية معينة فكان ذالك كالمجمل المفتقر إلى المخصّص فبيّن فی هذه الآية أن ذالك الطلاق الذی ثبت فيه للزوج حق الرجعة هو أن يوجد طلقتان فقط وأمّا بعد الطلقتين فلا يثبت ألبتة حق الرجعة بالألف واللام فی قوله "الطَّلَاقُ" للمعهود السابق، يعنی ذالك الطلاق الذی حكمنا فيه بثبوت الرجعة هو أن يوجد مرّتين فهذا التفسير حسنٌ مطابقٌ لنظم الآية۔	"تیسرا قول آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کا آغاز یہیں سے ہوا بلکہ یہ بات ماقبل سے متعلق ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ بیان کیا کہ رجوع کرنے کا حق شوہر کے لئے ثابت ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ حق دائماً ثابت ہے یا کسی مقررہ وقت تک۔ تو یہ آیت مجمل ہوئی جس کے لئے کسی مخصص کی ضرورت ہے۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وہ طلاق جس میں شوہر کیلئے رجعت کا حق ثابت ہے وہ یہ ہے کہ فقط دو طلاقیں دی جائیں۔ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق ہرگز نہ رہے گا۔ یہ بات "الف اور لام" سے واضح ہوتی ہے جو "الطَّلَاقُ" میں ہے اور جو معہود سابق کے لئے ہے۔ یعنی وہ طلاق جس کے بارے میں ہم نے رجعت کے ثابت ہونے کا حکم دیا وہ یہ ہے کہ طلاق دو بار دی جائے۔" تو یہ بہتر تفسیر ہے جو آیت کے نظم کے مطابق ہے۔"

امام رازیؒ کے اس قول اور پہلے قول میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ "احکام القرآن" میں ان آیات پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے تین مفہوم بیان کرتے ہیں:-

قال أبوبكر قد ذكرت فی معناه وجوهٌ أحدها أنه بيان للطلاق الذی تثبت	"ابوبکر نے کہا: اس آیت کے معنی کے سلسلہ میں کئی اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا

معہ الرجعۃ یروی ذالک عن عروۃ بن الزبیر وقتادۃ۔ والثانی أنہ بیان لطلاق السنۃ المندوب إلیہ ویروی ذالک عن ابن عباس ومجاھد، والثالث أنہ أمر بأنہ إذا أراد أن یطلقھا ثلاثا فعلیہ تفریق الطلاق فیتضمن الأمر بالطلاق مرتین ثم ذکر بعدھما الثالثۃ۔

بیان ہے جس کے ساتھ رجعت کا حق ہوتا ہے۔ یہ قول عروۃ بن زبیر اور قتادہؒ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاقِ سنت کا بیان ہے، جو طلاق کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس قول کی روایت ابن عباس اور مجاہد سے کی گئی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ہے کہ جب کوئی تین طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ طلاق الگ الگ کرکے دے۔ اس میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ صرف دو بار طلاق دی جائے، اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا گیا ہے:

آخری دو اقوال کی رُو سے ان آیات میں طلاق کے ایک ایک کرکے دینے کا ذکر یا حکم ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ پہلے قول کی رُو سے بھی یہ آیت ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے حکم میں صریح نہیں ہے، کیونکہ اس قول کی رُو سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاقِ رجعی دو طلاقیں ہوتی ہیں جن کے بعد چھوڑنے اور رجوع کرنے، دونوں کا حق باقی رہتا ہے۔ دو طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی جائے تو یہ حق باقی نہیں رہتا۔ تین طلاق ایک ساتھ دینے کا تذکرہ آیت میں کسی مفہوم کی رُو سے نہیں ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ قولِ ثانی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

قال أبوبکر: فأما قول من قال إنہ بیان لما یبقی معہ الرجعۃ من الطلاق فإنہ وإن ذکر معہ الرجعۃ عقیبہ فإن ظاھرہ یدل علی أنہ قصد بہ بیان المباح وأما ماعداہ فمحظور وبین مع ذالک حکمہ إذا أوقعہ علی الوجہ المأمور بہ بذکر الرجعۃ عقیبہ۔ والدلیل علی أن المقصد فیہ الأمر بتفریق الطلاق وبیان حکم ما یتعلق بإیقاع مادون الثلاث من الرجعۃ أنہ قال الطلاق مرتان۔

ابوبکر نے کہا: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اُس طلاق کا ذکر ہے جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ اس آیت سے قبل متصل ہی رجعت کا ذکر ہے، ظاہرِ آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود مباح طلاق کا بیان ہے جس کے ماسوا طلاق ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ اگر اس نے حکم کے مطابق طلاق واقع کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اسے بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ بات کہ اس آیت میں طلاق کو الگ الگ دینے کا حکم اور تین سے کم طلاقوں کے واقع کرنے سے متعلق حکم یعنی رجعت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

وذالك يقتضي التفريق لا محالة، فإنه إن طلق اثنتين معًا لما جاز أن يقال طلقها مرتين. وكذالك لو دفع رجل إلى آخر درهمين لم يجز أن يقال أعطاه مرتين حتى يفرق الدفع فحينئذٍ يطلق عليه وإذا كان هذا هكذا، فلو كان الحكم المقصود باللفظ هو ما تعلق بالتطليقتين من بقاء الرجعة لأدى ذالك إلى إسقاط فائدة ذكر "مَرَّتَيْنِ" إذا كان الحكم ثابتًا في المرة الواحدة إذا طلق اثنتين. فثبت بذالك أن ذكره للمرتين إنما هو أمر بإيقاعه مرتين ونهي عن الجمع بينهما في مرة واحدة ومن جهة أخرى لو كان اللفظ محتملاً لأمرين لكان الواجب حمله على إثبات الحكم في إيجاب الفائدتين وهو الأمر بتفريق الطلاق متى أراد أن يطلق اثنتين وبيان حكم الرجعة إذا طلق كذالك فيكون اللفظ مستوعبًا للمعنيين. وقوله تعالى "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" وإن كان ظاهره الخبر فإن معناه الأمر. كقوله تعالى "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ" "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ" وما جرى هذا المجرى مما هو في صيغة الخبر ومعناه الأمر۔

فرمایا: طلاق دو بار ہے" اور اس کا تقاضا لامحالہ الگ الگ طلاق دینا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے دو طلاقیں دیں تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اُس نے دو بار طلاق دی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کو دو درہم دیئے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس نے اسے دو بار دیئے جب تک وہ الگ الگ نہ دے تب تک اُس پر دو بار دینے کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس صورت میں آیت کے الفاظ کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ دو طلاقوں کے بعد رجعت کا حق باقی رہتا ہے تو "مَرَّتَيْنِ" کا ذکر بے فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ایک ہی بار میں دو طلاق دے تب بھی یہ حکم ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا "مَرَّتَيْنِ" (دو بار) کے لفظ کا ذکر دو بار طلاق دینے کا حکم اور دو طلاقوں کو ایک ہی بار میں دے دینے سے منع کرنے کے لئے ہے۔ ایک اور پہلو سے اگر لفظ دو امور کو محتمل ہو تو ضروری ہے کہ اسے دونوں امور پر محمول کیا جائے تاکہ دو فائدے ثابت ہوں۔ اور یہاں وہ دو امور یہ ہیں (۱) طلاق کو الگ الگ دینے کا حکم جب دو طلاق دینے کا ارادہ کرے۔ اور (۲) رجعت کے حکم کا بیان جب اس طرح طلاق دے۔ تو لفظ دو معنی پر حاوی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (طلاق دو بار ہے) ظاہر الفاظ کی رُو سے اگرچہ خبر ہے مگر معناً حکم ہے۔ جیسے "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ" (مطلقہ عورتیں تین ماہواری تک انتظار کریں گی) اور "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ" (مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں گی) اور اس طرح کی دوسری آیتیں جن کا صیغہ خبر کا ہے مگر معنیٰ امر (حکم) کا ہے"

گویا امام ابوبکر جصاصؒ مُصر ہیں کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں دو طلاق کا نہیں دو بار طلاق کا ذکر ہے۔ یہ بحث آگے بڑھتی ہے جس کے بعد وہ امام شافعیؒ کا قول نقل کر کے اُس کے جواب میں مزید دلائل لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

وقال الشافعیؒ فی ما رواہ عنہ المزنی لا یحرم علیہ أن یطلقھا ثلاثاً ولو قال أنتِ طالق ثلاثاً للسنۃ وھی طاھرۃ من غیر جماع طُلّقت ثلاثاً معاً۔ قال أبوبکر فنبدأ بالکلام علی الشافعی فی ذالک فنقول إنّ دلالۃ الآیۃ التی تلوتھا ظاھرۃ فی بطلان ھذہ المقالۃ لأنھا تضمنت الأمر بإیقاع اثنتین فی مرتین، فمن أوقع الإثنتین فی مرۃ فھو مخالف لحکمھا ومما یدل علی ذالک قولہ تعالیٰ لَا تُحَرِّمُوا الطَّیِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ ۔ وظاھرہٗ یقتضی تحریم الثلاث لما فیھا من تحریم ما أحلّ لنا من الطیبات، والدلیل علی أنّ الزوجات قد تناولھن ھذا العموم قولہ تعالیٰ "فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ" فوجب بحق العموم حظر الطلاق الموجب لتحریمھا۔ ولولا قیام الأدلۃ فی إیقاع الثلاث فی وقت السنۃ وإیقاع الواحدۃ لغیر المدخول بھا لاقتضت الآیۃ حظرہٗ۔ ومن جھۃ أخریٰ من دلائل الکتاب أنّ اللّٰہ تعالیٰ

"اور امام شافعیؒ نے، جیسا کہ اُن سے مُزنیؒ نے روایت کیا ہے، فرمایا ہے کہ تین طلاق (بیک وقت) دینا حرام نہیں ہے اور اگر مرد نے کہا، تم پر تین طلاقِ سنّت" اور وہ پاک ہے اور اسی پاکی میں اُس سے مباشرت نہیں کی گئی ہے تو اس پر بیک وقت تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ابوبکر نے کہا: اب ہم اس مسئلہ میں امام شافعیؒ پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس آیت کی تلاوت میں نے کی ہے اُس سے اِس بات کا غلط ہونا صراحۃً ثابت ہے، کیونکہ اس آیت میں یہ حکم موجود ہے کہ دو طلاقیں دو بار میں دی جائیں۔ تو جس شخص نے ایک بار میں دو طلاقیں دیں، اُس نے آیت کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور تین طلاق کے حرام ہونے کی ایک اور دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو" آیت کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے کہ تین طلاق حرام ہو کیونکہ اس سے ان پاکیزہ عورتوں کی حرمت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ یہ بات کہ آیت کے لفظ "طیّبات" کے عموم میں عورتیں بھی داخل ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "عورتوں میں جو تمہیں طیّب لگیں، اُن سے نکاح کر لو۔" ان الفاظ کے عموم سے وہ طلاق ممنوع ثابت ہوتی ہے جو عورتوں کو حرام کر دے اور اگر سنّت کے وقت میں تین طلاقوں کے واقع کرنے اور غیر مدخول بہا کیلئے ایک طلاق کے واقع کرنے کے سلسلہ میں دلائل نہ ہوتے تو آیت اس کی حرمت کی مقتضی تھی۔ کتاب اللہ کے دلائل کا ایک اور پہلو۔

لم یُبح الطّلاق لمن تجب علیہا العدّۃ إلّا مقروناً بذکر الرّجعۃ منہا قولہٗ تعالیٰ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاکٌ بِمَعْرُوفٍ" وقولہٗ تعالیٰ "وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْٓءٍ" وقولہٗ تعالیٰ "وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَہُنَّ فَاَمْسِکُوْہُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْہُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْہُنَّ بِمَعْرُوْفٍ" فلم یُبح الطّلاق المبتدء لذوات العدّۃ إلّا مقروناً بذکر الرّجعۃ وحکم الطّلاق ماخوذ من ہٰذہ الآیات۔ لولاہا لم یکن الطّلاق من أحکام الشّرع۔ فلم یجز لنا إثباتہٗ مسنوناً إلّا علی ہٰذہ الطّریقۃ وبہٰذا الوصف۔ وقال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من أدخل فی أمرنا ما لیس منہ فہو ردٌّ۔ وأقلّ أحوال ہٰذا اللّفظ حظر خلاف ما تضمّنتہ الآیات الّتی تلونا من إیقاع الطّلاق المبتدء مقروناً بما یوجب الرّجعۃ۔	اللہ تعالیٰ نے عدّت والی عورت کے لئے طلاق مباح نہیں کی مگر اس کے ساتھ رجعت کا ذکر ضرور کر دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ" اور "وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ" الآیۃ اور "وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَہُنَّ فَاَمْسِکُوْہُنَّ" الآیۃ۔ تو ابتداءً عدّت والی عورتوں کے لئے طلاق کو جائز نہیں قرار دیا مگر رجعت کا ذکر اُس کے ساتھ کیا۔ اور طلاق کا حکم ان ہی آیات سے ماخوذ ہے۔ اگر یہ آیات نہ ہوتیں تو طلاق احکامِ شرع میں سے نہ ہوتی۔ پس ہمارے لئے طلاق کا اثبات سُنّت کے طور پر اُس وقت جائز ہے جب وہ اِس شرط اور اِس وصف کے ساتھ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص ہمارے معاملہ (دین) میں وہ چیز داخل کرے جو اُس میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رد ہے۔" اور ان الفاظ کے مفہوم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ طلاق ممنوع ہو جو اُن آیات کے خلاف ہو جن میں طلاق کو اِس طرح واقع کرنے کا ذکر ہے کہ اس کے بعد رجعت ہو سکے۔

اِس کے بعد امام ابوبکر جصّاصؒ احادیث و آثارِ صحابہ نقل کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

فقد ثبت من ہٰؤلاء الصّحابۃ حظر جمع الثّلاث، ولا یُروی عن أحد من الصّحابۃ خلافہٗ فصار إجماعاً۔	"تو اِن صحابہؓ سے تین طلاق بیک وقت دینے کی حُرمت ثابت ہوئی۔ اور چونکہ کسی صحابی سے اس کے خلاف مروی نہیں تو (اس پر صحابہ کا) اجماع ہو گیا۔"

اِس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا حرام ہے اور مذکورہ بالا آیات میں ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ تین بار میں تین طلاق

دینے کا ذکر ہے۔

اس ساری بحث کے باوجود امام ابوبکر جصاصؒ ان آیات سے یہ مفہوم بھی اخذ کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ فرماتے ہیں:-

قال أبو بكرٍ قوله تعالى "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" الآية يدلّ على وقوع الثلاث معًا مع كونه منهيًا عنها. وذلك لأنّ قوله تعالى "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" قد أبان عن حكمه إذا أوقع اثنتين بأن يقول أنتِ طالق أنتِ طالق في طهرٍ واحدٍ وقد بيّنا أنّ ذلك خلاف السنّة فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دلّ ذلك على وقوعهما لو أوقعهما معًا لأنّ أحدًا لم يفرّق بينهما وفيها الدلالة عليه من وجهٍ آخر وهو قوله تعالى "فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين، ولم يفرّق بين إيقاعهما في طهرٍ واحدٍ أو في أطهارٍ فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أيّ وجهٍ أوقعه من مسنونٍ أو غير مسنونٍ ومباحٍ ومحظورٍ۔۔۔

"ابوبکر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" الآیۃ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع ہو جائیں گی باوجودیکہ وہ ممنوع ہیں کیونکہ ارشادِ الٰہی "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" میں طلاق کا حکم بیان ہوا ہے جبکہ وہ ایک طہر میں أنتِ طالق أنتِ طالق کہہ کر دو طلاقیں دے۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے تو جب آیت کے اندر اس طرح کا مفہوم موجود ہے کہ اس طور پر دو طلاقیں واقع کرنا جائز ہے تو اگر دونوں کو ایک ساتھ واقع کردے تو آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ دونوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ کسی نے دونوں شکلوں میں فرق نہیں کیا ہے۔ اور اس بات کے لئے آیت میں ایک اور پہلو سے دلالت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" ہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے دو کے بعد تیسری طلاق سے عورت کے حرام ہونے کا حکم کیا اور اس بات میں تفریق نہیں کی کہ وہ دونوں طلاقیں ایک طہر میں واقع کی گئی تھیں یا کئی طہروں میں۔ تو اس آیت سے یہ لازم آیا کہ سب طلاقوں کے واقع کرنے کا حکم کیا جائے خواہ وہ کسی طرح دی جائیں، مسنون طریقہ پر یا غیر مسنون طریقہ پر، مباح طریقہ پر یا ممنوع طریقہ پر"

لیکن امام جصاصؒ کی اس بحث سے خود واضح ہے کہ یہ آیت کا صریح حکم نہیں ہے، بلکہ اس سے مستنبط ہے۔ آیت میں جو حکم ہے وہ تین بار طلاق دینے کے سلسلہ میں ہے، نہ کہ ایک بار

میں تین طلاق دینے کے سلسلہ میں۔ اِس ذیل میں امام ابوبکر جصاصؒ نے ایک طُہر یا کئی طُہروں کی جو بحث چھیڑ دی ہے، اُس کا تعلق فی الواقع حدیث سے ہے، نہ کہ قرآن سے۔

اپنے اِس قول پر ایک اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں۔

فإن قيل قد مت بدياً فى معنى الأية أنّ المراد بها بيان المندوب إليه والمامور به من الطّلاق و إيقاعُ الطّلاق الثالث معاً خلاف المسنون عندك فكيف تحتج بها فى إيقاعها على غير الوجه المباح، والأية لم تتضمنها على هٰذا الوجه قيل له قد دلّت الأية فى هٰذه المعانى كلّها من إيقاع الإثنين والثلاثِ لغير السنّة وإنّ المندوب إليه والمسنون تفريقها فى الأطهار وليس يمتنع أن يكون مراد الأية جميع ذالك. ألاترى أنّه لو قال طلّقوا ثلاثاً فى الأطهار و إن طلّقتم جميعاً معاً وقعن، كان جائزاً. و إذا لم يتناف المعنيان واحتملتها الأية وجب حملها عليها۔

• اگر کہا جائے کہ تم نے آیت کے معنی کے سلسلہ میں پہلے ہی واضح کیا تھا کہ آیت کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ طلاق کا مطلوب و مامور طریقہ کیا ہے، اور تین طلاقوں کا ایک وقت واقع کرنا تمہارے نزدیک خلافِ سُنّت ہے تو تم اِس آیت سے طلاق کے غیر مباح طریقہ پر واقع کرنے کے سلسلہ میں کیوں استدلال کر رہے ہو، حالانکہ آیت کے مفہوم میں یہ طریقہ داخل نہیں ہے۔ جواب میں کہا جائے گا کہ آیت دو اور تین طلاقوں کے غیر مسنون طریقہ پر واقع کرنے کی شکلوں پر بھی دلالت کرتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ مطلوب اور مسنون طریقہ طُہروں میں متفرق طور پر طلاق دینا ہے، اور یہ بات مُمتنع نہیں ہے کہ آیت کا مفہوم یہ سب کچھ ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ طلاق تین بار (مختلف) طُہروں میں دو، لیکن اگر تم نے تینوں طلاقیں ایک بار دے دیں تو وہ واقع ہو جائیں گی، تو یہ فرمانا صحیح ہوتا۔ تو جب دونوں مفہوم ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں اور آیت دونوں کو محتمل ہے تو آیت کا دونوں پر محمول کرنا ضروری ہے:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابوبکر جصاصؒ فی الواقع اعتراض کا جواب نہیں دے سکے ہیں اور انہوں نے عدمِ امتناع اور احتمال کا سہارا لیا ہے جس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور وہ بھی عورت کی حُرمتِ مغلظ جیسا حکم۔ ایسے حکم کے لئے صریح نص چاہیئے، نہ کہ احتمالات اور عدمِ امتناعات۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ہوں یا

متعدد مجالس میں، ایک بار میں ہوں یا کئی بار میں، متفرق ہوں یا ایک ساتھ، ہر حال میں عورت حرام ہو جائے گی تو آیت کے الفاظ یہ نہ ہوتے:۔

الطّلاق مرّتان" فامساك بمعروف او تسريح باحسان ...... "فان طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتّى تنكح زوجا غيره۔

بلکہ یوں ہوتے:۔

الطّلاق إثنتان" فامساك بمعروف او تسريح باحسان...." وان طلّقها ثلاثا فلا تحلّ له من بعد حتّى تنكح زوجا غيره۔

اِن الفاظ کے نہ ہونے اور "مرّتان" اور "فان طلّقها" کے الفاظ ہونے کی صورت میں آیت کے صریح معنیٰ ہیں کہ فإن طلّقها فی المرّة الثّالثة بعد المرّتين جیسا کہ امام ابوبکر جصّاصؒ، علّامہ زمخشریؒ اور دوسرے مفسّرین نے اِس مفہوم کا ذکر کیا ہے۔

ایک اور اعتراض کا ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے امام ابوبکر جصّاصؒ فرماتے ہیں:۔

فإن قيل معنى هذه الآية محمول على ما بيّنه بقوله "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" وقد بيّن الشّارع الطّلاق للعدّة وهو أن يطلّقها فى ثلاثة أطهار إن أراد إيقاع الثّلاث، ومتى خالف ذالك لم يقع طلاقه۔ قيل له نستعمل الآيتين على ما اقتضيانه من أحكامهما، فنقول إنّ المندوب إليه المامور به هو الطّلاق للعدّة على ما بيّنه فى هذه الآية وإن طلّق لغير العدّة وجمع الثّلاث وقعن لما اقتضته الآية الأخرى وهى قوله تعالى "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ"

"اگر کہا جائے کہ اس آیت کا مفہوم محمول ہے اُس بات پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (انہیں طلاق ان کی عدّت کے وقت دو) میں بیان فرمایا ہے اور شارع نے طلاق للعدّة کی توضیح یہ کی ہے کہ طلاق تین طُہروں میں دی جائے اگر تین طلاق دینے کا ارادہ ہو۔ جب طلاق دینے والے نے اس کے خلاف کیا (اور بیک وقت تین طلاقیں دے دیں) تو طلاق واقع نہیں ہوئی جواب میں کہا جائے گا کہ ہم دونوں آیتوں پر اُن احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں جن کی وہ مقتضی ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ مطلوب اور مامور بہ طلاق عدّت ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں واضح کیا گیا ہے، لیکن اگر اس نے طلاق بغیر العدّت دی اور تین طلاقیں بیک وقت دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ دوسری آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ" کا اقتضا یہی ہے، کیونکہ آیت

إذ ليس في قوله فطلّقوهنّ نفي لما اقتضته هذه الآية الأخرى على أنّ في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدّة دلالة على وقوعها إذا طلّق لغير العدّة وهو قوله تعالى فطلّقوهنّ لعدّتهنّ إلى قوله وتلك حدود الله ومن يتعدّ حدود الله فقد ظلم نفسه فلولا أنّه إذا طلّق لغير العدّة وقع ما كان ظالماً لنفسه بإيقاعه ولا كان ظالماً لنفسه بطلاقه۔

فطلّقوهنّ لعدّتهنّ میں اس بات کی نفی نہیں ہے جس کا اقتضاء دوسری آیت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے مفہوم میں بھی جس میں طلاقِ عدّت کا ذکر ہے، یہ بات موجود ہے کہ طلاق لغیر العدت دینے کی شکل میں تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی۔ چنانچہ آیت فطلّقوهنّ لعدّتهنّ کے آخر میں ہے وتلك حدود الله ومن يتعدّ حدود الله فقد ظلم نفسه تو اگر طلاق لغیر العدّۃ واقع نہ ہوتی تو اسے واقع کرنے سے اور طلاق دینے سے وہ خود پر ظلم کرنے والا نہ ہوتا۔

اس بحث میں امام موصوف نے ایک بار میں تین طلاق دینے کے سلسلہ میں الطلاق مرّتان الآیۃ کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا اِن آیات کی رُو سے ایک مجلس کی تین طلاق کا طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونا کوئی ثابت شدہ امر ہو۔ حالانکہ یہی چیز محلِ گفتگو ہے۔ پھر انہوں نے فقد ظلم نفسه سے طلاق کے وقوع پر جو استدلال کیا ہے وہ اور بھی عجیب ہے۔ ظلمِ نفس سے مراد صریح طور پر گناہ اور اُس کے نتائج ہیں۔ اِس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ طلاق لغیر العدّۃ واقع ہو جائیں اور وہ بھی اس طرح کہ طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جائے۔

متعلقہ آیات یہ ہیں:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ. لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ. وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ. وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۔

"اے نبی! (اہلِ ایمان سے کہدو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو تو انہیں اُن کی عدّت کے وقت طلاق دو اور عدّت کا شمار کرو اور اپنے ربّ اللہ سے ڈرو۔ انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں اِلّا یہ کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا تم نہیں جانتے، ہو سکتا ہے اللہ اس کے بعد کوئی امر پیدا فرمادے۔"

اِن آیات میں فقد ظلم نفسہٗ کا تعلق متعدد اُمور سے ہے، نہ کہ صرف طلاق لغیر العدۃ سے اور صحیح مفہوم یہی ہے کہ حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والا گنہ گار اور عذابِ الٰہی کا مستحق ہوگا۔ ظلمِ نفس کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم اللہ کی نافرمانی کر کے اپنے نفس کی حق تلفی کرنے اور اُسے ہلاکت میں ڈالنے کے مفہوم میں آیا ہے، اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ اس سے کسی قانونی حکم کا استخراج صحیح نہیں۔

امام ابوبکر جصّاصؒ مزید فرماتے ہیں:۔

وفی هذه الأیة دلالةٌ علی وقوعها	"اور اس آیت میں تین طلاقوں کے وقوع پر دلالت ہے۔
إذا طلّق لغیر العدّة ویدلّ علیه قولهٗ	جبکہ طلاق دینے والا طلاق لغیر العدۃ دے، اور اس پر سلسلۂ
تعالیٰ فی نسق الخطاب "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ	کلام میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ وَمَنْ
یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" یعنی واللّٰه أعلم	یَتَّقِ اللّٰهَ الآیۃ۔ (اور جو اللہ کی نافرمانی سے بچے گا، اللہ
أنّهٗ إذا أوقع الطّلاق علی ما أمره	اس کے لیے راہ نکال دے گا) یعنی اگر اس نے خدا کے حکم
اللّٰهُ کان لهٗ مخرجًا ممّا أوقع إن	کے مطابق طلاق واقع کی تو ندامت کی صورت میں اس کے لیے
لحقهٗ ندم وهو الرّجعة ۔	نکلنے کی شکل یعنی رجعت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ اس آیت کا مدلول نہیں ہے۔ یہ مَخْرَج کی ایک ممکنہ صورت ہو سکتی ہے۔ یوں بھی یہ پوری آیت کسی متعیّنہ شکل کے بجائے عمومی مفہوم ہی پر دلالت کرتی ہے۔ پوری آیت بلکہ آیات یوں ہیں:۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ	"تو جب وہ اپنی مدتِ عدت کو پہنچنے لگیں تو انہیں معروف طریقہ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ،	پر روک لو یا معروف طریقہ پر اُن سے جدا ہو جاؤ۔ اور اپنے میں
وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا	سے دو ثقہ لوگوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے ٹھیک ٹھیک
الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ، ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ	گواہی دو۔ اس بات کی نصیحت تم میں سے ہر اس شخص کو
یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، وَمَنْ یَّتَّقِ	کی جاتی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو کوئی اللہ
اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ	کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اُس کے لیے راہ نکالے گا اور اسے
حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ، وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ	اس جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا اور جو

فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (طلاق - آیت ۲-۳)

بھروسہ کرتا ہے اللہ اُس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ اپنے فیصلہ کو نافذ کر کے رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نے ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔"

اِن آیات میں اِمساک بالمعروف، تفریق بالمعروف، طلاق یا رُجوع پر گواہ بنانے اور سچی گواہی دینے، کئی اُمور کا ذکر ہے۔ مسئلہ زیرِ بحث سے براہِ راست اِن آیات کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں! گذشتہ آیت میں طلاق للعدّۃ کا ذکر ضرور ہے۔ بہر حال اِن آیات سے وہ حکم نکالنا صحیح نہیں ہے جو امام موصوف نے نکالا ہے ــــ پھر ایک بات اور بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص تین طُہروں میں تین طلاقیں دے تو وہ تقویٰ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اِس کے باوجود نادم ہونے کی صورت میں اُس کے لئے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا حالانکہ امام ابوبکر جصّاصؒ کی تشریح کی رُو سے اُس کے لئے بھی کوئی صورت نکلنی چاہئے۔

ایک اور اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام ابوبکر جصّاصؒ فرماتے ہیں :-

فَاِنْ قِيلَ لَمَّا كَانَ عَاصِيًا بِاِيقَاعِ الثَّلَاثِ مَعًا لَمْ يَقَعْ اِذْ لَيْسَ هُوَ الطَّلَاقُ الْمَامُورُ بِهٖ كَمَا لَوْ وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلًا بِاَنْ يُطَلِّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فِي ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ لَمْ يَقَعْ اِذَا جَمَعَهُنَّ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ قِيلَ لَهٗ اَمَّا كَوْنُهٗ عَاصِيًا فِي الطَّلَاقِ فَغَيْرُ مَانِعٍ صِحَّتَهٗ وَوُقُوعَهٗ لِمَا دَلَّلْنَا فِي مَا سَلَفَ وَمَعَ ذَالِكَ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الظِّهَارَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَحَكَمَ مَعَ ذَالِكَ بِصِحَّتِهٖ وَوُقُوعِهٖ فَكَوْنُهٗ عَاصِيًا لَا يَمْنَعُ لُزُومَ حُكْمِهٖ وَالْاِنْسَانُ عَاصٍ لِلّٰهِ فِي رِدَّتِهٖ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَمْ يَمْنَعْ عِصْيَانُهٗ مِنْ لُزُومِ

"اگر یہ کہا جائے کہ وہ تین طلاق کے بیک وقت دینے سے گناہگار ہوتا ہے اس لئے وہ واقع نہ ہوں گی کیونکہ یہ وہ طلاق نہیں ہے جس کا حکم دیا گیا ہے مثلاً کوئی شخص کسی کو اس بات کے لئے وکیل بنائے کہ وہ اس کی بیوی کو تین طُہروں میں تین طلاقیں دے، اگر وہ ایک ہی طُہر میں تین طلاقیں دیدے تو وہ واقع نہ ہوں گی۔ (جواباً) کہا جائے گا کہ طلاق کے سلسلہ میں اس کا نافرمان ہونا طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہ ہوگا، اُن دلائل کی بنا پر جو ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ظہار کو قولِ مُنکر و زُور فرمایا ہے۔ اِس کے باوجود اس کے صحت و وقوع کا حکم دیا ہے۔ تو عاصی ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ حکم ثابت نہ ہو۔ اسی طرح اسلام سے مرتد ہونے کی صورت میں انسان اللہ کا نافرمان ہوتا ہے۔ یہ نافرمانی اِس بات کے لئے مانع نہیں ہوتی کہ اُس کا حکم ثابت نہ ہو اور اُس کی بیوی اس سے جُدا نہ ہو

حكمه وفراق امرأته وقد نهاه الله عن مراجعتها ضرارًا بقوله تعالى "وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا" فلو راجعها وهو يريد ضرارها لثبت حكمها وصحت رجعته۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے کی نیت سے عورت سے رجوع کرنے کو منع کیا ہے۔ "وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (انہیں نقصان پہنچانے کیلئے نہ روکو کہ اس طرح تم تعدّی کے مرتکب ہو) لیکن اگر کوئی شخص نقصان پہنچانے کی نیت سے رجوع کرلے تو حکم رجعت ثابت ہوگا اور اُس کی رجعت صحیح ہوگی۔"

یہاں خلطِ مبحث ہوگیا ہے۔ ظہار کا رواج عرب میں پہلے سے تھا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح حرام کہہ دیتا اور وہ اُس کے لئے حرام ہو جاتی۔ ایک صحابی اس رواج کے مطابق اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے۔ بعد میں انہیں ندامت ہوئی اور اُن کی بیوی کو پریشانی۔ بیوی جو مخلص مومنہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے مقدمہ کو لے کر آئیں اور بعند ہوئیں کہ اُن کے معاملہ کو حل کیا جائے، تب یہ آیات نازل ہوئیں:-

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ، وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ○ الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ، إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا، وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ○ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا، ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا، فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ

"اللہ نے اُس عورت کی بات سُن لی جو (اے نبی) تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا، بلاشبہ اللہ سُننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اُن کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے اور وہ مُنکر اور جھوٹ بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ معاف کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنے قول سے رجوع کرتے ہیں انہیں ہمبستری سے قبل ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اِس بات کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جو شخص غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھے، ہمبستری کرنے سے پہلے، اور جسے اس کی طاقت نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (مجادلہ)

کھانا کھلائے۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھو۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

قرآن مجید نے جس بات کو 'منکر' اور 'زور' کہا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو ماں کہا جائے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو صریح عقل کے مطابق ہے۔ اس کے باوجود عرب میں یہ طریقہ عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا تھا۔ قرآن مجید نے اس طریقہ کو ممنوع نہیں قرار دیا، بلکہ مشروع طریقہ پر اسے باقی رکھا۔ اگلی آیات میں اس کے احکام بیان کئے اور ان سب کو حدود اللہ سے تعبیر کیا اور اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ سے یہ بات واضح کر دی کہ اس میں معصیت کا جو پہلو ہے اللہ اسے معاف کرتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ نے رجوع اور تلافیٔ مافات کا طریقہ بتایا اور وہ عورت جو عرب جاہلیت کے رواج کی رو سے حرام تھی، اللہ کے حکم سے اس کے حلال ہونے کا راستہ نکل آیا۔

صورت زیر بحث میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ عرب جاہلیت میں نہ طلاق کی کوئی حد تھی، نہ رجوع کرنے کے لئے طلاق کی کوئی تعداد طے تھی۔ اسلام نے طلاق اور رجوع دونوں کے احکام دیئے اور یہ بتایا کہ طلاق ایک مرتبہ میں ایک ہی دینا چاہیئے۔ دو بار طلاق دینے تک رجعت کا حق باقی رہتا ہے اور تیسری بار طلاق دینے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ ایک بار میں تین طلاق دینا غیر مشروع اور معصیت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شخص ایک بار میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع طریقہ اختیار کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ واقع ہوئی تو کتنی؟ اس کی عورت اس پر حرام ہوئی یا رجعت کی گنجائش باقی ہے؟

جہاں تک عرب جاہلیت کا سوال ہے، مرد کو اس کے بعد بھی رجعت کی گنجائش تھی اور قرآن نے بھی رجعت کو ختم اور عورت کو مرد پر اس وقت حرام قرار دیا ہے جبکہ وہ تیسری بار طلاق دینے کا مرتکب ہو چکا ہو۔ اس کے علاوہ طلاق کی کسی صورت میں عورت کو صراحتہً حرام قرار نہیں دیا اور نہ رجعت کے طریقہ کو منسوخ کیا۔ جو لوگ ایک بار کی تین طلاق کو طلاق مغلظہ بائنہ قرار دیتے ہیں، ان سے سوال یہ ہے کہ ان کے اس فتویٰ کا ماخذ کیا ہے؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ

یہ حکم کم از کم قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ظہار کی مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ ظہار کے قولِ منکر و زور ہونے کے باوجود عرب جاہلیت کی رکاوٹوں کو اللہ نے دور فرما دیا اور حرام عورت کو حلال کرنے کا طریقہ اہلِ ایمان کو بتایا۔ مگر یہ حضرات طلاق کے سلسلہ میں اس سہولت کو جو قبل از اسلام لوگوں کو حاصل تھی اور جسے قرآن نے ختم نہیں کیا، ختم کرنا چاہتے ہیں اور ظہار کی مثال دیتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ نے ارتداد کی مثال اس سلسلہ میں دی ہے۔ یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے۔ مرتد کی عورت اِس لئے اُس سے جدا ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور ایک مسلمہ غیر مسلم کے عقد میں نہیں رہ سکتی۔ اِرتداد کی کوئی خاص شکل اسلام نے مشروع نہیں کی ہے کہ غیر مشروع شکل اختیار کرنے کی صورت میں کوئی سوال پیدا ہو۔ یہاں بالکل دوسری بات ہے۔ ایک مسلمان کے عقد میں ایک مسلمان عورت ہے۔ اُس نے اسے غیر مشروع طریقہ پر تین طلاقیں دیں۔ گناہ ہونے سے قطع نظر یہ سوال بہرحال پیدا ہوگا کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں اور ہوئی تو اس کی بیوی اُس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی یا رجعت کی گنجائش باقی ہے۔ یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ قرآن میں تین بار طلاق دینے اور اُس کے بعد بیوی کے حرام ہونے کا ذکر ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ اِس کے برعکس مسلمان عورت غیر مسلم کے عقد میں نہیں رہ سکتی۔ یہ بات کتاب و سنت سے صراحۃً ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔

آخر میں امام ابوبکر جصاصؒ نے وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا سے جو استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ پوری آیت یوں ہے:۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ
فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا، وَمَن يَفْعَلْ
ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ، وَلَا تَتَّخِذُوا
آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا، وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدتِ عدت کو پہنچنے لگیں تو انہیں معروف طریقہ پر روک لو یا معروف طریقہ پر چھوڑ دو اور انہیں نقصان پہنچانے کی نیت سے روکے نہ رکھو کہ اس طرح تم تعدی کے مرتکب ہو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ اور اللہ کے احسانات کو اور اس بات کو یاد کرو کہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی

وَالْحِکْمَۃِ، یَعِظُکُمْ بِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا — جس سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور
اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ — جان لو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

"فَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ" سے واضح طور پر امساک بالضّرار مراد ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ گناہ ضرور ہے، مگر مرد کے اختیار میں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اُس سے رجوع کرلے تو قانوناً اُسے اِس حرکت سے روکا نہیں جاسکتا۔ وہ رجوع کرسکے گا۔ البتہ اُس سے دینی و اخلاقی اپیل کی جاسکتی ہے اور وہ قرآن نے کی ہے۔ ہاں! عورت کو اِس مخمصہ سے نکالنے کے لئے اسلام نے دوسرے قانونی طریقے فراہم کئے ہیں۔ مثلاً خُلع اور فسخِ نکاح کا طریقہ۔

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا مسئلہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ یقیناً ایک شخص ایک مجلس میں تین کیا، ہزار طلاقیں دے سکتا ہے، لیکن کیا یہ سب طلاقیں واقع ہو جائیں گی؟ تین سے زیادہ طلاق واقع ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے — اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک بار میں ایک سے زائد طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ ایسا کرنا غیر مشروع ہے۔ اسی طرح یہ سوال بھی باقی رہ جاتا ہے کہ اِس صورت میں اُس کی عورت اُس کے لئے حرام ہوئی یا نہیں؟

اس سلسلہ کی ایک دلچسپ بات سُن لیجئے۔ امام ابوبکر جصّاص نے طلّقوھنّ لعدّتھنّ والی آیت میں فقد ظلم نفسہٗ سے یہ مراد لیا ہے کہ اُس نے تین طلاق ایک بار میں دے کر اپنے آپ کو اپنی بیوی سے محروم کرلیا اور اس طرح اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ یہی الفاظ عورت کو نقصان پہنچانے کی غرض سے روکنے کے سلسلہ میں بھی آئے ہیں، لیکن اس صورت میں نہ عورت اُس کے لئے حرام ہوئی اور نہ اسے اور کوئی دُنیوی نقصان پہنچا۔ جو کچھ نقصان ہوا عورت کو ہوا۔ ہاں! مرد کی عاقبت خراب ہوئی۔ حالانکہ امام ابوبکر جصّاص کی رائے کی رُو سے اُسے کوئی دُنیوی اور قانونی نقصان پہنچنا چاہیئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ سے گناہ اور اُس کے عواقب مراد ہیں، نہ کہ کوئی قانونی حکم۔

امام ابوبکر بن عربی مالکیؒ "احکام القرآن" میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت

چار اقوال نقل فرماتے ہیں،۔

المسئلة الرابعة أنّ هٰذه الآية عرّف فيها الطّلاق بالألف واللّام واختلف النّاس في تأويل التّعريف على أربعة أقوال، الأوّل، معناه الطّلاق المشروع مرّتان فما جاء على غيرها فليس بمشروعٍ۔ يروى عن الحجّاج بن أرطاة - والرّافضة قالوا لأنّ النّبيّ صلى الله عليه وسلم إنّما بعث لبيانِ الشّرع فما جاء على غيره فليس بمشروعٍ - الثّاني، معناه الطّلاق الّذي فيه الرّجعة مرّتان وذالك لأنّ الجاهليّة كانت تطلّق وتردّ أبدًا، فبيّن الله تعالى أنّ الرّدّ في طلقتين بدليل قوله تعالى "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" الثّالث، إنّ معناه الطّلاقُ المسنون مرّتان، قاله مالكؒ۔ الرّابع، معناه الطّلاقُ الجائز مرّتان، قاله أبو حنيفةؒ فأمّا من قال إنّ معناه الطّلاق المشروع فصحيحٌ، لكنّ الشّرع يتضمّن الفرضَ والسُّنّةَ والجائزَ والحرامُ فيكون المعنى بكونه مشروعًا أحد أقسامِ المشروع الثّلاثة المتقدّمة وهو المسنون، وقد كنّا نقول بأنّ غيره

"چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت میں لفظِ طلاق پر تعریف کا الف ولام داخل ہے اور لوگوں سے اس لام تعریف کی تفسیر میں چار مختلف اقوال منقول ہیں۔ پہلا قول۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق مشروع دو بار ہے۔ تو جو طلاق اس طریق پر نہ ہو وہ غیر مشروع ہے۔ یہ قول حجاج بن ارطاۃ سے مروی ہے۔ اور روافض کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں تو جو طلاق اس سے مختلف طریقہ پر ہو وہ مشروع نہیں ہے۔ دوسرا قول:۔ وہ طلاق جس میں رجعت کی گنجائش ہے، دو بار ہے۔ یہ اس لئے کہ جاہلیت میں لوگ طلاق دیتے اور رجوع کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ رجوع صرف دو طلاقوں میں ہے۔ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔ تیسرا قول:۔ آیت کے معنی ہیں، طلاقِ مسنون دو بار ہے، یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ چوتھا قول:۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاقِ جائز دو بار ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ تو جن لوگوں نے یہ کہا کہ آیت کے معنی ہیں طلاقِ مشروع۔ انہوں نے صحیح کہا۔ لیکن شرع فرض، سنت، جائز اور حرام سب پر مشتمل ہے۔ تو یہاں اس کے مشروع ہونے کے معنی شروع کے تین اقسام مشروع۔ فرض، سنت اور جائز، ہیں۔ اور یہی مسنون ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے ماسوا طلاق مشروع نہیں ہے اگر

لیس بشروع لولا تظاهر الأخبار والآثار و | اخبار، آثار اور اُمّت کے اجماع کا اس پر اتفاق نہ ہوتا
انعقاد الإجماع من الأمة بأن من طلق | کہ جس نے دو یا تین طلاقیں دیں وہ اُس کے لئے
طلقتین أو ثلاثاً أن ذلك لازم له۔ | لازم (واقع) ہو جائیں گی۔

گویا امام ابوبکر بن عربیؒ نے تسلیم کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ احادیث، آثارِ صحابہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ قرآنِ مجید کا رُخ تو اس کے خلاف ہی ہے۔

علامہ محمود آلوسی حنفیؒ "روح المعانی" میں اس آیت کے تحت تین قول لکھتے ہیں۔

پہلے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

وهذا يدل على أن معنى "مَرَّتَانِ" اثنتان، وهذا هو الذي حمل عليه الشافعية الآية ولعله أليق بالنظم۔ | "اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرّتان کے معنی اثنتان (دو) کے ہیں۔۔ اور شوافع نے آیت کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے اور شاید یہ بات نظمِ آیات کے زیادہ مطابق ہے۔"

دوسرے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

وحملوا الآية على أن المراد التطليق الشرعي تطليقة بعد تطليقة على التفريق لما أن وظيفة الشارع بيان الأمور الشرعية، واللام ليست نصاً في العهد بل الظاهر منها الجنس وأيضاً تقييد الطلاق بالرجعي يدعي ذكر الرجعة بقوله سبحانه "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ" تكراراً۔ وأيضاً لا يعلم على ذلك الوجه حكم الطلاق الواحد إلا بدلالة النص۔ وهذا الوجه مع كونه أبعد عن توهم التكرار ودلالته على حكم الطلاق الواحد | "اور انہوں نے آیت کو اس مفہوم پر محمول کیا کہ شرعی طلاق، طلاق کے بعد طلاق ہے تفریق کے ساتھ۔۔۔ اس لئے کہ شارع کا کام یہ ہے کہ وہ اُمورِ شرعیہ کو بیان کرے۔ اور یہ بات صریح نہیں ہے یہاں لام تعریف عہد کے لئے ہے بلکہ بظاہر وہ جنس ہی کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کے ساتھ رجعی کی قید لگا دی جائے تو "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ" کے الفاظ کے ساتھ رجعت کے تذکرہ سے تکرار لازم آئے گی۔۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یہ مفہوم لینے کی صورت میں ایک طلاق کا حکم نہیں معلوم ہوگا مگر دلالۃ النص سے۔ لیکن (طلاقِ رجعی کے بجائے) طلاقِ شرعی لینے کی صورت میں آیت تکرار کے واہمہ سے دور ہوگی، اور ایک طلاق کا حکم

بالعبارة يفيد حكما زائدا وهو التفريق	عبارۃ النص سے معلوم ہوگا اور اس سے ایک مزید حکم معلوم
ودلالة الآية حينئذٍ على ما ذهبوا إليه	ہوگا یعنی یہ کہ طلاق الگ الگ دی جائے بہرحال ان اصحاب نے
ظاهرة إذا كان معنى مرتين مجرد التكرير	جو کچھ مراد لیا ہے اس پر آیت کی دلالت ظاہر و باہر ہے بشرطیکہ
دون التثنية على حد "ثم ارجع البصر	"مرتین" سے تکرار کا مفہوم لیا جائے تثنیہ مراد نہ لیا جائے جیسے آیت
كرتين" أى كرة بعد كرة لا كرتين	ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ میں كَرَّتَيْنِ کے معنی كرة بعد كرة
ثنتين إلا أنه يلزم منه إخراج التثنية	(بار بار) کے ہیں نہ کہ دو بار کے۔ لیکن اس صورت میں تثنیہ کو
عن معناها الظاهر، وكذا إخراج الفاء	اس کے ظاہری مفہوم سے نکالنا ہوگا اور اسی طرح "فاء" کو
أيضا وجعل ما بعدها حكما مبتدأ و	بھی اور اس کے مابعد کو ایک نیا حکم ماننا ہوگا یعنی طلاق
تخييرا مطلقا عقيب تعليمهم كيفية	کی کیفیت کی تعلیم کے بعد مطلق اختیار دیا گیا ہے کہ (رجعت
التطليق وليس مرتبا على الأول ضرورة	کی جائے یا چھوڑ دیا جائے) اور یہ حکم پہلے حکم پر مترتب نہیں ہے کیونکہ
أن التفريق المطلق لا يترتب عليه	مطلق تفریق پر (بعض اوقات) دونوں میں سے کوئی ایک امر
أحد الأمرين لأنه إذا كان بالثلاث	مترتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ تین طلاق کے بعد تفریق کی صورت میں
لا يجوز بعده الإمساك ولا التسريح	اس کے بعد روکنا جائز نہیں ہے اور نہ (مزید) چھوڑنا ہے۔
وتحمل الفاء حينئذٍ على الترتيب الذكرى	اور اس صورت میں "فاء" کو ذکری ترتیب پر محمول کرنا ہوگا یعنی
أى إذا علمتم كيفية الطلاق فاعلموا أن	جب تم نے طلاق کی کیفیت جان لی تو جان لو کہ اس کا حکم
حكمه الإمساك أو التسريح، فالإمساك	روک لینا ہے یا چھوڑ دینا ہے۔ روک لینا رجعی طلاق کی
فى الرجعى والتسريح فى غيره۔	صورت میں اور چھوڑ دینا غیر رجعی کی صورت میں ؎

لیکن اس قول کو اختیار کرنے کی صورت میں "فَإِنْ طَلَّقَهَا" کا ربط کہاں سے ہوگا اور جب "مَرَّتَانِ" میں تثنیہ کا مفہوم ہے ہی نہیں تو "فَإِنْ طَلَّقَهَا" سے یہ مفہوم کیسے نکل آئے گا کہ تیسری بار طلاق کے بعد عورت حلال نہیں رہتی۔

تیسرے قول کا، جسے وہ راجح قرار دیتے ہیں، ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وإذا كان معنى مرتين، التفريق مع	"اور مرتین" کے معنی تفریق مع تثنیہ کے ہیں جیسا کہ
التثنية كما قال به المحققون بناءً	محققین نے کہا ہے اس وجہ سے کہ یہ لفظ

على أنّه حقيقةٌ في الثاني ظاهرٌ في الأوّل
إذ لا يقال لمن دفع إلى آخر درهمين
مرّةً واحدةً أنّه أعطاه مرّتين حتّى
يفرّق بينهما، وكذا لمن طلّق زوجته
ثنتين دفعةً أنّه طلّق مرّتين، إندفع
حديث ارتكاب خلاف الظاهر في التثنية
كما هو ظاهرٌ، وفي ما بعدها أيضًا
لصحّة الترتّب، ويكون عدم جواز
الجمع بين التطليقتين مستفادًا من "مرّتان"
الدالّة على التفريق والتثنية وعدم
جواز الجمع بين الثالثة مستفادًا من
قوله سبحانه "أو تسريح" حيث رتّب
على ما قبله بالفاء، قيل إنّه مستفاد
من دلالة النصّ ۔

حقیقت ہے دوسرے معنی میں، ظاہر ہے پہلے معنی میں۔
کیونکہ جو شخص کسی کو ایک بار میں دو درہم دے اُس کے
بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے اسے دو بار دیا ہے
جب تک الگ الگ دو دفعہ نہ دے۔ اسی طرح جو شخص
اپنی بیوی کو ایک بار میں دو طلاق دے اس کے بارے میں یہ نہیں
کہا جا سکتا کہ اُس نے دو بار طلاق دی۔ اس صورت میں یہ اعتراض
ختم ہو جائے گا کہ اس مفہوم کے لینے میں تثنیہ کے ظاہری معنی کے
خلاف کا ارتکاب کیا گیا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور اس کے بعد کے
سلسلہ میں بھی اعتراض ختم ہو جائے گا، کیونکہ بعد کے احکام صحیح طور پر اس پر
مرتب ہو سکیں گے۔ اور دو طلاقوں کو جمع کرنے کا عدم جواز "مرتان"
سے مستفاد ہوگا جو تفریق اور تثنیہ دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور تین طلاقوں
کو جمع کرنے کا عدم جواز "او تسریح" سے مستفاد ہوگا، کیونکہ یہ
ماقبل پر فاء کے ساتھ مرتب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ
دلالۃ النص سے مستفاد ہے۔

اِس کے بعد علامہ آلوسیؒ ایک مجلس میں تین طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثمّ من أوجب التفريق ذهب إلى أنّه
لو طلّق غير مفرّق وقع طلاقه وكان
عاصيًا وخالف ذالك الإمامية وبعض
من أهل السنّة كالشيخ أحمد بن تيمية و
من اتّبعه قالوا لو طلّق ثلاثًا بلفظٍ واحدٍ
لا يقع إلّا واحدةٌ احتجاجًا بهذه الآية و
قياسًا على شهادات اللعان ورمي
الجمرات فإنّه لو أتى بالأربع بلفظٍ واحدٍ

"پھر جو لوگ الگ الگ طلاق دینے کو واجب قرار دیتے ہیں
اُن کی رائے یہ ہے کہ اگر اُس نے تفریق کے بغیر تینوں طلاقیں
دے دیں تو سب واقع ہو جائیں گی، مگر وہ گنہگار ہوگا۔ شیعہ اور
بعض اہلِ سنت مثلاً شیخ احمد بن تیمیہ اور اُن کی پیروی کرنے
والوں نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ
اگر ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں تو صرف ایک طلاق واقع
ہوگی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے
اور لعان کی شہادتوں اور رمی جمرات پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ اگر

لا تعدّ لہٗ أربعًا بالإجماع كذا لو رمى بسبع حصيات دفعةً واحدةً لم يجزه إجماعًا ومثل ذالك لو حلف ليصلين على النبي صلى الله عليه وسلم ألف مرة فإنه لا يكون بارًّا ما لم يأت بإحاد الألف۔	لعان میں ایک ہی لفظ سے چار گواہیاں دے تو اس پر اجماع ہے کہ وہ چار شمار نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر اس نے سات کنکریاں ایک ہی بار میں پھینکیں تو اس پر اجماع ہے کہ وہ کافی نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر اس نے قسم کھائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار بار درود بھیجے گا تو جب تک وہ ہزار بار درود نہ بھیجے اُس کی قسم پوری نہ ہوگی۔

آگے علامہ آلوسیؒ نے اُن احادیث کو نقل کیا ہے جن سے ایک مجلس میں تین طلاق کے ایک ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

والجواب عن الإحتجاج بالآية أنها كما علمت ليست نصًّا في المقصود۔	"اور آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ تم کو معلوم ہے، یہ اِس مفہوم میں صریح نہیں ہے۔"

لیکن اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ آیت اس کے مخالف مسلک کے لئے بھی صریح نہیں ہے، بلکہ جہاں تک آیت سے استنباط کا تعلق ہے، آیت کا وزن اُن لوگوں کے حق میں پڑتا نظر آتا ہے جو ایک مجلس میں تین طلاق کے بعد عورت کو حرام قرار نہیں دیتے کیونکہ جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے کہا ہے ــ اور امام ابوبکر جصاصؒ نے بھی یہی بات کہی ہے ــ محققین کی تشریح کے مطابق ایک بار میں تین طلاق، تین بار طلاق نہیں ہوتی، اور قرآن مجید میں عورت کے حرام ہونے کا حکم تین بار طلاق دینے پر دیا گیا ہے، نہ کہ ایک بار میں تین طلاق پر۔

علامہ آلوسیؒ نے لعان کی شہادتوں، رمی جمرات اور صلوٰۃ علی النبی کی مثالوں کا جواب بھی دیا ہے، مگر اِن مثالوں کا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز علامہ کے جواب میں کوئی جان بھی نہیں ہے، اِس لئے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

یہ ہیں ان آیات سے متعلق اہم مفسرین کی تصریحات! دوسرے حنفی مفسرین نے بھی عام طور سے یہی کہا ہے کہ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کا مفہوم الگ الگ دو بار طلاق ہے نہ کہ یکجا دو طلاق۔

اِن تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت میں اِس بات کی صراحت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ ہاں، آیت سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ایک استنباط یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کو تین بار طلاق پر قیاس کیا جائے اور عورت کی حُرمت کے حق میں فتویٰ دیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ چونکہ طلاق تین بار نہیں دی گئی ہے اس لئے آیت کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا اور حقِ رجعت باقی رہتا ہے۔ یہ رائے آیت کے مفہوم سے، خصوصاً جس طرح اس کی تشریح علامہ زمخشریؒ اور حنفی محققین نے کی ہے، زیادہ قریب اور زیادہ صحیح محسوس ہوتی ہے۔

بہرحال یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن مجید کی آیات ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بارے میں خاموش ہیں۔ ہاں، احادیث سے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے آئیے احادیث کی طرف رجوع کریں۔

احادیث

جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے، اُن میں سے نسبتاً قوی روایات حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ عن الحسن قال حدثنا عبد اللہ بن عمرؓ أنہ طلق امرأتہ تطلیقۃ و ھی حائض ثم أراد أن یتبعھا بتطلیقتین عند القرئین فبلغ ذالك رسول اللہ فقال یا ابن عمر ما ھکذا أمرك اللہ إنك أخطأت السنۃ والسنۃ أن تستقبل الطھر فتطلق لکل قرء وقال فأمرنی رسول اللہ فراجعتھا

حسن سے مروی ہے کہ ہم سے عبد اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی پھر ارادہ کیا کہ دو حیضوں کے وقت انہیں دو طلاقیں اور دیں اس بات کی خبر رسول اللہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ، اے ابنِ عمرؓ! اللہ نے تمہیں اس طرح حکم نہیں دیا تھا۔ تم نے سنّت کی خلاف ورزی کی۔ سنّت یہ ہے کہ تم طُہر کا انتظار کرو اور ہر طُہر میں ایک طلاق دو تو مجھے رسول اللہ نے حکم دیا اور میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا

ثم قال إذا هي طهرت فطلق عند ذالك أو أمسك فقلت يا رسول الله لو كنت طلقتها ثلاثاً أكان لي أن أراجعها قال لا كانت تبين وتكون معصية۔

پھر آپ نے فرمایا جب وہ پاک ہو جائے تو اُس وقت طلاق دو یا روک لو۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر میں اسے تین طلاق دے دیتا تو کیا میں اُس سے رُجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا، نہیں وہ جدا ہو جاتی اور گناہ ہوتا۔"

(بیہقی، دارقطنی، طبرانی)

اِس حدیث کے آخری ٹکڑے سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ ٹکڑا اس مفہوم میں صریح نہیں ہے۔ طلّقتُھا ثلاثاً کا مفہوم تین بار طلاق بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض دوسری احادیث کی روایات میں یہی مفہوم ہے۔ پوری حدیث کو سامنے رکھ کر جو مفہوم نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر حالتِ حیض میں ایک یا دو طلاق دی جائے تو رجوع کا حق باقی رہتا ہے، لیکن اگر تین بار طلاق دے دی جائے تو حقِ رجعت باقی نہیں رہتا البتّہ حالتِ حیض میں طلاق دینے کا گناہ باقی رہے گا۔

بہر حال اِس ٹکڑے کے مُجمل الفاظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے، لیکن یہی آخری ٹکڑا جس پر استدلال کا دار و مدار ہے، سب روایتوں میں نہیں ہے۔ بیہقی نے اِس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس ٹکڑے کے راوی صرف شعیب ہیں اور ان کے سلسلہ میں محدّثین نے کلام کیا ہے۔ یہی نہیں تفسیر قرطبی میں اس کے برعکس یہ روایت موجود ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔ (تفسیر قرطبی جلد سوم صہ ۱۲۹)

پھر رُزیق بن شعیب یا شعیب بن رُزیق کے علاوہ جنہیں محدّثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کی سند میں عطاء خراسانی بھی ہیں جنہیں امام بخاریؒ، شعبہؒ اور ابن حبانؒ نے ضعیف قرار دیا ہے اور سعید بن مسیبؒ نے انہیں جھوٹا بتایا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت اس طرح آئی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر أنہ طلق امرأتہ وھی حائض علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطہر ثم تحیض ثم تطہر ثم إن شاء أمسك بعد و إن شاء طلق قبل أن یمس فتلك العدۃ التی أمر اللہ أن تطلق لھا النساء۔

"عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں۔ تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس سلسلہ میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، انہیں حکم دو وہ رجوع کرلیں، پھر اسے روکے رکھیں یہاں تک کہ پاک ہو جائے، پھر حائضہ ہو، پھر پاک ہو جائے، پھر اگر چاہیں تو روک لیں اور چاہیں تو ہم بستر ہونے سے پہلے طلاق دے دیں تو یہ ہے وہ عدت جس کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے وقت طلاق دی جائے۔"

(بخاری، کتاب الطلاق)

اِس روایت میں مزید ایک طُہر کے انتظار کا ارشاد اِس لئے ہے کہ طلاق کا فیصلہ ٹل جائے یا حالتِ حیض میں طلاق دینے کی سزا کے طور پر ہے۔ بہر حال اِس روایت میں وہ آخری ٹکڑا نہیں ہے جس سے استدلال کیا گیا تھا۔ البتہ صحیح مسلم میں اِس کے بعد اِتنا اور ہے۔

وزاد ابن رُمح فی روایتہ وکان عبد اللہ إذا سُئل عن ذالك قال لأحدھم إن طلقت امرأتك مرۃ أو مرتین فإن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرنی بھذا وإن کنت طلقتھا ثلاثاً فقد حرمت علیك حتی تنکح زوجاً غیرك و عصیت اللہ فیما أمرك من طلاق امرأتك

"اور ابن رمحؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ اور کیا ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ سے جب اِس سلسلہ میں سوال کیا جاتا تو وہ سائل سے فرماتے، اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بار طلاق دی ہے تو یہ وہ صورت ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس (رجعت) کا حکم دیا ہے لیکن اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو تم پر بیوی حرام ہو گئی جب تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے اور تم نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں اللہ کی نافرمانی کی۔"

صحیح مُسلمؒ کی ایک روایت میں مرّۃً اور مرّتَینْ کے بجائے وَاحِدَۃً اور ثِنْتَیْنِ بھی ہے۔ صحیح مسلمؒ کی یہ روایت صحیح بخاریؒ میں بھی ہے۔ لیکن اِس اضافہ میں عبد اللہ بن عمرؓ کا

اپنا فتویٰ ہے، نہ کہ حدیث رسول۔ پھر یہ ٹکڑا بھی ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے لئے صریح نہیں ہے۔ طَلَّقَہَا ثَلَاثًا سے تین بار طلاق مُراد ہو سکتی ہے اور عَصَیْتَ اللّٰہَ کا تعلق حالتِ حیض میں طلاق دینے سے ہو سکتا ہے اور اسی صورت میں یہ ٹکڑا اوپر سے صحیح طور پر جُڑتا ہے۔

۲۔ عن سہل بن سعدٍ أنّ عُوَیمرا العجلانی بعد أن لاعن زوجتہٗ أمام رسول اللّٰہ قال کذبتُ علیہا یا رسول اللّٰہ إن أمسکتُہا فطلّقہا ثلاثًا قبل أن یأمرہٗ رسولُ اللّٰہِ

• سہل بن سعد سے مروی ہے کہ عُویمر عجلانی نے رسول اللہ کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کرنے کے بعد کہا، اگر میں نے اسے روکے رکھا تو اس پر، اے اللہ کے رسول! جھوٹ باندھا۔ تو رسول اللہ کے حکم دینے سے قبل انہوں نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

یہ حدیث صحیح بخاری اور دوسری مُستند کُتبِ احادیث میں ہے اور سب میں یہ بات مشترک ہے کہ عُویمر عجلانی نے لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں اور کسی روایت میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ آپ نے عُویمر عجلانی پر اس سلسلہ میں کوئی تنقید کی ہو۔

لیکن اس روایت سے مسئلۂ زیرِ بحث پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ عویمر عجلانی کی بیوی لعان کے بعد اُن کے پاس رہ نہ سکتی تھی، دونوں میں جُدائی مقدّر تھی[1]۔ اس لئے طلاق ایک ہو یا تین، سب بے ضرورت تھیں۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عویمر عجلانی کو ٹوکا کیوں نہیں تو علّامہ سرخسیؒ نے مبسوط میں اس کے دو جواب دیئے ہیں:۔

إنّما ترک الإنکار علی العجلانی فی الوقت شفقۃً علیہ لعلمہٖ أنّہٗ بشدّۃ الغضب ربما لا یقبل قولہٗ فیکفر فأخّر الإنکار إلی وقتٍ آخر و أنکر علیہ فی قولہٖ فلا سبیلَ

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وقت عویمر عجلانی کو ٹوکا نہیں، یہ بات شفقت کی بنا پر تھی، کیونکہ شدّتِ غضب کی بنا پر وہ آپ کی بات شاید قبول نہ کر پاتے اور کافر ہو جاتے۔ اس لئے حضور نے دوسرے (مناسب) وقت کے لئے ٹوکنے کو مؤخر

---

[1] فقہاء کے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ تفرقہ کے لئے لعان کافی ہے یا قضائے قاضی کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ لعان کے بعد طلاق کی ضرورت نہیں ہے۔ لعان کے نتیجہ میں قضائے قاضی سے یا اس کے بغیر دونوں جدا ہو جائیں گے۔

لك عليها أو كراهة إيقاع الثلاث	کردیا اور اتنا فرمادیا کہ تجھے اس پر (اب) کوئی اختیار نہیں ہے۔
لما فيه من سد باب التلافي من غير	یا یہ بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لئے مکروہ ہے
حاجة وذالك غير موجود في حق العجلاني	کہ تلافی کا دروازہ بلاضرورت بند ہوتا ہے اور عجلانی کے کیس
لأن باب التلافي بين المتلاعنين منسد	میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ کیونکہ لعان کرنے والے
ماداما مصرين على اللعان والعجلاني	جب لعان پر مُصر ہوں تو تلافی کا دروازہ بند ہوتا ہے اور
كان مصراً على اللعان۔	عجلانی لعان پر مُصر تھے "۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی "فیض الباری" میں اس حدیث پر بحث کی ہے اور علامہ سرخسیؒ کے جوابات کے علاوہ اور بھی جواب دیئے ہیں۔ اُن کا پہلا جواب یہ ہے :۔

أولاً فإن التطابق بين الحكاية والمحكي	"پہلا جواب یہ ہے کہ صورتِ واقعہ اور اس کے بیان کے
عنه في الصفة ليس بضروري يمكن	درمیان صفتِ واقعہ میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔ یہ ہو
أن طلقها في الخارج متفرقاً وعبر	سکتا ہے کہ عجلانی نے تینوں طلاقیں الگ الگ دی ہوں اور
عنه الراوي ثلاثاً أخذاً بالحاصل	راوی نے بطور حاصل کے انہیں تین کہہ دیا ہو، اور
ولا بعد فيه۔	اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔

علامہ انور شاہؒ کے اس جواب سے بہت سی متعلقہ احادیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

ان جوابات ۔ سے قطعِ نظر حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے، کہ وہ اس مسئلہ میں حجت بن سکے۔ صرف تین طلاق دینے کا ذکر ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ عویمر عجلانی اور اُن کی بیوی کے درمیان تفریق لعان کی بنیاد پر ہوئی، نہ کہ طلاق کی بنیاد پر۔ یہ حدیث اگر حجت بن سکتی ہے تو صرف اس امر کی کہ ایک مجلس میں تین طلاق غیر مشروع اور بدعت نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ جمہور اس کے برعکس ایک مجلس میں تین طلاق کو غیر مشروع اور بدعت قرار دیتے ہیں، اور علامہ سرخسیؒ اور علامہ انور شاہؒ نے انہی کی طرف سے جوابات دیئے ہیں۔

۳۔ عن محمود بن لبید قال أخبر رسول اللہ عن رجل طلّق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعًا فقام غضبان ثمّ قال أیلعب بکتاب اللہ وأنا بین أظھرکم حتیٰ قام رجل فقال یارسول اللہ ألا أقتلہ وفی بعض الروایات وأمضاہ علیہ ولم یردّہ۔

" محمود بن لبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو آپ غصّہ میں کھڑے ہو گئے پھر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب سے کھیل کیا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں اُسے قتل نہ کر دوں؟ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے (تینوں) طلاق جاری کر دیں، انہیں لوٹایا نہیں "

لیکن بعض روایات کا یہی ٹکڑا، جو محلِ استدلال ہے ثابت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں محمود بن لبید عہدِ نبوی میں پیدا ضرور ہوئے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کا سماع ثابت نہیں ہے۔

۴۔ عن عُبادۃ بن الصامت قال طلّق جدّی امرأۃً لہٗ ألف تطلیقات فانطلق إلی رسول اللہ فذکر لہٗ ذالک فقال النبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ما اتّقی اللہ جدّک أمّا ثلاث فلہٗ وأمّا تسع مائۃ وسبع وتسعون فعدوانٌ وظلم إن شاء اللہ عذّبہٗ وإن شاء غفر لہٗ۔

" عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت سے مروی ہے کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں تو وہ حضور کے پاس آئے اور انہوں نے (دادا کے) اس فعل کا ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تمہارے دادا نے خدا کا تقویٰ اختیار نہیں کیا، تین طلاقوں کا تو انہیں حق تھا، باقی رہیں نو سو ستانوے، تو وہ ظلم و عُدوان ہیں۔ اللہ چاہے گا تو عذاب دے گا اور چاہے گا تو معاف فرما دے گا "

(مُصنّف عبدالرزاق)

لیکن یہ روایت سنداً بے حد ضعیف ہے، اِس کے کچھ راوی ضعیف ہیں اور کچھ مجہول۔ پھر یہ روایت درایۃً بھی غلط ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کے والد کے اسلام پانے کے بارے میں بھی کوئی روایت موجود نہیں ہے، چہ جائیکہ اُن کے دادا نے اسلام پایا ہو اور حالتِ اسلام میں طلاق دی ہو۔

۵۔ عن فاطمۃ بنت قیس قالت طلّقنی

فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے

زوجی ثلاثاً فلم یجعل لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُکنیٰ ولا نفقۃ۔ (مسلم)
تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے (شوہر کے ذمہ) نہ جائے رہائش رکھی اور نہ نفقہ۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ بائنہ پڑ جاتی ہے، کیونکہ طلاقِ رجعی پڑتی تو بہ اتفاق وہ نفقہ کی مستحق ہوتیں۔ لیکن جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو قبول نہیں کیا اور حضرت عمرؓ نے اس روایت کو سُن کر فرمایا:۔

لا نترك کتاب اللہ وسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لقول امرأۃ لا ندری لعلھا حفظت أو نسیت۔ لھا السکنیٰ والنفقۃ قال اللہ عزوجل، لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ (صحیح مسلم)

"ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس عورت کو (صحیح بات) یاد رہی یا وہ بھول گئی۔ مطلقہ کو جائے رہائش اور نفقہ دونوں ملیں گے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا لا تخرجوھن الآیۃ (انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلا ہوا بے حیائی کا کام کریں۔)"

یوں بھی اِس حدیث سے مسئلۂ زیرِ بحث میں استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ثَلَاثاً کا لفظ اِس مفہوم میں صریح نہیں ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں جبکہ اس حدیث کی دوسری روایات میں اِس کی صراحت موجود ہے کہ یہ تین طلاقیں مختلف اوقات میں دی تھیں:۔

عَنِ ابن شھاب أن أبا سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف أخبرہ أن فاطمۃ بنت قیس أخبرتہ أنھا کانت تحت عمرو بن حفص بن المغیرۃ فطلقھا آخر ثلاث تطلیقات۔ (مسلم)

"ابن شہاب سے مروی ہے کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے انہیں بتایا کہ فاطمہ بنت قیس نے انہیں بتایا کہ وہ عمرو بن حفص بن مغیرہ کی زوجیت میں تھیں تو انہوں نے تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی۔"

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے:۔

عن الزهریؒ عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ أن أبا عمرو بن حفص بن المغیرۃ خرج مع علی بن أبی طالب إلی الیمن فأرسل إلی امرأتہ فاطمۃ بنت قیس بتطلیقۃ کانت بقیت من طلاقھا۔

"زہری سے مروی ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ حضرت علیؓ کے ساتھ یمن کی طرف جانے لگے تو انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو وہ طلاق (لکھ کر) بھیجی جو اُن کی طلاقوں میں سے بچ گئی تھی۔"

امام ابن قیمؒ "زاد المعاد" میں اس حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

ألحدیث جاء بخمسۃ ألفاظ، طلقھا ثلاثاً، طلقھا البتۃ، طلقھا آخر ثلاث تطلیقات، أرسل إلیھا بتطلیقۃ کانت بقیت لھا، وطلقھا ثلاثاً جمیعاً۔

"حدیث پانچ طرح کے الفاظ سے آئی ہے۔ طلقھا ثلاثاً، طلقھا البتۃ، طلقھا آخر ثلاث تطلیقات، کأرسل إلیھا بتطلیقۃ کانت بقیت لھا اور طلقھا ثلاثاً جمیعاً۔"

اِن میں سے آخری الفاظ وطلقھا ثلاثاً جمیعاً تو اِس مفہوم میں صریح ہیں کہ تین طلاقیں بیک وقت دیں۔ مگر اِن الفاظ کو شعبیؒ سے صرف خالد نے نقل کیا ہے، طلقھا ثلاثاً کے الفاظ مجمل ہیں اور طلقھا البتۃ اور بتّ طلاقی کے اور بھی مجمل۔ اور طلقھا آخر ثلاث تطلیقات اور أرسل إلیھا بتطلیقۃ کانت بقیت لھا کے الفاظ صریح ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہیں دی تھیں۔ اب یا تو اِس حدیث کو مضطرب مانئے اور اس صورت میں اس سے استدلال ساقط ہوتا ہے، ورنہ صحیح ترین روایت اور اکثر راویوں کی روایت کی رُو سے اِس کا مسئلۂ زیرِ بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے، تین بار میں تین طلاقیں دینے سے ہے۔

۶۔ عن ابن شھاب قال أخبرنی عروۃ بن الزبیر أن عائشۃ أخبرتہ أن امرأۃ رفاعۃ القرظی جاءت إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ إن رفاعۃ طلقنی فبتّ طلاقی وإنی نکحت بعدہ

"ابن شہاب سے مروی ہے، انہوں نے کہا، مجھے عروہ بن زبیر نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! رفاعہ نے مجھے طلاقِ بتّہ دی اور میں نے ان کے بعد عبد الرحمٰن بن زبیر قرظی سے

عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی و إنما معہ مثل الھُدبۃ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلکِ تریدین أن ترجعی إلی رفاعۃ۔ لا حتیٰ یذوقَ عُسیلتکِ وتذوقی عُسیلتہ"۔ (بخاری)

نکاح کیا اور اُن کے پاس پلّو کی طرح (عضو) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تم چاہتی ہو کہ رفاعہ کے پاس لوٹ کر چلی جاؤ۔ نہیں، جب تک کہ وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لیں اور تم اُن کا مزہ نہ چکھ لو"۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی تھی، جسے تین طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں رفاعہ کی بیوی اُن پر حرام ہوگئی۔ حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" میں اس استدلال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واستُدلّ بقولہا "بتّ طلاقی" علی أنّ البتۃ ثلاثُ تطلیقات، وھو عجیبٌ ممّن استدلّ بہ فإنّ البتۃ بمعنی القطع والمراد بہ قطع العصمۃ، وھو أعمّ من أن یکون بالثلاث مجموعۃً أو بوقوع الثالثۃ التی ھی آخر ثلاث تطلیقاتٍ۔ وسیأتی فی اللباس صریحاً أنہ طلّقہا آخر ثلاث تطلیقاتٍ فبطل الإحتجاج۔

(فتح الباری۔ جلد ۹ صفحہ ۳۶۸)

"اور رفاعہؓ کی بیوی کے قول "بتّ طَلَاقِیْ" سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ "بتہ" تین طلاق ہیں۔ جس شخص نے بھی یہ استدلال کیا ہے اُس کا استدلال عجیب ہے۔ کیونکہ بتّ کے معنی قطع کے ہیں اور اس سے مراد قطعِ عصمت ہے اور وہ عام ہے اس بات سے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا تیسری طلاق، جو تین طلاقوں میں سے آخری ہو، واقع ہو۔ اور لباس کے باب میں صراحتہً یہ بات آئے گی کہ رفاعہ نے اپنی بیوی کو آخری تیسری طلاق دی تھی، تو اس سے استدلال ختم ہوگیا"۔

حافظ ابن حجرؒ نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صحیح بخاری کتاب الادب میں اس طرح ہے:۔

عن عائشۃ أنّ رفاعۃ القرظی طلّق امرأتہ فبتّ طلاقہا فتزوّجہا بعدہٗ عبد الرحمٰن بن الزبیر فجاءت النبیّ فقالت یا رسول اللہ إنّہا کانت عند

"حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رفاعہ قرظیؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور طلاقِ بتہ دی تو عبد الرحمٰن بن زبیرؓ نے رفاعہ کے بعد ان سے نکاح کر لیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اُس نے کہا، اے اللہ کے رسول! وہ

رفاعة فطلقها آخر ثلاث تطليقات فتزوجها بعدہ عبدالرحمٰن بن الزبیر۔ (الحدیث)

رفاعہ کے پاس تھی تو رفاعہ نے اسے تین طلاق میں آخری طلاق دی تو اس سے عبدالرحمٰن بن زبیر نے اس کے بعد نکاح کر لیا۔

اس روایت میں پہلے، فبتّ طلاقها، (طلاقِ بتہ دی) کہا۔ پھر اس کی تشریح فطلقها آخر ثلاث تطلیقاتٍ (تو اسے آخری تیسری طلاق دے دی) سے کر دی۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مسئلہ زیرِ بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں سب سے زیادہ صاف و صریح حدیث، حدیثِ رکانہؓ ہے جسے ابوداؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے نقل کیا ہے، اور وہ اس طرح ہے:۔

عن رُكانة أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما أردت، قال واحدةً، قال آلله، قال آلله، قال هو على ما أردتَ

"رکانہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پوچھا، تمہاری نیت کیا تھی؟ کہا، ایک کی۔ فرمایا، بخدا؟ کہا بخدا! فرمایا، تو جیسی تمہاری نیت تھی ویسی ہی طلاق ہو گی۔

وقال أبوداؤد وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً، لأنهم أهل بيته وهم أعلم به وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباسٍ۔

ابوداؤد نے کہا، یہ حدیث، ابن جریج کی اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ کیونکہ یہ لوگ رکانہ کے گھر والے ہیں اور وہ ان کا حال زیادہ جانتے ہیں، اور ابن جریج کی حدیث کو بعض بنی رافع نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے۔"

حدیثِ ابنِ جریج جس کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے، ابوداؤد ہی میں اس طرح نقل کی گئی ہے:۔

عن ابن عباسٍ قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأةً من مزينة فجاءت النبي فقالت ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة الشعرةَ أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينهٗ

"ابنِ عباس سے مروی ہے کہ رکانہؓ اور اُن کے بھائیوں کے باپ عبد یزیدؓ نے رکانہؓ کی ماں کو طلاق دے دی اور مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ تو وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا وہ میرے ذرا بھی کام نہیں آتا، مگر اتنا ہی جتنا یہ بال اس بال کے اور اس نے اپنے سر کا ایک بال پکڑا۔ تو آپ مجھ میں اور

قال النبي (صلی اللہ علیہ وسلم) لعبد یزید طلّقها	اس میں جدائی کرا دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید سے کہا، اسے
ففعل فقال راجع امرأتك أم ركانة و	طلاق دے دو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کہا، اپنی بیوی رکانہ
إخوته وقال إنّي طلّقتها ثلاثاً	اور اُس کے بھائیوں کی ماں سے رجوع کرلو۔ انہوں نے کہا، میں نے اسے
يارسول الله. قال قد علمتُ راجعها	ایک وقت تین طلاقیں دی ہیں فرمایا، مجھے معلوم ہے۔ تم اس سے رجوع
وتلا، يا أيّها النّبيُّ إذا طلّقتم النّساء	کرلو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ یاأیّها النّبيُّ
فطلّقوهنّ لعدّتهنّ۔	إذا طلّقتم النّساء الآیۃ "

ابوداؤد نے طلاقِ بتّہ والی روایت کو طلاقِ ثلاث والی روایت سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ابوداؤد کی طلاقِ ثلاث والی روایت سنداً ضعیف ہے۔ لیکن اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، جیسا کہ ابوداؤد نے کہا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ رکانہ کے والد عبد یزیدؓ نے رکانہ کی ماں کو طلاق دی۔ درحقیقت اس روایت میں دوسرا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جو رکانہ اور اُن کی بیوی سے نہیں، رکانہ کے والد اور والدہ سے متعلق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونے کے حق میں صریح ہے۔ لیکن ابوداؤد کی یہ روایت فی الواقع صحیح نہیں ہے۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:-

إنّ أبا داؤد لم يحكم بصحّته وإنّما قال	" ابوداؤد نے اس حدیث کی صحت کا حکم نہیں لگایا، بلکہ اس کی
بعد روايته هذا أصحّ من حديث ابن	روایت کے بعد صرف یہ کہا کہ یہ ابن جریج کی اُس حدیث سے
جريج، أنّه طلّق امرأته ثلاثاً، وهذا	زیادہ صحیح ہے جس میں یہ ہے کہ اُس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں،
لايدلّ على أنّ هذا الحديث عنده	اور اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ حدیث اُن کے نزدیک
صحيح، فإنّ حديث ابن جريج ضعيف	صحیح ہے کیونکہ ابن جریج کی حدیث ضعیف ہے اور یہ حدیث
وهذا ضعيف أيضاً. فهو أصحّ الضّعيفين	بھی ضعیف ہے تو اُن کے نزدیک یہ دو ضعیف حدیثوں میں سے
عنده، وكثيراً ما يطلق أهل الحديث	صحیح تر ہے۔ اور بسا اوقات محدثین اس عبارت کا اطلاق اس
هذه العبارة على أرجح الحديثين الضعيفين	حدیث پر کرتے ہیں جو دو ضعیف حدیثوں میں سے زیادہ راجح ہو
وهو كثير من كلام المتقدّمين	اور متقدمین کے کلام میں ایسا بہت ہے۔ اور اگر یہ اُن کی

ولولم يكن اصطلاحاً لأنه لم تدل اللغة على إطلاق الصحة عليه- فإنك تقول لأحد المريضين هذا أصح من هذا، ولا يدل على أنه صحيح مطلقاً -

اصطلاح نہ ہوتی تو لغت میں صحت کا اطلاق اس طرح کے معاملہ پر نہ ہوتا۔ کیونکہ تم دو مریضوں میں سے ایک کے لئے یہ کہتے ہو کہ یہ اُس سے زیادہ صحت مند ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بالکل تندرست ہے "

یہ انہوں نے سُننِ ابوداؤدؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "إغاثۃ اللهفان" میں وہ فرماتے ہیں:۔

إن أبا داؤد إنما رجح حديث بتة على حديث ابن جريج لأنه روى حديث ابن جريج عن طريق فيها مجهول ولم يرو أبو داؤد الحديث الذي رواه احمد في مسنده من طريق محمد بن إسحق أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فلذا ارجح أبو داؤد حديث البتة ولم يتعرض بهذا الحديث ولا رواه في سننه- ولا ريب أنه أصح من الحديثين، وحديث ابن جريج شاهد له -

" ابوداؤد نے حدیث ابن جریج پر حدیث البتہ کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ انہوں نے ابن جریج کی حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں ایک مجہول راوی ہے، اور ابوداؤد نے اُس حدیث کو روایت نہیں کیا جسے احمد نے اپنی "مسند" میں محمد بن اسحٰق کی سند سے روایت کیا ہے کہ "رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں" اسی لئے ابوداؤد نے حدیث بتہ کو ترجیح دی اور اس حدیث سے تعرض نہیں کیا نہ اسے اپنی سُنن میں روایت کیا اور یقیناً مُسندِ احمد کی یہ روایت دونوں روایتوں سے زیادہ صحیح ہے اور ابن جریج کی حدیث اِس کی شاہد ہے "

امام ابن جوزیؒ نے "کتاب العلل" میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حدیث رکانہ لیس بشیئ (رکانہ کی حدیث کچھ بھی نہیں ہے)۔ خلالؒ نے کتاب العلل میں اثرمؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے رکانہ کی حدیث البتہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی۔ اسی طرح امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے حدیث بتہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا، وہ مضطرب ہے. کیونکہ اس میں کبھی ثلاثاً آتا ہے اور کبھی واحدۃً - حافظ منذریؒ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے. وہ امام بخاریؒ کے علاوہ امام احمدؒ کے حوالہ سے بھی فرماتے ہیں، إن طرقه ضعيفة - پھر اس حدیث

کی سند میں زبیر بن سعید ہاشمی بھی جنہیں بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔
مختصر یہ کہ ابوداؤد کی "البتۃ" والی روایت مضطرب بھی ہے اور ضعیف بھی، اس لئے وہ قابلِ استدلال نہیں۔ مسندِ احمد کی رکانہ والی حدیث جس میں طلاقِ بتّہ کے بجائے طلاقِ ثلاث کا ذکر ہے اور جو صحیح ہے، آگے آتی ہے۔

۷۔ عن علیؓ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً طلّق البتّۃ فغضب وقال تتخذون آیات اللہ ھزوًا ولعبًا، من طلّق البتّۃ ألزمناہ ثلاثًا لاتحلّ لہٗ حتّیٰ تنکح زوجًا غیرہٗ۔
(دارقطنی)

"حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتّہ دی تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا، تم اللہ کی آیات کا مذاق اور کھیل بناتے ہو۔ جو شخص بھی طلاقِ بتّہ دے گا، ہم اس پر تین طلاق لازم کردیں گے اور اس کی عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی جبتک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔"

لیکن اس روایت کے ایک راوی کے بارے میں دارقطنی خود فرماتے ہیں۔

إسمٰعیل بن ابی أمیۃ القرشی ضعیفٌ متروک الحدیث۔

"اسماعیل بن ابی امیہ قرشی ضعیف اور متروک الحدیث ہیں۔"

اِس سے پہلے وہ اس کے بارے میں لکھ چکے ہیں، ھٰذا یضع الحدیث (وہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا ہے) اِس روایت کے ایک اور راوی عثمان بن قطر کے بارے میں ابنِ معینؒ نے کہا، لایُکتب حدیثہٗ (اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی) ابنِ حبّان نے کہا، یروی الموضوعات عن الثّقات (ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے)۔

ایک اور راوی عبد الغفور کے بارے میں علّامہ محمّد طاہرؒ نے کہا، یضع الحدیث (حدیثیں گھڑتا ہے) اس روایت کے بارے میں امام ابنِ تیمیہؒ نے فرمایا، فی إسنادہٖ ضعفاء و مجاھیل (اس کی سند میں ضعیف اور مجہول راوی ہیں)۔

دارقطنی ہی کی ایک اور روایت ہے:۔

۸۔ أیّما رجلٍ طلّق امرأتہٗ ثلاثًا مبھمۃً أو ثلاثًا عند الأقراء لم تحلّ لہٗ حتّیٰ تنکح

"جس شخص نے اپنی بیوی کو تین مبہم طلاقیں دیں یا تین طلاقیں تین طہروں میں دیں اُس کے لئے وہ عورت حلال نہ ہوگی جبتک

زوجاً غیرہٗ — کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے ؏

لیکن اِس روایت کے ایک نہیں، متعدد راوی ضعیف ہیں۔

یہ ہے اُن روایات کا حال جنہیں اِس سلسلہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیتِ محکمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنّتِ ثابتہ اس بات کے حق میں موجود نہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ میری نظر میں وہ تمام کوششیں ہیں جن کے ذریعہ ان روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زور لگایا گیا ہے۔ مگر پوری دیانت داری اور غیر جانبداری سے ان پر غور کرنے سے رائے یہی بنتی ہے کہ ان میں سے کوئی روایت جرح اور ضُعف سے پاک نہیں ہے اور ان سے اتنا اہم حکم ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

اِجماع

احادیث کے بعد اِس مسئلہ میں اجماعِ اُمت سے استدلال کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونے پر اجماع منعقد ہوچکا ہے، اس لئے اس کے خلاف رائے غلط اور باطل ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بعض دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی اجماع کا دعویٰ کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے، اجماع کا کوئی ثبوت فی الواقع موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس مسئلہ میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے محدثین اور فقہاء کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ باب مَن جوّز الطّلاق الثّلاث (جس نے تین طلاق کو جائز قرار دیا) کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

وفی الترجمۃ إشارۃٌ إلیٰ أن من السلف من لم یجز وقوع الطّلاق الثّلاث۔ — "اور ترجمۃ الباب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سلف میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تین طلاق کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے۔"

(جلد ۹، صفحہ ۲۸۹)

کچھ دُور آگے چل کر اسی سلسلۂ کلام میں وہ فرماتے ہیں۔

الرابع أنہ مذهب شاذ فلا يُعمل به	"چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے ایک ہونے
وأجيب بأنہ نُقل عن عليٍ وابنِ	کی بات شاذ مسلک ہے، اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا۔ جواب دیا گیا
مسعودٍ و عبد الرحمٰن بن عوفٍ و	ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود، عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر
الزبير مثلہ نقل ذالك ابن مغيث	رضی اللہ عنہم سے اس طرح کی بات منقول ہے۔ ابن مغیث
فی کتاب الوثائق لہ وعزاہ لمحمد بن	نے کتاب الوثائق میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وضاح کی طرف
وضاح ونقل الغنوی ذالك عن مشائخ	منسوب کیا ہے اور غنوی نے اس مسلک کو قرطبہ کے
قرطبۃ کمحمد بن تقی بن مخلد ومحمد بن	مشائخ کے ایک گروہ مثلاً محمد بن تقی بن مخلد اور محمد بن
عبد السلام الخشنی وغیرهما ونقلہ	عبد السلام خشنی وغیرہ سے نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے
ابن المنذر عن أصحاب ابن عباس کعطاء	اسے ابن عباسؓ کے اصحاب مثلاً عطاء، طاؤس اور عمرو بن
وطاوس وعمرو بن دینار ویتعجب من	دینار سے نقل کیا ہے۔ اور ابن تین پر حیرت ہے کہ انہوں نے
ابن التین حیث جزم بأن لزوم الثلاث	اس یقین کا اظہار کیا کہ تین طلاق کے لزوم میں اختلاف
لا اختلاف فیہ وإنما الإختلاف فی التحریم	نہیں ہے، اختلاف صرف تحریم میں ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ
مع ثبوت الإختلاف کما تری ۔	رہے ہو کہ اختلاف ثابت ہے"۔

(فتح الباری، جلد ۹۔ صفحہ ۲۹۰)

اِس سے چند سطر اوپر انھوں نے محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی کو اس مسلک کا قائل بتایا ہے۔ امام طحاویؒ "شرح معانی الآثار" میں فرماتے ہیں:۔

فذهب قومٌ إلی أن الرجل إذا طلق	"تو ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو ایک ساتھ
امرأتہ ثلاثاً معاً فقد وقعت علیها واحدۃ	تین طلاقیں دے تو عورت پر ایک ہی طلاق واقع ہوگی جبکہ
إذا کان فی وقت السنۃ وذالك أن تکون	وقتِ سُنّت میں یعنی اس وقت دی گئی ہو کہ وہ پاک ہو
طاهراً فی غیر جماعٍ واحتجوا فی ذالك	اور اُس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔ اور انھوں نے اس سلسلہ میں
بهٰذا الحدیث ۔	اس حدیث سے استدلال کیا ہے"۔

(جلد ۲۔ صفحہ ۳۱)

واضح رہے کہ امام طحاویؒ، امام ابنِ تیمیہؒ سے بہت پہلے کے محدث ہیں۔ وہ

امام بخاریؒ کے معاصر ہیں۔ گویا امام طحاویؒ کے زمانہ تک بھی اس مسلک کے قائل اتنے تھے کہ انہیں "قوم" (یعنی گروہ) سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔

امام رازیؒ "تفسیر کبیر" میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت لکھتے ہیں:۔

ثمّ القائلون بهذا القول اختلفوا على قولين، الأوّل وهو اختيار كثير من علماء الدين أنّه لو طلّقها اثنين أو ثلاثاً لا يقع إلّا الواحدة وهذا القول هو الأقيس لأنّ النهي يدلّ على اشتمال المنهيّ عنه على مفسدة راجحة۔ والقول بالوقوع سعي في إدخال تلك المفسدة في الوجود وأنّه غير جائز فوجب أن يحكم بعدم الوقوع۔	"پھر اس قول کے قائلین میں اختلاف ہو گیا اور ان کے دو قول ہیں۔ ایک قول جو بہت سے علماء دین کا اختیار کردہ ہے یہ ہے کہ اگر اس نے بیک وقت دو یا تین طلاقیں دیں تو صرف ایک واقع ہو گی اور یہی قول قیاس سے قریب تر ہے۔ کیونکہ ممانعت سے واضح ہوتا ہے کہ ممنوع چیز کوئی راجح مُفسدہ رکھتی ہے۔ اور وقوع کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کی کوشش ہے جو غیر جائز ہے۔ تو ضروری ہوا کہ عدم وقوع کا حکم کیا جائے۔"

امام رازیؒ کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ مسلک زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مسلک، شاذ مسلک نہیں، بلکہ بہت سے علماءِ دین کا ہے۔

امام ابن قیمؒ نے بھی "اعلام الموقعین" میں متعدد صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے علماء کا ذکر کیا ہے جو اس قول کے قائل ہیں۔

علامہ عینیؒ "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں:۔

ذهب طاؤس وابن إسحٰق والحجّاج بن أرطاة والنخعي وابن مقاتل والظاهرية إلى أنّ الرجل إذا طلّق امرأته ثلاثاً معاً فقد وقعت عليها واحدة، واحتجّوا بحديث أبي الصهباء	"طاؤس، ابن اسحٰق، حجاج بن ارطاۃ، نخعی، ابن مقاتل اور اہل ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ جب آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیں تو اس پر ایک ہی واقع ہوں گی، اور انہوں نے ابو صہباء کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔"

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی فرماتے ہیں:-

والقول الثاني أنه إذا طلق ثلاثاً تقع واحدة رجعية وهذا هو المنقول عن بعض الصحابة وبه قال داؤد الظاهريؒ وأتباعه وهو أحد القولين لمالكؒ وأصحاب أحمدؒ۔	اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو ایک رجعی واقع ہوگی، اور یہ قول بعض صحابہ سے منقول ہے اور اس کے قائل داؤد ظاہری اور اُن کے پیرو ہیں۔ اور یہ امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمدؒ کے بعض اصحاب کا قول ہے۔

(عمدۃ الرعایۃ۔ جلد ۲، صہ۷۱)

اور علامہ شوکانیؒ نے "نیل الاوطار" میں اس قول کو حضرت علیؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابن عباسؓ، طاؤسؒ، عطاءؒ، جابر بن یزیدؒ، ہادیؒ، قاسمؒ، ناصرؒ، احمد بن عیسیٰؒ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہؒ، زید بن علیؒ اور اصحاب ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (جلد ۶ ص ۲۴۵)

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ نہ صرف یہ کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلظہ بائنہ ہونے پر اجماع نہیں ہے، بلکہ اس کے ایک طلاق ہونے کا مسلک، علماء کی قابلِ لحاظ تعداد کا ہے۔

آثارِ صحابہؓ

قرآن مجید، احادیثِ رسول اور اجماعِ اُمت کے بعد آثارِ صحابہ کا نمبر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صحابۂ کرام کے آثار سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاق کو طلاقِ مغلظہ بائنہ مانتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے مسلک کو، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا معروف مسلک تو یہی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو وہ تین طلاق مانتے تھے، مگر اُن کی طرف یہ قول بھی منسوب ہے کہ وہ اس طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے:-

عن عکرمة عن ابن عباس إذا قال أنتِ طالق ثلاثاً بفمٍ واحدٍ فهی واحدةٌ۔

"عکرمہ سے مروی ہے وہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک منہ سے تین بار اَنتِ طالقٌ کہا تو یہ ایک طلاق ہوگی"

ایک اور صحیح روایت میں حضرت طاؤسؒ سے مروی ہے:۔

واللہِ ماکان ابن عباس یجعلھا إلّا واحدةً۔

"بخدا! ابن عباسؓ اسے ایک ہی شمار کرتے تھے"

(عون المعبود، جلد ۲، صفحہ ۲۲۷)

ایک طلاق ہونے کے دلائل

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑجاتی ہے، یہ بات نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے، نہ سنتِ رسول اللہ سے اور نہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد مزید کسی بحث کی فی الواقع ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن اجمالی طور پر دو احادیث ایسی ہیں جو اس مسئلہ کا فیصلہ کردیتی ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم اور دوسری کتبِ حدیث میں ہے:۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول اللہ و أبی بکرٍ وسنتین من خلافة عمرَ طلاق الثلاث واحدةً فقال عمربن الخطاب إنّ الناس قد استعجلوا فی أمرٍ کانت لهم فیه إناة فلو أمضیناه علیهم فأمضاه علیهم۔

"ابن عباسؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ اور حضرت ابوبکرؓ کے دور اور خلافتِ عمرؓ کے دو برسوں تک (بیک وقت) تین طلاق ایک ہوا کرتی تھی تو عمر بن خطاب نے کہا، لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جس میں اُن کیلئے غور و فکر کا موقع تھا جلدی کی۔ تو ہم اُن طلاقوں کو نافذ کردیں، تو آپ نے انہیں نافذ کردیا"

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت مختلف اسناد سے صحیح مسلم اور دوسری کتب میں آئی ہے۔ روایۃً اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث اپنے اِس مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کے

سہا میں اور دورِ فاروقی کے ابتدائی دو برسوں میں (بعض روایات میں تین سال آئے ہیں) ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت و سہولت سے فائدہ اٹھاتے اور ایک مجلس میں ایک طلاق پر بس کرتے، انھوں نے ایک مجلس میں تین طلاق کو معمول بنالیا اور طلاق کے غیر مشروع طریقہ پر مُصر ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں پر تین طلاقیں نافذ کردی جائیں۔ چنانچہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہ حکم انہوں نے نافذ کر دیا۔

حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے۔ اس مفہوم کی رُو سے دورِ نبوی، دورِ صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی کا یہ تعامل سامنے آتا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق مانا جاتا تھا۔

جو لوگ اس کے خلاف مسلک رکھتے ہیں انھوں نے اس حدیث کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ ہم اُن میں سے قابلِ ذکر تاویلات کو ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ امام نوویؒ شرحِ مسلم میں ایک تاویل کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

وقیل المراد أنّ المعتاد فی الزمن الأوّل کان طلقةً واحدةً وصار النّاس فی زمن عُمر یوقعون الثلاث دفعةً فنفذہ عمر وعلیٰ ھذا یکون إخباراً عن اختلاف عادة النّاس، لا عن تغیّر حکمٍ فی مسئلةٍ واحدةٍ۔

"کہا گیا ہے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دورِ اوّل میں یہ رواج تھا کہ طلاق ایک ہی دی جاتی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تین طلاق ایک ہی بار میں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں نافذ کردیا تو یہ لوگوں کی عادت کے مختلف ہونے کی اطلاع ہے، نہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم کے بدل جانے کی"

یہ تاویل متعدد اربابِ علم نے کی ہے، مگر آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کے متحمل ہیں۔ علامہ ہمامؒ اس تاویل پر یہ اشکال عائد کرتے ہیں:۔

وما قیل فی تأویلہ أنّ الثلاث الّذی یوقعونھا الآن إنّما کانت فی الزّمان الأوّل واحدةً تنبیہٌ علیٰ تغیّر الزّمان

"اور اس حدیث کی تاویل میں یہ جو کہا گیا ہے کہ تین طلاقیں جو اب دیتے ہیں عہدِ اوّل میں ان کا رواج نہ تھا، ایک ہی کا رواج تھا اور یہ اس زمانہ کے تغیر اور سنّت کی مخالفت

وفي الفتة السنة فيشكل إذ لا يتجه حينئذٍ قوله فأمضاه عمرؓ

کی خبر ہے تو یہ مشکل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں "فامضاہ عمرؓ" متعلق نہیں ہو پاتا "

صحیح مسلم کی بعض روایات صراحۃً اس تاویل کی تردید کرتی ہیں :-

عن طاؤس أن أبا الصهباء قال لابن عباس أتعلم أنما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكرؓ وثلاثا من إمارة عمرؓ فقال ابن عباس، نعم ۔

" طاؤسؒ سے مروی ہے کہ ابو صہباؒ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں کو دورِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) دورِ ابوبکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے تین برسوں میں ایک شمار کیا جاتا تھا۔ انہوں نے فرمایا! ہاں ؟

(مسلم، ابوداؤد)

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دورِ نبوی میں لوگ ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں دیتے تھے۔ روایات سے اس کے برعکس ثابت ہے ۔

۲۔ یہ حکم غیر مدخول بہا کے لئے ہے، جیسا کہ بعض روایات میں صراحۃً ہے :-

عن أيوب عن غير واحد عن طاوس أن رجلا يقال له أبو الصهباء كان كثير السؤال لابن عباس قال أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وصدرا من إمارة عمر، قال ابن عباس بلى، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وصدرا من إمارة عمر فلما رأى الناس

" ایوب سے، انہوں نے متعدد افراد سے نقل کیا ہے، انہوں نے طاؤس کہ ایک شخص جسے ابوصہبا کہا جاتا تھا ابنِ عباس سے بہت سوال کرتا تھا۔ انہوں نے ابن عباس سے پوچھا کیا آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے بیک وقت تین طلاق دیتا تھا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور خلافتِ عمرؓ کے ابتدائی دور میں ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔ ابنِ عباسؓ نے کہا، ہاں، آدمی جب ہمبستری سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو دورِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)، دورِ صدیقؓ اور ابتدائی دورِ عمرؓ میں اسے ایک شمار کیا جاتا تھا، تو جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ پے در پے تین طلاقیں

قد تتابعوا فیہا قال أجیزوھن علیھم۔ دینے لگے تو اُن پر تینوں نافذ کر دیں ۔

(ابو داؤد)

یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ غیر مدخول بہا کے لئے ہوگی، اور دوسری روایات غیر مدخول بہا اور مدخول بہا دونوں کے لئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو داؤد کی یہ روایت ضعیف ہے اور طاؤسؒ سے روایت کرنے والے مجہول لوگ ہیں۔ (شرح مسلم للنوویؒ)

۳۔ یہ حدیث ایک خاص صورت سے متعلق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

قال ابن سُریج وغیرہٗ یشبہ أن یکون ورد فی تکریر اللفظ کأن یقول، أنتِ طالق أنتِ طالق أنتِ طالق وکانوا أولاً علی سلامۃ صدورھم یُقبل منھم أنھم أرادوا التاکید۔ فلما کثُر الناس فی زمن عُمرَ وکثُر فیھم الخداع ونحوہٗ مما یمنع قبول من ادّعی التاکید حمل عمر اللفظ علی ظاھر التکرار فامضاہ علیھم۔	"ابن سریج نے کہا، خیال ہوتا ہے کہ یہ حدیث الفاظ کی تکرار کے سلسلہ میں آئی ہے۔ جیسے کہ وہ کہے، تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ تو دورِ اوّل میں دلوں کی سلامتی کے باعث اُن کا یہ قول قبول کر لیا جاتا تھا کہ اُن کا ارادہ تاکید کا تھا (تین طلاق کا نہیں) تو جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان زیادہ ہو گئے اور فریب دہی وغیرہ بھی زیادہ ہو گئی جس کے باعث تاکید کا دعویٰ قبول کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے لفظ کو ظاہرِ تکرار پر محمول کر دیا اور تین طلاقیں اُن پر نافذ کر دیں ۔

(فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ــــ)

امام نوویؒ نے اِس تاویل کو صحیح ترین تاویل قرار دیا ہے۔ علّامہ ابن الہمامؒ نے بھی "فتح القدیر" میں اس تاویل کو اختیار کیا ہے۔ مگر آپ خود دیکھ لیجئے کہ حدیث کے الفاظ کہاں تک اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ نہ حدیث میں خاص الفاظ کا ذکر ہے، نہ اس بات کا کہ جو لوگ تاکید کا دعویٰ کرتے تھے اُن کا دعویٰ مان لیا جاتا تھا اور جو دعویٰ نہ کرتے تھے اُن کے حق میں تین طلاقوں کا فیصلہ ہوتا تھا، نہ دلوں کی صفائی یا کھوٹ کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ آخر تاویل کے لئے کوئی بُنیاد تو ہو۔

۴۔ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ ورنہ حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کے خلاف مسلک پر اجماع نہ ہوتا۔ امام نوویؒ اس

تاویل کو نقل کر کے اس پر علامہ مازریؒ کی تنقید نقل کرتے ہیں۔

قال المازریؒ وقد زعم من لا خبرة لهٗ	"مازری نے کہا، جن لوگوں کو حقائق کی خبر نہیں ہے ان کا
بالحقائق أنّ ذالك كان ثمّ نُسِخ	خیال ہے کہ یہ حکم تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔ مازری نے کہا،
قال وهذا غلطٌ فاحشٌ لِأنّ عمرؓ	یہ واضح طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ منسوخ نہیں کر سکتے
لا ينسخ ولو نسخ حاشاه لبادرت	اور اگر وہ حاشا وکلّا منسوخ کرتے تو صحابہ فوراً انکار کرتے۔
الصّحابةُ إلى إنكاره، وإن أراد هذا	اور اگر قائل کا منشا یہ ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
القائل أنّه نُسِخ فی زمن النّبیؐ فذالك	دور میں منسوخ ہو گیا تھا تو یہ بات غیر ممکن نہیں ہے۔
غیر ممتنع ولٰكن یخرج عن ظاهر	لیکن یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر ایسا
الحدیث لأنّهٗ لو كان كذالك لم یجز	ہوتا تو راوی کے لئے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ خلافت ابوبکرؓ
للرّاوی أن یخبر ببقاء الحكم فی خلافة	اور خلافت عمرؓ کے بعض برسوں میں اس حکم کے باقی رہنے
أبی بكرٍ وبعض خلافة عمر ــــ فإن	کی خبر دیتا ــــ اگر یہ کہا جائے کہ کبھی صحابہ نسخ
قیل قد تجمع الصّحابة علی النّسخ فیُقبل	پر اجماع کر لیتے ہیں اور اُن کا اجماع قبول کر لیا جاتا ہے۔
ذالك منهم، قلنا إنّما یقبل ذالك لأنّهٗ	ہم کہتے ہیں کہ اُن کا اجماع اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے کہ
یستدلّ بإجماعهم علی ناسخٍ وأمّا	اس سے ناسخ کے وجود کے لئے دلیل فراہم ہوتی ہے۔ رہی یہ
إنّهم ینسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذ	بات کہ وہ خود منسوخ کرتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ۔ کیونکہ
الله لأنّهٗ إجماعٌ علی الخطأ، وهم	یہ غلطی پر اجماع ہوگا اور وہ اس سے معصوم ہیں۔
معصومون عن ذالك ــــ فإن قیل	ــــ اگر یہ کہا جائے کہ نسخ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں
فلعلّ النّسخ إنّما ظهر لهم فی زمن عمر،	ظاہر ہوا ــــ ہم کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ
قلنا هذا غلطٌ أیضًا لأنّه یكون قد	اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں
حصل الإجماع علی الخطأ فی زمن أبی بكر	غلطی پر اجماع ہو گیا تھا، اور محقق اصولیین اجماع
والمحقّقون من الأصولیین لا یشترطون	کی صحت کے لئے زمانہ کے ختم ہونے کی شرط نہیں
انقراض العصر لصحّة الإجماع، والله أعلم.	ٹھہراتے۔ والله اعلم"

(شرح نووی جلد ا، صفحہ ۴۷۸)

حافظ ابنِ حجرؒ نے مازریؒ کی اِس تنقید کا ذکر کر کے جگہ جگہ اس پر تعقب کیا ہے۔ مگر تعقب میں فی الواقع کوئی جان نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ان تاویلات میں سے کسی تاویل کی متحمل نہیں ہے اور حدیث کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ متعدد حنفی علماء نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا وہ یا تو اُن کا اجتہاد تھا کہ حالات بدل گئے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول نے لوگوں کے لئے جو سہولت فراہم کی تھی، شریعت کی نافرمانی کی بنا پر وہ اُس کے مستحق نہیں رہے، یا خلیفہ کی حیثیت سے یہ اُن کا سیاسی فرمان تھا جس کا مقصد لوگوں کی اصلاح اور ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے رواجِ عام کو روکنا تھا، ان میں سے کوئی بھی بات ہو۔ تم اس اجتہاد یا اس سیاست سے کیوں اختلاف کر رہے ہو؟ —— جواب یہ ہے کہ اصل چیز کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ ہے۔ وہ ہر چیز پر حتّیٰ کہ خلیفہ راشد کے اجتہاد پر بھی مقدم ہے اور خلفاءِ راشدین کے اجتہادات سے اختلاف سلف میں کوئی انوکھی بات نہیں رہی ہے اور سیاسی نوعیت کے فیصلے اور بھی عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ پھر یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ اس میں ایک تعامل عہدِ نبوی اور دورِ صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی کا ہے اور دوسرا دورِ فاروقی کا۔ ہم پہلے تعامل کو دوسرے تعامل پر ترجیح دے رہے ہیں۔

جہاں تک حالات کا تعلق ہے وہ بلا شبہ پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ خراب ہیں، لیکن حالات کی یہ خرابی اور سنگینی ہی اس کی متقاضی ہے کہ ہم اس مسئلہ پر ازسرِ نو غور کریں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں صرف یہی ایک فیصلہ نہیں کیا تھا، انھوں نے چند اور انتظام بھی کئے تھے۔ ایک انتظام دینی تعلیم کو عام کرنے کا تھا، دوسرا انتظام معاشرہ کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے اور تیسرا حدود و تعزیرات کے قیام کا تھا۔ اس سلسلہ کی مزید ایک بات یہ تھی کہ حضرت عمرؓ ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کو دُرّے مارتے تھے۔ اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کے معاش کی حکومت کفالت کرتی تھی۔ عامۃ المسلمین بھی

نادار اور معذور مردوں اور عورتوں کی کفالت کی طرف زیادہ متوجہ رہتے تھے اور مسلمان معاشرہ کی اخلاقی اور دینی حالت آج سے بہت زیادہ بہتر تھی۔ اسی کے ساتھ عرب میں طلاق کوئی عار کی بات نہ تھی اور مطلّقہ عورتوں کا نکاح بہت آسانی سے ہو جاتا تھا۔

اب دین کی تعلیم کا نظم درہم برہم ہو چکا ہے، لوگ طلاق کے بنیادی مسائل بھی نہیں جانتے، حضرت عمرؓ کا دُرّہ بھی نہ رہا جس کے ڈر سے لوگ تین طلاقیں نہ دیں، حدود و تعزیرات کتابوں میں بند ہیں، معاشرہ کی دینی و اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہے، ماحول اس قدر پُرفتن ہے کہ مردوں اور عورتوں کو اخلاق و عفّت کا بچا لینا مشکل ہو گیا ہے اور بے شوہر کی عورت کے لئے تو فتنے ہی فتنے ہیں۔ ہندوستانی سماج ایسا ہے کہ اس میں مطلّقہ عورتوں کا نکاح بہت دشوار ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مطلّقہ عورت کی اگر شادی نہ ہو تو یا طویل مدّت تک نہ ہو تو عورت اور معاشرہ دونوں کے اخلاق کی نگہداشت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے جو بے سہارا عورتوں کی کفالت کر سکے، نہ معاشرہ ہی اس طرف متوجہ ہے ـــ یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم خیال کرتے ہیں کہ دورِ فاروقی کے تعامل سے عہدِ نبوی اور دورِ صدیقی کے تعامل کی طرف واپس جانا چاہئے۔

۴ ـ مُسندِ احمد میں ہے :۔

حدّثنا سعد بن إبراهيم قال حدّثنا أبي عن محمد بن إسحٰق قال حدّثني داؤد بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس قال طلّق ركانة بن عبد يزيد أخو بني مطّلب امرأته ثلاثًا في مجلسٍ واحدٍ فحزن عليه حزنًا شديدًا قال فسأله رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كيف طلّقتها قال طلّقتها ثلاثًا، قال فقال في مجلسٍ واحدٍ قال نعم، قال فإنّما تلك واحدةٌ

"سعد بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے میرے باپ نے بیان کیا، انھوں نے محمد بن اسحٰق سے، انہوں نے کہا مجھ سے داؤد بن حصین نے بیان کیا، انہوں نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے کہا، رکانہ بن عبد یزید اخی بنی مطّلب نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس پر انہیں شدید غم ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا، تم نے اپنی بیوی کو کس طرح طلاق دی؟ کہا، میں نے اسے تین طلاقیں دیں۔ پوچھا، ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی۔ تو اگر تم چاہو تو

فارجعها إن شئت قال فراجعها فكان ابن عباس يرى إنما الطلاق عند كل طهر۔

اُس سے رُجوع کرلو، تو رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔ تو ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ طلاق ہر طُہر کے وقت ہونی چاہیئے۔

اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

وأخرجه أحمد وأبو يعلى وصححه من طريق محمد بن إسحٰق وهذا الحديث نصٌّ في المسئلة لا يقبل التأويل الذي في غيره من الروايات الآتي ذكرها وقد أجابوا عنها بأربعة أشياء، أحدها أنّ محمد بن إسحٰق وشيخه مختلف فيهما وأجيب أنهم احتجوا في عدةٍ من الأحكام بمثل هذا الإسناد كحديث "أنّ النبي صلى الله عليه وسلم ردّ على أبي العاص بن الربيع زينب ابنته بالنكاح الأول" وليس كل مختلف فيه مردودًا۔ والثاني معارضته بفتوى ابن عباسٍ بوقوع الثلاث كما تقدم من رواية مجاهدٍ وغيره، فلا يظن بابن عباسٍ أنه كان عنده هذا الحكم عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يفتي بخلافه إلا بمرجح ظهر له، وراوي الخبر أخبر من غيره بما روى، وأجيب بأنّ الاعتبار برواية الراوي لا برأيه لما يطرق رأيه من احتمال النسيان وغير ذلك، وأما كونه تمسك

"احمد اور ابو یعلیٰ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اسے محمد بن اسحٰق کی سند سے صحیح قرار دیا ہے اور یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں جو آگے آنے والی روایتوں میں ممکن ہے۔ لوگوں نے اس حدیث کے چار جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ محمد بن اسحٰق اور ان کے شیخ (داؤد بن حصین) میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ متعدد احکام میں اس طرح کی سند کو مانا گیا ہے، جیسے کہ یہ روایت کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینبؓ کو ابوالعاصؓ کے پاس پہلے ہی کے نکاح کے ساتھ بھیج دیا" (اس روایت میں یہی سند ہے) اور ہر وہ شخص جس میں اختلاف کیا جائے وہ لازماً قابل رد نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباسؓ کے فتویٰ کے معارض ہے۔ جیسا کہ مجاہد وغیرہ نے اُن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت اوپر گذر چکی ہے۔ اور ابن عباسؓ کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہو پھر وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں مگر یہ کہ کوئی مرجح اُن کے سامنے ظاہر ہوگیا ہو، اور حدیث کا راوی دوسروں کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ جانتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اُس کی رائے کا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نسیان وغیرہ کا اُس کی رائے پر اثر پڑا ہو۔ رہی یہ بات کہ اُس نے کسی مرجح سے تمسک کیا ہو،

بموقع فلم ينحصر في المرفوع لاحتمال
التمسك بتخصيص أو تقييد أو تأويل،
وليس قول مجتهد حجة على مجتهد آخر،
الثالث، أن أبا داؤد رجح أن ركانة
إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو
من طريق آل بيت ركانة وهو تعليل قوي
لجواز أن يكون بعض رواته حمل "البتة"
على الثلاث فقال "طلقها ثلاثا" فبهذه
النكتة يقف الاستدلال بحديث ابن
عباس- الرابع أنه مذهب شاذ فلا
يعمل به، وأجيب بأنه نقل عن علي و
ابن مسعود وعبد الرحمن بن عوف والزبير
مثله نقل ذلك ابن مغيث في كتاب الوثائق
له وعزاه لمحمد بن وضاح ونقل الغنوي
ذلك عن جماعة من مشايخ قرطبة
كمحمد بن تقي بن مخلد و محمد بن
عبد السلام الخشني وغيرهما ونقله ابن
المنذر عن أصحاب ابن عباس كعطاء وطاوس
وعمرو بن دينار، ويتعجب من ابن التين حيث
جزم بأن لزوم الثلاث لا اختلاف فيه، و
إنما الاختلاف في التحريم مع ثبوت الاختلاف
كما ترى ويقوي حديث ابن إسحق
المذكور ما أخرجه مسلم من طريق

تو یہ مرجح حدیثِ مرفوع ہی تک محدود نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا
ہے کہ اُس نے تخصیص یا تقیید یا تاویل کا سہارا لیا ہو، اور کسی
مجتہد کا قول دوسرے مجتہد کے لئے حجت نہیں ہے۔ تیسرا
جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ ابوداؤدؒ نے اس بات کو ترجیح
دی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی تھی جیسا کہ انہوں نے
رکانہ کے اہلِ بیت سے روایت کیا ہے اور یہ ایک قوی تعلیل
ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں نے "بتہ" کو تین پر
محمول کیا ہو تو یہ کہہ دیا ہو کہ "انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں"
اس نکتہ کے باعث ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال
موقوف ہو جائے گا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ شاذ مسلک ہے
اس لئے اس پر عمل نہ ہوگا۔ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت علی،
ابن مسعود، عبد الرحمن بن عوف اور زبیر رضی اللہ عنہم سے اس طرح
کی بات نقل کی گئی ہے۔ اس بات کو ابن مغیث نے کتاب الوثائق
میں نقل کیا ہے اور اسے محمد بن وضاح کی طرف منسوب کیا ہے
اور غنوی نے اسے قرطبہ کے مشائخ کے ایک گروہ، جیسے محمد
بن تقی بن مخلد اور محمد بن عبد السلام خشنی وغیرہ سے نقل
کیا ہے۔ اور ابن منذر نے اسے ابنِ عباس کے اصحاب
مثلاً عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے۔
اور ابن تین پر حیرت ہے انہوں نے یقین سے کہا ہے کہ
تین طلاق کے لازم ہو جانے میں اختلاف نہیں ہے اختلاف
اس کی تحریم میں ہے۔ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اختلاف
ثابت ہے، اور ابنِ عباسؓ کی حدیث کی تائید وہ حدیث
کرتی ہے جسے مسلمؒ نے عبد الرزاق عن معمر عن

عبدالرزاق عن معمر عن عبداللہ بن طاؤس عن أبیہ عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکرؓ وثنتین من خلافۃ عمرؓ طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا فی أمر کانت لھم فیہ اناۃ فلو أمضیناہ علیھم فأمضاہ علیھم۔	عبداللہ بن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباسؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کے عہد کے شروع کے دو برسوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ تو عمر بن خطابؓ نے کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلدی کی جس میں اُن کے لئے غور و فکر کا موقع تھا، تو کیوں نہ ہم اُن پر تین طلاق لازم کر دیں تو انہوں نے اُن پر تین طلاقیں لازم کر دیں۔"

(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۹۷)

حافظ ابن حجرؒ نے روایت پر کئے گئے چار اعتراضات میں سے تین کا جواب تو خود دے دیا، مگر تیسرے اعتراض کا ذکر کر کے خاموش ہو گئے ہیں، اُنھوں نے اسے قوی خیال کیا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض بھی قوی نہیں ہے۔ ابو داؤد نے "البتہ" کی روایت کو طلاقِ ثلاث کی اُس روایت سے صحیح تر قرار دیا ہے جو انہوں نے ابن جریج سے روایت کی ہے۔ اس روایت کی سند میں مجہول راوی موجود ہے اور وہ یقیناً ضعیف ہے۔ مُسند احمد کی مذکورہ روایت کو ابو داؤد نے روایت نہیں کیا ہے، نہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی موجود ہے، نہ اس روایت کے مقابلہ میں انھوں نے طلاقِ البتہ والی روایت کو صحیح تر بتایا ہے۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ کسی راوی نے غلطی سے "البتہ" کو "ثلاث" کے ہم معنی سمجھ کر "البتہ" کے بجائے "طلاق ثلاث" کی روایت کر دی ہو۔ کیونکہ یہاں صرف دو لفظوں کا فرق نہیں ہے، بلکہ دو واقعات الگ الگ ہیں۔ ایک روایت کی رُو سے رُکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا کہ میری نیت ایک کی تھی۔ آپ نے قسم دلائی اور نیت کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ روایت اس باب میں خاموش ہے کہ اگر وہ تین کی نیت بتاتے تو آپ کیا فیصلہ فرماتے؟ —— دوسری روایت کی رُو سے واقعہ اس کے برعکس یہ ہے کہ رُکانہ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے کس طرح کی طلاق دی؟

کہا، تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا، ایک مجلس میں؟ رکانہ نے کہا، ایک ہی مجلس میں۔ آپ نے فرمایا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوئی۔ تو اگر تم چاہو تو رُجوع کر لو۔ تو انھوں نے رُجوع کر لیا۔ اس روایت کی رُو سے نہ آپ نے نیّت پُوچھی، نہ رکانہ نے ایک کی نیّت بتائی، نہ آپ نے حلف لی، بلکہ رکانہ نے صراحت کی کہ میں نے تین طلاق دی اور ایک مجلس میں دی۔ یہ سُن کر آپ نے اُسے ایک طلاق قرار دیا اور رُجوع کرنے کا رکانہ کو حق دے دیا ــــ بہرحال یہ دو واقعے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، اِن میں سے ایک ہی روایت صحیح ہو سکتی ہے۔ یہ صرف "البتّہ" اور "طلاقِ ثلاث" کے اِشتباہ کی بات نہیں ہے۔

امام ابنِ تیمیہؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

هٰذا الحديث قال فيه ابن إسحٰق حدّثني داؤد، وداؤد من شيوخ مالكٍ و رجال البخاري. وابن إسحٰق إذا قال حدّثني فهو ثقة عند أهل الحديث وهٰذا إسنادٌ جيّدٌ ـ

"اس حدیث میں ابن اسحٰق نے کہا، حَدَّثَنِیْ دَاؤدُ (مجھ سے داؤد نے بیان کیا) اور داؤد مالک کے شیوخ میں سے ہیں اور بخاری کے رُواۃ میں سے۔ اور ابنِ اسحٰق جب حَدَّثَنِیْ کہیں تو محدّثین کے نزدیک ثقہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اچھی اسناد ہے"

امام ابنِ قیمؒ "اعلام الموقعین" میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقد صحّح الإمام أحمد هٰذا الإسناد وحسّنه فقال في حديث عمرو بن شعيبٍ عن أبيه عن جدّه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ردّ ابنته على أبي العاص بمهرٍ جديدٍ ونكاحٍ جديدٍ هٰذا حديثٌ ضعيفٌ أو قال واهٍ لم يسمعه حجّاج عن عمرو بن شعيبٍ وإنّما سمعه عن محمّد بن عبيد الله العرزميّ، والعرزميّ لا يساوي حديثه شيئًا ـ

"امام احمد نے اس سند کو صحیح بتایا ہے اور اس کی تحسین کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اُس حدیث کے بارے میں جسے عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے اپنی بیٹی کو ابوالعاص کے پاس واپس بھیجا نئے مہر اور نئے نکاح سے۔ اس حدیث کو انہوں نے ضعیف یا لغو بتایا اور کہا کہ حجّاج نے عمرو بن شعیب سے اسے نہیں سُنا بلکہ محمد بن عبید اللہ عرزمی سے سُنا اور عرزمی کی حدیث کوئی قیمت نہیں رکھتی"

اِسی سلسلۂ کلام میں مزید فرماتے ہیں:۔

والحدیث الصحیح الّذی رُوِی أنّ النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم أقرّھما علی النّکاح الأوّل و إسنادہ ھو إسناد حدیث رُکانۃ بن عبد یزید، ھذا و قد قال التّرمذیّ فیہ لیس بإسنادہ بأسٌ فھذا إسنادٌ صحیحٌ عند أحمد ولیس بہ بأسٌ عند التّرمذی فھو حجّۃٌ مالم یعارضہ ماھو أقوی منہ فکیف إذا عضدہٗ ماھو نظیرہٗ أو أقوی منہ۔	"اور صحیح حدیث وہی ہے جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس طرح روایت کی گئی ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی اور اُن کے شوہر کو (اسلام لانے کے بعد) پہلے نکاح پر قائم رکھا۔ اور امام احمد کے پاس اس کی سند بعینہٖ رکانہ بن عبد یزید کی روایت کی سند ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس سند میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تو یہ سند امام احمد کے نزدیک صحیح ہے اور ترمذی کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تو وہ حجّت ہے جب تک اس سے قوی روایت اس کے معارض نہ ہو اور یہاں تو اس جیسی یا اُس سے قوی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔"

(اعلام الموقعین۔ جلد ۲، صفحہ ۲۵)

ابوداوُد کی ترجیح پر امام ابنِ تیمیہؒ کی تنقید بیان کرتے ہوئے امام ابنِ قیّمؒ فرماتے ہیں:۔

قال شیخنا رضی اللہ عنہ أبوداوٗد لما لم یَروِ فی سننہ الحدیث الّذی فی مُسند أحمد یعنی الّذی ذکرناہ آنفًا فقال حدیث البتّۃ أصحّ من حدیث ابن جُریج أنّ رکانۃ طلّق امرأتہ ثلاثًا لأنّہ أھل بیتہ ولکن الأئمّۃ الأکابر العارفون بعلل الحدیث والفقہ کالإمام أحمد و أبی العقیل والبخاریّ ضعّفوا حدیث البتّۃ وبیّنوا أنّ رواتہ قومٌ مجاھیل لم تُعرف عدالتھم وضبطھم۔ و أحمد ثبّت حدیث الثّلاث وبیّن أنّہ الصّواب وقال	"ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے کہا ہے ابوداوُد نے اپنی سنن میں وہ حدیث روایت نہیں کی جو مُسند احمد میں ہے یعنی جسے ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ حدیث البتّہ ابن جریج کی روایت سے صحیح تر ہے جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ کیونکہ اس حدیث کی روایت کرنے والے رکانہ کے گھر کے لوگ ہیں۔ لیکن حدیث کے بڑے بڑے امام جو حدیث کی علّتوں اور فقہ سے واقف ہیں، مثلاً امام احمد، ابن عقیل اور بخاری۔ انہوں نے حدیث البتّہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول لوگ ہیں جن کی عدالت اور انضباط کے بارے میں معلومات نہیں ہیں اور امام احمد نے تین طلاق والی روایت کو ثابت

حدیث رکانۃ لا یثبت أنہ طلق امرأتہ البتۃ وفی روایۃ عنہ حدیث رکانۃ فی البتۃ لیس بشیٔ لأن ابن إسحٰق یرویہ عن داؤد بن حصین عن عکرمۃ عن ابن عباسٍ أن رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثًا وأھل المدینۃ یسمون الثلاث البتۃ - قال الأثرم قلتُ لأحمد حدیث رکانۃ فی البتۃ فضعفہ -

ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہی روایت صحیح ہے اور انہوں نے کہا کہ رکانہ کی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی ثابت نہیں ہے اور اُن سے ایک روایت یہ ہے کہ رکانہ کی حدیث البتہ کوئی وزن نہیں رکھتی کیونکہ ابن اسحٰق نے داؤد بن حصین سے انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور اہلِ مدینہ تین طلاقوں کو بتہ کہتے ہیں اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے رکانہ کی حدیثِ بتہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی ۔"

(اعلام الموقعین۔جلد ۲، صفحہ ۲۵)

ایک اور بات قابلِ ذکر ہے، اور وہ یہ کہ لوگ مُسند احمد کی روایت اور ابو داؤد کی ابنِ جریج والی روایت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں گویا دونوں ایک ہی روایتیں ہیں اور فرق صرف سند کا ہے۔حالانکہ دونوں میں سند کے علاوہ متن کا کُھلا ہوا فرق ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمام روایات کی رُو سے ـــ "البتہ" والی روایات ہوں یا طلاقِ ثلاث والی ـ واقعہ کا تعلق رکانہ اور اُن کی بیوی سے ہے۔پھر اس روایت میں واقعات بالکل دوسرے ہیں، جو نہ مُسندِ احمد کی روایت میں ہے اور نہ ابو داؤد کی البتہ والی روایت میں۔اس طرح ابنِ جریج کی روایت ایک الگ روایت ہے اور اس کا دوسری روایات سے کوئی معارضہ نہیں ہے۔اصل معارضہ ابو داؤد کی طلاق البتہ والی اور مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت میں ہے اور دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے، اور گذشتہ تصریحات کی رُو سے مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت کو ابو داؤد کی طلاقِ البتہ والی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ ابو داؤد کی طلاقِ البتہ والی روایت کی طرح مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت پر بھی کلام کیا گیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی قطعی اور آخری بات کہنا مشکل ہے۔اب یا تو اختلاف اور اضطراب کی وجہ سے دونوں روایتوں کو

ساقط قرار دیجئے۔ اِس صورت میں صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت رہ جائے گی اور یہ بات کہ قرآن مجید سے تین طلاق کا، طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ آیات کے ظاہر الفاظ اس کے خلاف جاتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مُسند احمد کی طلاقِ ثلاث والی روایت کو ترجیح دیجئے۔ اس صورت میں تنہا اس حدیث سے نہیں — کہ اس کے صحیح ہونے میں کچھ لوگوں کو کلام ہے — بلکہ صحیح مسلم کی روایت سے مِل کر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ نہیں ہوتی۔ قرآن مجید سے استدلال اس کے علاوہ ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ابوداؤد کی طلاقِ البتّہ والی روایت کو ترجیح دیجئے۔ مگر یہ روایت ایک طرف تو صحیح مسلم کی صحیح روایت سے ٹکراتی ہے — اگر طلاق البتّہ والی روایت کا یہ مفہوم لیا جائے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے — دوسری طرف ایک ضعیف حدیث سے، خواہ وہ دوسری ضعیف حدیث کے مقابلہ میں راجح ہی کیوں نہ ہو، عورت کی حُرمتِ مغلّظہ جیسا حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ اس میں یہ بات صراحۃً موجود بھی نہ ہو۔

اوپر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ اور اجماعِ اُمّت سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلّظہ بائنہ پڑ جاتی ہے۔ اس کے برعکس صحیح مسلم اور مُسند احمد کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ نہیں ہے۔ وہ ایک ہی طلاق شمار ہو گی۔ ائمہ اور علماءِ حق کی عظیم اکثریت اگرچہ کہ یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہے، لیکن علما [illegible] کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اس رائے کی قائل ہے کہ یہ طلاق، طلاقِ مغلّظہ بائنہ [illegible] ہے اور یہی ہمارے نزدیک قولِ راجح ہے۔

لیکن اس قول کو قولِ مرجوح بھی قرار دیا جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ کتاب و سُنّت کی رُو سے اس قول کے اختیار کئے جانے کی گنجائش ہے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ حالات و ضروریات اور مصالحِ اُمّت کے تحت قولِ مرجوح پر فتویٰ دیا جائے۔ علماءِ حق نے بارہا ایسا کیا ہے۔ اس وقت کے حالات میں مسلمانوں کا سب سے

سنگین مسئلہ یہ ہے ـــ اور ایک مجلس میں تین طلاق کے طلاقِ مغلّظہ بائنہ ہونے کا مسئلہ نہ اجماعی ہے، نہ کتاب اللہ و سُنّتِ ثابتہ کی رُو سے صریح و منصوص، بلکہ اختلافی اور اجتہادی مسئلہ ہے ـــ اس لئے اس میں قولِ مرجوح کو اختیار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ میں علماءِ اُمّت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات و ضروریات کے تحت اس مسئلہ پر از سرِ نو غور فرمائیں اور ہزاروں لاکھوں خاندانوں کو تباہی سے بچائیں۔

میری اِن معروضات سے سوال نمبر ۳ اور نمبر ۴ کا جواب تو واضح طور پر سامنے آگیا۔ اب میں پہلے اور دوسرے سوال کا جواب عرض کروں گا۔

نمبر ۱:- میرے نقطۂ نظر سے تو اِس سوال کا جواب واضح ہے۔ طلاق، طلاق، طلاق کہے اور نیّت ایک کی رکھے یا تین کی، اگر قائل نے یہ الفاظ ایک ہی مجلس میں کہے ہیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ نیّت ایک کی ہو یا تین کی، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

حنفی نقطۂ نظر سے بھی اس صورت میں جبکہ طلاق دینے والا کہے کہ میری نیّت ایک ایک طلاق کی تھی۔ میں نے تو صرف تاکید کے لئے تین بار طلاق کہا تھا۔ دیانۃً ایک ہی طلاق ہوگی، مگر قضاءً تین طلاق شمار ہوں گی ـــ وقت آگیا ہے کہ حنفی فقہاء دیانت اور قضاء کے اس فرق کو ختم کر کے نیّت کے مطابق فتویٰ دینے کا فیصلہ کریں۔

یہ بات تو عربی زبان کی ہے۔ جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے، یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ "طلاق، طلاق، طلاق، یا طلاق دی، دی، دی، یا طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی"۔ ان سب الفاظ کا تعداد کے لئے نہیں، تاکید کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب تک کوئی واضح قرینہ تعداد کے لئے نہ ہو، ان الفاظ کو تاکید ہی پر محمول کرنا چاہیئے اور نیّت کی کھوج میں نہ پڑنا چاہیئے۔ لیکن اگر طلاق دینے والا صراحۃً کہہ رہا ہے کہ اس کی نیّت ایک طلاق کی تھی تو لازماً اس کی بات مان لینی چاہیئے۔ کیونکہ یہی بات ظاہرِ الفاظ کے بھی مطابق ہے۔

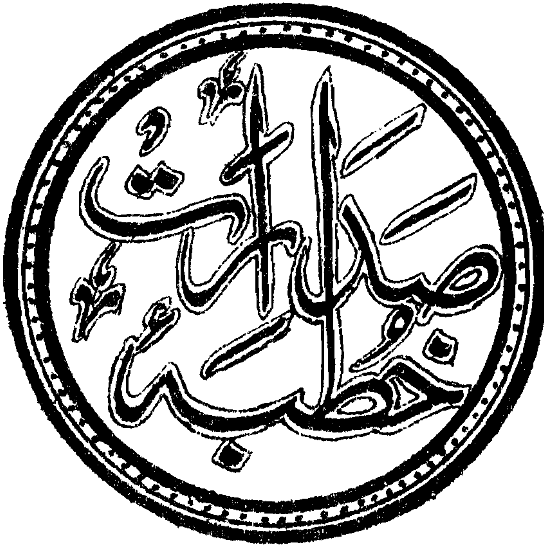
نمبر ۲:- ہندوستان میں جہالت عام ہے۔ عوام ہی نہیں بہت سے وکلاء تک یہی سمجھتے ہیں کہ طلاق کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ تین طلاق کے الفاظ بولے یا لکھے

جائیں۔ اِس صورت میں اگر کوئی شخص حلفیہ یہ بیان دیتا ہے کہ اس کی مراد تین طلاق کے الفاظ سے صرف طلاق دینے کی تھی، تعداد مراد نہ تھی، تو اس کے بیان کو باور کر لینا چاہئے۔

جہاں تک میرے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، آدمی تین طلاق دے یا ہزار۔ اس سے طلاقِ مغلظہ یا بائنہ نہ پڑے گی، صرف ایک طلاق پڑے گی، خواہ وہ تین یا ہزار دینے کی نیّت کرے یا اُس کا مقصود صرف طلاق دینا ہو۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود نہ فتویٰ دینا ہے، نہ بحث ومناظرہ کا باب واکرنا ہے ـــــ یہ اہلِ علم کے غور وفکر کے لئے بصد ادب پیشِ خدمت ہے۔ شاید اس سے انھیں اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے سلسلے میں کوئی مدد مل سکے۔

إن أريد إلّا الإصلاح ما استطعتُ، وما توفيقي إلّا بالله
عليه توكلت وإليه أنيب، وآخر دعونا أن الحمد لله رب العٰلمين



از

جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب

صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت

مقالہ نگار حضرات جب اپنے مقالات سُنا کر فارغ ہو گئے تو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے خطبۂ صدارت پیش فرمایا، جو سیمینار کی اب تک کی کارروائی پر ایک وقیع تبصرہ کی حیثیت رکھتا تھا، نیز جس میں شرکاء سے نقطۂ اتفاق اور نقطۂ اشتراک تلاش کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔ مولانا موصوف کا یہ خطبہ جو تقریر کی صورت میں تھا، افسوس ہے کہ ٹیپ ریکارڈر کی خرابی کی وجہ سے ٹیپ نہ ہو سکا۔ تاہم اس کے جو نوٹ لئے گئے تھے اُن کے پیشِ نظر خطبۂ صدارت کا خلاصہ ذیل میں دیا جا رہا ہے ——

حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اِس مذاکرہ میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ درجہ کے مقالے ہیں۔ مقالہ نگار علماءِ کرام نے نہایت محققانہ انداز میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر بحث کی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کچھ مزید اہلِ علم اس سیمینار میں شرکت فرماتے تو کس قسم کے خیالات کا اظہار فرماتے۔ جہاں تک علماءِ احناف کا تعلق ہے وہ ان مقالات کو پڑھ کر کیا رائے دیتے ہیں؟ اُس پر میں اِس وقت کچھ کہنے کے موقف میں نہیں ہوں۔

زمانے کی ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں سے قطعِ نظر کر کے غور کیا جائے تو طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ میں دو فقہی مسلک (School of thoughts) ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک فقہی مکتب وہ ہے جو یکجائی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دیتا ہے، لیکن دوسرا ایک کے وقوع کا قائل ہے۔ اوّل الذکر کے سامنے جدید حالات و ضروریاتِ زمانہ اور اِس سلسلہ کی دوسری مشکلات لاکھ بیان کریں، لیکن وہ اپنے فیصلہ میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ شوہر کو کس نے مجبور کیا تھا کہ تین طلاق دے۔ لیکن ہمیں اِس وقت ان اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ شریعت کا حکم اصلاً اس سلسلہ میں کیا ہے۔

طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر سیمینار منعقد کرنا ایک نہایت جُرأت مندانہ قدم ہے جس کے لئے اسلامک ریسرچ سنٹر کے ارکان قابلِ مبارکباد ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور حالات و زمانہ کی تبدیلی کے باعث اس کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی

ہیں، اِس لئے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر مختلف مسالک کے علماءِ کرام بیٹھ کر غور کریں اور اُن مشکلات پر قابو پانے کی کوئی سبیل نکالیں جن سے مسلمان دوچار ہیں۔

بمبئی میں جو بے مثال آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن منعقد ہوا تھا اُس کے سامنے بھی یہ مسئلہ کسی نہ کسی حیثیت سے موجود تھا، لیکن اُس وقت ہمیں صرف اِس بات پر غور کرنا تھا کہ مسلم پرسنل لا میں حکومت کو مداخلت یا ترمیم و تنسیخ کا حق ہے یا نہیں — لیکن اِس وقت تین طلاق کا مسئلہ اُبھر کر سامنے آگیا ہے اور جدید حالات کے کچھ تقاضے بھی سامنے آرہے ہیں، ان میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے، اس پر غور ہونا چاہئے اور مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک ریسرچ سنٹر نے یہ قدم اُٹھا کر ایک راستہ کی نشاندہی کردی ہے۔ میری یہ خواہش ہوگی کہ یہاں جو کچھ طے ہو وہ سب اُٹھا کر پرسنل لا بورڈ کے سامنے رکھ دیا جائے۔ اسی طرح اتحاد و تعاون سے کوئی بڑا کام ہوسکتا ہے، ورنہ انتشار پیدا کرنا تو آسان ہے، اتفاق و یکجہتی کی فضا بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ اس سیمینار میں مختلف مکتبِ فکر کے لوگ شریک ہیں، لیکن کوشش کی جائے تو ایک مشترک نقطۂ نظر سامنے آسکتا ہے۔

یہاں جو مقالات پڑھے گئے ہیں اُن کی علمی حیثیت کا جہاں تک تعلق ہے تمام ہی پہلو نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ ان میں حنفی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے، اہلِ حدیث مسلک بھی سامنے آگیا ہے اور ایک طرزِ فکر وہ بھی پیش کیا گیا ہے جو اِن دونوں کے درمیان ہے۔ مولانا عروج قادری صاحب نے حنفی نقطۂ نظر کو وضاحت سے پیش کیا ہے تاہم موصوف نے حالات کے پیشِ نظر ایک اعتدال کی راہ بھی دکھائی ہے۔ مولانا مختار احمد ندوی اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری نے اہلِ حدیث طرزِ فکر سے بحث کی ہے۔ مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب اور مولانا شمس پیرزادے صاحب نے موضوع پر وسیع النظری کے ساتھ بحث کی ہے۔ نیز مولانا حامد علی صاحب نے بڑی کاوش کے بعد ایک گراں قدر اور مبسوط مقالہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں اس سلسلہ کی ایک ایک حدیث کی تنقیح و تنقید مناسب انداز پر کی ہے۔

ائمۂ اربعہ کی نظروں سے مسئلہ کے یہ پہلو کیسے اوجھل رہے؟ یہ بات سمجھ میں

نہیں آتی۔ خصوصاً امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں جنہیں دس لاکھ حدیثیں اسناد و متن کے فرق کے ساتھ حفظ تھیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زمانہ میں کچھ معاشرتی مسائل کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ مسلم عورتیں اپنے غیر مسلم آشناؤں کے ساتھ اسلام چھوڑ کر چلی جا رہی تھیں۔ اس لئے موصوف نے پیش آمدہ مسائل پر علماء سے مشورہ کیا اور "الحیلۃ الناجزۃ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں ان مسائل کا حل تجویز کیا گیا ہے۔

ہمارے علماء پوتے کی وراثت کے سلسلہ میں تو کچھ توسّع پیدا کرتے ہیں، لیکن تطلیقاتِ ثلاثہ کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اِس پر اجماع ہے لہٰذا ترمیم کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ اجماع اِس قسم کا نہیں ہے کہ اس کے بعد کلام کی گنجائش نہ ہو، بلکہ یہ اجماع سکوتی ہے۔

نئے حالات و مسائل ہی نے فِقہ کی تدوین کا احساس دلایا تھا۔ مدینہ میں تو صحابہ کرامؓ کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے کتاب و سُنّت کافی تھے۔ البتّہ جب صحابہؓ آگے بڑھے تو کوفہ و بصرہ وغیرہ میں نئے حالات اور نئے مسائل سامنے آئے۔ چنانچہ علماء مجتہدین نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور فقہ کی تدوین کی اور ساتھ ہی مختلف مسائل کی اصل اور نص واضح کی۔

تطلیقاتِ ثلاثہ کے مسئلہ میں حنفی نقطۂ نظر یہ ہے کہ یکجائی تین طلاقیں تین ہی پڑیں گی۔ لیکن احناف کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ ایک سے زیادہ طلاق اگر تاکید کے لئے ہے یا نیّت تینؔ دینے کی نہیں تھی تو تین واقع نہیں ہوں گی۔ قاضی خان میں "فاءؔ" کی بحث موجود ہے۔ یعنی "فَاَنْتِ طَالِقٌ" کہنے کا کیا اثر طلاق پر پڑتا ہے۔ لوگ جہالت کی وجہ سے تین طلاق دے دیتے ہیں، لیکن ان کی نیّت تین کی نہیں ہوتی۔ اِس لئے یہ مسئلہ قابلِ غور ہے۔ طلاقِ بدعی کو اُسوۂ حسنہ کی حیثیت نہیں دی جانی چاہئے۔ جو لوگ تین کے قائل ہیں اُن کے یہاں بھی ایسی شکلیں ہیں کہ ایک کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ یہاں ہم جو بھی فیصلہ کریں، اتفاقِ رائے سے کریں اور اس بات

کا بھی لحاظ رکھیں کہ کچھ خواتین ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو مرد سے کسی قسم کا تعلق باقی ہی نہ رکھنا چاہتی ہوں۔ علاوہ ازیں اِس سلسلہ میں جو دشواریاں آئندہ پیدا ہو سکتی ہیں، نیز جو غلط فہمیاں ہو سکتی ہیں، ان کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔

طلاق کے صحیح طریقہ کی تشہیر وسیع پیمانہ پر کی جانی چاہیئے۔ اِسلامک ریسرچ سنٹر کو چاہیئے کہ اس سلسلہ میں جدّوجہد کرے۔ اس وقت جو مذاکرہ ہو رہا ہے، ملک میں بہت سے لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں ہے۔ اس کی تشہیر ہونے کے بعد جو مسائل کھڑے ہوں گے، اُن کا ہمیں سامنا کرنا ہوگا۔ بہرحال ہم وقت کے مسائل اور ملت کی ضرورتوں سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے سیمینار اور بھی منعقد کئے جائیں تاکہ مسائل منقح ہوں اور اُن کا حل اُبھر کر سامنے آئے۔

وما علینا الّا البلاغ

طلاق کے معاملہ میں
احتیاط اور اصلاح کی ضرورت



از
شمس پیرزادہ
امیر جماعتِ اسلامی مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رشتۂ نکاح کی اہمیت

نکاح وہ مضبوط بندھن ہے جس میں مرد و عورت ایک عہد و پیمان کے ذریعہ بندھ جاتے ہیں۔ اس بندھن کے معاشرتی زندگی پر نہایت گہرے اثرات مرتّب ہوتے ہیں، اِس لئے اسلام اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں نکاح کو میثاقِ غلیظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (نساء-۲۱) "اور وہ تم سے میثاقِ غلیظ (پختہ عہد) لے چکی ہیں"

اِس رشتہ کو میاں بیوی کے درمیان محبت و اُلفت اور مودّت و رحمت کا ذریعہ بنایا گیا ہے تاکہ دونوں کو راحت و سکون حاصل ہو اور وہ نہایت خوشگوار زندگی بسر کرسکیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم-۲۱) "اور اُس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی"

هُوَالَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (اعراف-۱۸۹) "اُس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے"

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ-۱۸۸) "وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو"

یعنی تمہارے درمیان نکاح کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا جسم اور لباس کے درمیان ہوتا ہے۔ لباس جسم سے متّصل ہوتا ہے، اسی طرح زوجین کے دل ایک دوسرے سے متّصل ہوتے ہیں۔ لباس ستر پوشی کرتا ہے، اسی طرح زوجین ایک دوسرے کی ستر پوشی کرتے ہیں۔ لباس خارجی اثرات سے جسم کو بچاتا ہے، اسی طرح زوجین ایک دوسرے کو عزت پر اثر انداز ہونے والی باتوں سے بچاتے ہیں۔ لباس جسم کے لئے زینت ہے، اسی طرح زوجین بھی ایک دوسرے کے لئے زینت ہیں۔

طلاق دینے میں احتیاط

ازدواجی تعلق کی اِس اہمیت کے پیشِ نظر جو مرد و زن رشتۂ نکاح میں بندھ چکے ہیں، اُن کو باہم جمع رکھنے کی انتہائی کوشش کی جانی چاہیئے۔ لیکن جب موافقت کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنے پر اصرار مناسب نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے علیحدگی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ بالفاظِ دیگر طلاق ایسی صورت میں دی جانی چاہیئے جبکہ ناگزیر ہو۔ بیوی میں اگر کوئی عیب، خامی یا کمزوری موجود ہے تو اس پر طلاق کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے :-

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء ۱۹)

"اُن کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

اگر بیوی میں ایک نقص ہو تو اس کے بالمقابل خوبیوں کے دوسرے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں مثلاً بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت خوبصورت نہیں ہوتی، لیکن خوب سیرت ہوتی ہے۔ لہٰذا تنگ نظری سے کام لے کر عیوب و نقائص کو دیکھنے کے بجائے وسیع النظری سے کام لے کر اُن اچھائیوں اور خوبیوں کو دیکھنا چاہئے جو ازدواجی زندگی کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔ (مسلم)

"کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی ایک عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری عادت پسندیدہ ہوگی۔"

اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عورتیں عموماً جذباتی ہوتی ہیں، اس لئے وہ اُلجھتی زیادہ ہیں۔ اس کا کوئی اثر قبول کرنے کے بجائے مرد کو معاملہ فہمی سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ قوام ہونے کی حیثیت سے اُس کا کام ہی مسائل کو حل کرنا اور اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے موثر انداز میں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے :

اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (متفق علیہ)

"عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو، کیونکہ انہیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دو گے اور اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ اپنے حال پر رہے گی۔ اس لئے عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک ہی کرنا چاہئے۔"

دوسری حدیث میں ہے :-

إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَىٰ طَرِيقَةٍ فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَإِنَّ كَسْرَهَا طَلَاقُهَا۔

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کبھی سیدھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اسی حال میں فائدہ اٹھا سکتے ہو کہ وہ ٹیڑھی رہے۔ تم اسے سیدھی کرنے جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے۔"

طلاق کے اثرات معاشرتی زندگی پر

اسلام نے طلاق کو نہایت ہی ناپسندیدہ چیز قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد)

"اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

طلاق کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور طلاق کے نتیجہ میں متعدد مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں :-

(۱) اگر بیوی سے اولاد ہے تو اُن کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی جُدائی سے بچوں کی نفسیات پر بُرے اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں ۔

(۲) میاں بیوی کے گہرے میل ملاپ کے بعد جدائی سخت ذہنی کوفت کا باعث بن جاتی ہے اور دل بھی زخمی ہو جاتے ہیں ۔

(۳) بیوی کے لئے گذر بسر کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے ہمارے ملک میں جہاں پہلے سے معاشی حالات خراب ہیں اور روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں، ایک عورت کو طلاق کی صورت میں جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

(۴) موجودہ حالات میں عورت کے لئے عقدِ ثانی کرنا آسان نہیں ہے اور عام طور سے اُسے بغیر عقد کئے ہی زندگی گذارنا پڑتی ہے۔ اِس لئے طلاق اُسی صورت میں دینا چاہیے جبکہ بالکل ناگزیر ہو، لیکن آخری طور سے طلاق دینے کا فیصلہ کرنے سے پہلے مصالحت کی ایک کوشش حَکَم کے ذریعہ کی جانی چاہیئے۔ یعنی عورت اور مرد دونوں کی طرف سے ایک ایک نمائندہ ہو جو باہم موافقت کے لئے کوشش کرے۔ اگر خدانخواستہ یہ کوشش کامیاب نہ ہو تو پھر طلاق دینے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

ایسی صورت میں جبکہ طلاق ناگزیر ہو تو طلاق دینے کا شرعی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ: (۱) صرف ایک طلاق دی جائے۔ یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ "میں نے تجھے طلاق دی" یا "تجھے طلاق ہے"۔ بس ایک طلاق دینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ (۲) طلاق دو عادل گواہوں کی موجودگی میں دی جائے۔ (۳) حالتِ طُہر میں طلاق دی جائے۔ یعنی اُن دنوں میں جن میں عورت کو ماہواری آئی ہوئی نہ ہو اور اس حالتِ طہر میں اُس نے مجامعت بھی نہ کی ہو۔ یعنی ماہواری گذرنے کے بعد عورت پاک صاف ہوئی ہو اور اس پاکیزگی کی حالت میں مرد نے مقاربت نہ کی ہو۔ (۴) ایک طلاق دینے کے بعد عدت گذرنے دی جائے۔ عدت تین ماہواری تک ہے۔ یا اگر حاملہ ہے تو وضعِ حمل تک ہے اور جس عورت کو ایام نہ آتے ہوں اُس کی عدت تین ماہ ہے۔ یعنی جس دن طلاق دی تھی اُس دن سے تین قمری ماہ تک۔ عدت کے اندر مرد رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع کے لئے صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ "میں نے رجوع کر لیا"۔ البتہ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں رجوع کیا جائے۔ (۵) عدت کے اندر اگر رجوع نہیں کیا ہے تو عدت گذرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ یعنی مرد کو اب رجوع کا حق باقی نہیں رہا، لیکن مرد اور عورت دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ۔

طلاق کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اس لئے اگر غصّہ کی حالت میں طلاق کا فیصلہ کیا گیا تھا تو عدّت کے گذر جانے کے بعد بھی دوبارہ نکاح کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے اور پچھتانے کی نوبت نہیں آتی۔

قرآن و سنّت کی رُو سے طلاق دینے کا صحیح اور بہترین طریقہ یہی ہے۔

طلاق دینے کا غلط طریقہ

اِس کے برعکس طلاق دینے کا غلط اور غیر شرعی طریقہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں۔ چنانچہ عام طور سے یہ بات سامنے آتی رہتی ہے کہ مرد نے غصّہ میں آکر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالیں۔ ایسی طلاق طلاقِ بدعت کہلاتی ہے جو کتابُ اللہ کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ شریعت نے مرد کو طلاق دینے کا جو اختیار دیا ہے اُس کو اُسی طریقہ پر استعمال کرنا چاہئے جو طریقہ شریعت نے اس کے استعمال کا مقرر کیا ہے۔ اس طریقہ سے ہٹ کر اس اختیار کو من مانے طریقہ پر استعمال کرنا دین کے ساتھ مذاق کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلافِ سُنّت، بدعت اور صریح گناہ کا کام ہے۔ اس سے پھر ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے اور ایک واقع ہونے کا مسئلہ - جو اُمّت کے درمیان بڑا اختلافی مسئلہ ہے - پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اِس مخمصہ میں آدمی اپنے کو ڈالے ہی کیوں؟ لیکن جو لوگ اپنے کو اس مخمصہ میں ڈالتے ہیں وہ اس سے نکلنے کی بڑی قبیح صورت اختیار کرتے ہیں۔ یعنی بیوی کو ایک دن کے لئے کسی کے نکاح میں دے کر حلالہ کرانے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس کو حدیث میں مستوجبِ لعنت قرار دیا گیا ہے۔

عام طور سے لوگ دین کے احکام سے عدمِ واقفیت کی بنا پر یا اس سے بے پروا ہو کر طلاق دینے کا غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں اور نتیجۃً صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ معاشرہ کے لئے بھی مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کے ان اُلجھے ہوئے مسائل کو دیکھ کر اسلام کے مخالفین شریعت اور مسلمانوں کے پرسنل لاء ہی کو نشانہ بنانے اور شرعی قوانین میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان طلاق کے معاملہ میں اسلام کے احکام سے واقفیت حاصل کریں اور حالات سے متاثر ہو کر یا جذبات سے مغلوب ہو کر بیک وقت تین طلاقیں دینے کا غلط اور غیر شرعی طریقہ ہرگز ہرگز اختیار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کے احکام پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالرحمٰن شیخ نے رحیم پریس بمبئی ۸ میں چھپوا کر اسلامک ریسرچ سنٹر احمد آباد ۱ سے شائع کیا۔

اعتراضات کے جوابات

طلاق بندوق کی گولی نہیں ہے

از مولانا سید احمد عروج قادری صاحب ایڈیٹر ماہنامہ زندگی رامپور

(ایڈیٹر ماہنامہ "تجلّی" دیوبند مولانا عامر عثمانی صاحب نے اپنے پرچہ میں مولانا عروج قادری صاحب کے مقالہ پر جو تبصرہ کیا تھا، اس کا جواب مولانا عروج قادری صاحب نے انہیں ایک مراسلہ کی شکل میں روانہ فرمایا ہے۔ ذیل میں اسی مراسلہ کی نقل شائع کی جا رہی ہے ــــ مرتب)

مکرمی و محترمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بیک مجلس یا بیک کلمہ تین طلاقوں کے مسئلہ پر رام پور میں آپ نے جو گفتگو کی تھی میں برابر اس پر غور کرتا رہا اور اب طلاق نمبر کے مطالعہ کے بعد بھی اس پر غور کیا۔ آپ نے میرے دونوں مقالوں پر اجمالاً جو کچھ لکھا ہے، اس کو بغور پڑھنے کے بعد بھی مجھے اپنے موقف میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں اس خط میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس پر آپ غور فرمائیں۔

(۱) سیمینار والے مقالے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی دو باتوں پر آپ نے اعتراض کیا ہے؛ ایک یہ کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہؓ نے پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں تو پھر کس بنیاد پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ:

"اگر طلاق دینے والے نے اس خیال کے تحت تین کی صراحت کے ساتھ طلاق دی ہے کہ اس کے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو ایسی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جانا چاہئے۔"

اس پر آپ نے جو اعتراض کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قانون سے ناواقفیت دین و دنیا کے کسی قانون میں عذرِ معتبر نہیں اور اگر اس طرح کی مفروضہ جہالت جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے، تسلیم بھی کر لی جائے تو لوگوں کا جہل، کسی فعل کی تاثیر میں آخر کیونکر رکاوٹ کیسے بن سکتا ہے۔ اسی بات کو سمجھانے کے لئے آپ نے مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے بھری ہوئی بندوق داغ دے اور گولی کسی انسان کے سینے میں لگ جائے تو وہ زخمی ہو ہی جائے گا۔ بھولے سے داغی ہوئی گولی بے اثر نہیں رہے گی۔

میں پہلے یہ یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہؓ کے حوالے سے میں نے جو بات لکھی ہے

اس کا تعلق علم و فہم کے ساتھ طلاق دینے سے ہے۔ میں نے مقالے کے اخیر میں صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے:

"میں اوپر مقالے میں واضح کر چکا کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں" (سہ ماہی تحقیق، طلاق نمبر، ص ۲۰)

میں نے مزید صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

"جو لوگ یہ جان کر اور سمجھ کر کہ بیک دفعہ و بیک کلمہ تین طلاقیں دے ڈالنے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، تین طلاقیں دے ڈالیں، ایسے لوگوں کی دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص تین طلاقیں دینے کی نیت سے "میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی" کہے تو یہ تین طلاقیں ہوں گی۔ ان کو ایک قرار دینا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے" (ایضاً، ص ۲۰)

ان صراحتوں سے معلوم ہوا کہ میری وہ دونوں عبارتیں جنہیں آپ نے اپنے تبصرے میں نقل کیا ہے، دو صورتوں سے متعلق ہیں اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس یاددہانی کے بعد اب میں آپ کے اعتراض کے سلسلے میں عرض کرتا ہوں۔

میں نے احادیث اور فقہ کا جو مطالعہ کیا ہے اُس سے یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ طلاق، بندوق کی گولی نہیں ہے۔ بیک دفعہ تین طلاقیں دینے والے "جاہل مطلق" کی طلاقوں کو بندوق کی گولی سے تشبیہ دے کر معارضہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ بندوق کی گولی کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی پاگل بھی کسی شخص کے سینے پر تین گولیاں داغ دے تو تینوں اس کے سینے میں پیوست ہو جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالے تو ایک بھی واقع نہیں ہوگی اور اُس پاگل کے الفاظِ طلاق ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے۔

دوسری مثال:- زید سویا ہوا ہے اور بھری ہوئی بندوق اُس کے بغل میں رکھی ہوئی ہے۔ نیند میں اس کا ہاتھ لبلبی پر پڑجاتا ہے، گولی نکلتی ہے اور اُس کی بیوی کو زخمی کر دیتی ہے۔ اور یہی زید نیند میں اپنی بیوی کو ایک، دو، تین طلاقیں دے ڈالتا ہے۔ کیا یہ تین طلاقیں اُس کی بیوی پر واقع ہو جائیں گی؟ نہیں۔ ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

تیسری مثال:- زید نے ناواقفیت میں گنّے کا ایسا رس پی لیا جس میں نشہ پیدا ہو گیا تھا اور اس نشے میں اُس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ یہ طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

چوتھی مثال:- زید نے جان بوجھ کر شراب پی لیکن اس سے اس کے سر میں شدید درد پیدا ہو گیا اور اس نے درد کی شدت میں اپنی بیوی کو طلاق دی۔ یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

پانچویں مثال: - کسی نے زید کے ہاتھ میں بندوق دے کر اُس کو مجبور کیا کہ بکر پر گولی چلا دے۔ اُس نے حالتِ اکراہ میں گولی داغ دی۔ بکر زخمی ہوگیا، گولی اپنا کام کر گئی۔ اسی زید کو کسی نے مجبور کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اُس نے حالتِ اکراہ میں طلاق کی نیّت اور قصد کے بغیر محض مجبوراً اپنی بیوی کو لفظاً طلاق دے دی تو کیا الفاظِ طلاق اپنا کام کریں گے؟ مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ الفاظِ طلاق بے اثر رہیں گے اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر حالتِ اکراہ میں کتابتہً اس نے طلاق دی ہے، یعنی منھ سے طلاق کے الفاظ نہیں نکالے ہیں بلکہ کاغذ پر لکھ دیئے ہیں تو فقہ حنفی کا جواب بھی یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

ان مثالوں سے واضح ہوا کہ طلاق کو بندوق کی گولی سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بندوق سے گولی نکل کر اپنا کام کر جاتی ہے، خواہ بندوق چلانے والا کسی حال میں ہو۔ لیکن لفظِ طلاق ہر حال میں اپنا کام نہیں کرتا۔۔۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو یہ مسئلہ یقیناً قابلِ غور ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جان کر تین طلاقیں دے ڈالے کہ جب تک وہ تین کا لفظ استعمال نہ کرے طلاق واقع ہی نہ ہوگی اور وہ حلفیہ بیان دیتا ہے کہ اُس کی نیّت تین طلاق دینے کی نہ تھی تو کیا اُس کے لفظ کو بندوق کی گولی مان کر اس کو نافذ کر دیا جائے، یا یہ مان کر کہ وہ صرف طلاق دینا چاہتا تھا، تین کے لفظ کو بے اثر مان کر اُس کی نیت کے مطابق ایک طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا جائے؟ ۔۔۔ میں نے پہلے بھی غور کیا تھا اور آپ کا معارضہ سُن کر اور پھر تجلّی میں پڑھ کر بھی غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس صورت میں تین کی صراحت کو غلط فہمی اور دھوکے پر مبنی سمجھ کر طلاق دینے والے کی نیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ فریب خوردہ کے ساتھ رعایت دین و دنیا کے ہر قانون میں معتبر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی نظیر

یہیں کتبِ فقہ میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک چالاک عورت نے اپنے بھولے بھالے شوہر کو دھوکا دے کر اس سے طلاق کے الفاظ کہلوائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاقِ بائن دے دی ہے اور اب انکار کر رہا ہے۔ اُس کے شوہر نے وہاں پہنچ کر اصل واقعہ سنایا تو انہوں نے عورت کو سزا دی اور وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہیں کیا۔ ھدایہ کی شرح فتح القدیر میں یہ واقعہ بایں الفاظ منقول ہے:

وقد روى وكيع عن ابن أبي ليلى عن الحكم بن عُيينة عن خيثمة بن عبد الرحمٰن أن امرأة قالت لزوجها سمّني فسماها الطيبة

"وکیع نے ابن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے حکم بن عُیینہ سے، انہوں نے خیثمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا: میرا کوئی نام رکھو۔ اس نے اس کا نام طیبہ رکھا،

فقالت ما قلت شیئًا فقال هاتِ ما أسمیك فقالت سمّنی خلیّةٌ طالقٌ، قال فأنتِ خلیّةٌ طالق فجاءت إلی عمر فقالت له إنّ زوجی طلّقنی فجاء زوجها فقصّ القصّة فأوجع عمر رأسها وقال له خُذ بیدها وأوجع رأسها۔

عورت نے کہا یہ تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ شوہر نے کہا، تو اب تمہیں اپنا کوئی نام بتا دُوں اُس نے کہا میرا نام "خلیۃٌ طالق" رکھو۔ شوہر نے کہا، "تو خلیۃ طالق ہے"۔ اس کے بعد وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ اُس کے پیچھے اُس کا شوہر پہنچا اور اُس نے پورا واقعہ سُنایا۔ اس کی باتیں کر حضرت عمرؓ نے عورت کے سر پر ضرب لگائی (دُرّہ مارا) اور شوہر سے کہا، اس کا ہاتھ پکڑ اور عورت کے سر پر ضرب لگائی۔

(فتح القدیر ج ۳۔ مطبوعہ مصر، ص ۴۷)

شوہر نے بیوی سے مخاطب ہو کر اس کو "أنت خلیۃٌ طالقٌ" کہا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن سے طلاقِ بائن پڑ جاتی ہے اور یہی اس عورت کا مقصد تھا۔ حضرت عمرؓ نے، دھوکا دے کر کہلوائے ہوئے الفاظِ طلاق کو طلاق تسلیم نہیں کیا۔ شوہر نے نادانی میں دھوکا کھا کر وہ الفاظ کہہ دیئے تھے اُس کی نیّت طلاق دینے کی نہ تھی۔ شاید عورت کو یہ غلط فہمی تھی کہ خواہ جس طرح بھی ہو شوہر کے مُنہ سے وہ اپنے لئے طلاق کا لفظ نکلوا دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے دُرّے نے اس عورت کو بتا دیا ہوگا کہ اُس کا خیال غلط تھا۔ لفظِ طلاق 'بندوق کی گولی نہیں ہے۔

نادانی کی وجہ سے دھوکے میں الفاظِ طلاق مُنہ سے نکالنے کی ایک اور مثال، امام ابن الہمام نے خلاصہ کے حوالہ سے لکھی ہے:

قالت لزوجها اقرأ علیّ۔ اعتدی أنتِ طالقٌ ثلاثًا۔ ففعل طلّقت ثلاثًا فی القضاءِ لا فیما بینه وبین الله تعالیٰ إذا لم یعلم الزوجُ ولم ینوِ۔

عورت نے شوہر سے کہا، تم مجھے یہ الفاظ سناؤ "عدّت گذار تجھے تین طلاق" شوہر نے ایسا ہی کیا تو اگر شوہر الفاظ کا مطلب نہیں جانتا تھا اور اس کی نیّت بھی طلاق دینے کی نہیں تھی تو قضاءً اس عورت پر تین طلاق پڑ جائیں گی لیکن اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

(ایضاً۔ ص ۴۶)

جہالت کی وجہ سے دھوکا کھا کر شوہر نے جو الفاظِ طلاق مُنہ سے نکالے اُس کی وجہ سے قاضی کی عدالت میں تو تین طلاق واقع ہو جائے گی لیکن دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی یعنی طلاق فی الحقیقت واقع نہ ہوگی، لیکن قاضی وقوعِ طلاق کا فیصلہ کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اسی طرح کا واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا اور انھوں نے وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کے ثبوت میں ابن الہمام نے یہ واقعہ فتح القدیر میں نقل کیا ہے تو پھر فریب دہی کے

اس واقعہ میں جس کا ذکر خلاصہ کے حوالہ سے گذرا، قاضی یہ فیصلہ کیوں نہیں کرے گا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی؟ بہرحال فقہ حنفی یہ تو صراحۃً کہہ رہی ہے کہ نادانی کی وجہ سے قصدِ طلاق کے بغیر تین طلاق کے الفاظ منھ سے نکل جائیں تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ اب اگر ہم یہ فیصلہ کریں کہ ایسی صورت میں قضاءً بھی طلاق واقع نہ ہوگی تو حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے پیشِ نظر اس کو بالکل بے اساس اور بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ قاضی ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتا ہے، کیونکہ دل کا حال اُسے معلوم نہیں، لیکن اگر قرینہ موجود ہو تو شوہر کے بیان پر فیصلہ کرنے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک اور مثال کُتبِ فقہ میں موجود ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں "ذخیرہ" کے حوالہ سے لکھا گیا ہے:

وإذا قال لامرأته أنت طالق ولا يعلم أن هذا القول طلاق طلقت في القضاء ولا تطلق فيما بينه وبين الله تعالىٰ

"اور جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا "أنتِ طالقٌ" لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ یہ قولِ طلاق ہے تو اس کی بیوی پر قضاءً طلاق پڑ جائے گی لیکن اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان طلاق واقع نہ ہوگی۔"

(ج ۱، مطبوعہ مصر، ص ۳۵۳)

اس صورت میں بھی کہنے والے کا عدمِ علم حقیقۃً اور دیانۃً وقوعِ طلاق سے مانع بن گیا ہے۔ وہ طلاق کے صریح الفاظ "أنتِ طالقٌ" بولتا ہے اور اس کے معنی بھی جانتا ہے، لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ اصطلاحی طور پر انہیں الفاظ سے بیوی کو طلاق دی جاتی ہے۔ اس جہل کی وجہ سے اس کی بیوی پر دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ کُتبِ فقہ ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن صورتوں میں دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوتی اُن میں مفتی تو عدمِ وقوع کا فتویٰ دے گا البتہ اگر قاضی کے پاس مقدمہ دائر ہو جائے تو وہ وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو "أنتِ طالقٌ" کہے اور پھر بیوی سے یہ بیان کرے کہ میری نیت اس جملے سے یہ تھی کہ تو اس قید یا پابندی سے آزاد ہے جو میں نے تجھ پر لگا رکھی تھی تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف قضاءً طلاق واقع ہوگی، دیانۃً نہ ہوگی۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی نے لکھا ہے:

أي تصح نيته فيما بينه وبين ربه تعالىٰ لأنه نوى ما يحتمله لفظه فيفتيه المفتي بعدم الوقوع. أما القاضي فلا يصدقه ويقضي عليه بالوقوع لأنه خلاف الظاهر بلا قرينة

(شامی ج ۲ مطبوعہ مصر ص ۶۶۰)

"یعنی اس کی نیت خود اس کے اور اس کے بلند و برتر رب کے درمیان صحیح ہے کیونکہ اس نے اس چیز کی نیت کی جس کا احتمال لفظِ طلاق میں موجود ہے، لہٰذا مفتی اس کو یہ فتویٰ دیتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا اور اس کے خلاف وقوعِ طلاق کا فیصلہ کردے گا کیونکہ طلاق دینے والے کا بیان ظاہرِ لفظ کے خلاف ہے اور کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے۔"

علامہ شامیؒ کی یہ عبارت اس لحاظ سے خاصی اہمیت رکھتی ہے کہ اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو قاضی بھی طلاق واقع نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اب میں ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جس میں نادانی و جہل کی وجہ سے دی ہوئی طلاق کے بارے میں فقہاءِ احناف کے ایک گروہ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق قضاءً بھی واقع نہ ہوگی۔ وہ مثال یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے شوہر سے اپنے لئے طلاق کے الفاظ کہلوائے اور شوہر کو ان الفاظ کے معنی معلوم نہیں ہیں، اس صورت میں مشائخ اوزجند کا فیصلہ ہے کہ طلاق بالکل واقع نہ ہوگی، نہ دیانۃً اور نہ قضاءً۔ (بحر الرائق۔ ج ۳۔ مطبوعہ مصر، ص ۲۵۷)

بحر الرائق پر علامہ شامی نے جو حاشیہ لکھا ہے اُس میں تتارخانیہ کے حوالہ سے یہ صراحت کی ہے کہ اوزجند میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور قاضی امام محمود اوزجندی نے شہر کے دوسرے فقہاءِ احناف سے اس مسئلے میں مشورہ کیا اور سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس صورت میں طلاق بالکل واقع نہ ہوگی۔ یعنی اگر مقدمہ قاضی کے پاس جائے تو وہ بھی وقوعِ طلاق کا فیصلہ نہ کرے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشائخ اوزجند نے شوہر کی جہالت اور فریب خوردگی کو قضاءً بھی "عذرِ معتبر" تسلیم کیا۔

یہ تفصیل اس بات کی وضاحت کے لئے پیش کی گئی ہے کہ "جہل فقہ حنفی میں دیانۃً تو عذرِ معتبر ہے ہی بعض حالات میں قضاءً بھی اس کو عذرِ معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔" آپ نے چونکہ مسئلے کا یک رُخا مطالعہ کیا ہے اس لئے یہ مثالیں نظر سے اوجھل رہ گئیں یا آپ نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث میں میں جس نتیجے تک پہنچا ہوں وہ فقہی نقطۂ نظر سے بالکل بے اساس و بے بنیاد نہیں ہے۔ واللّٰہُ اَعلَمُ بِالصَّوَاب

(۲) ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاق بائن مغلظہ ہونے پر اجماع کے دعویٰ کو میں نے اپنے مقالے میں "محلِ نظر" قرار دیا ہے۔ آپ نے مجھ سے اس پر گفتگو کی تھی اور طلاق نمبر میں بھی آپ نے اس پر گفتگو کی ہے۔ اس کے باوجود اس مسئلے کو اجماعی اور قطعی سمجھنا دشوار ہے ــــــ میرے نزدیک دعویٰ اجماع کے محلِ نظر ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت اس مسئلے پر اجماع کا انکار کرتی آرہی ہے۔ (اس سلسلے میں میں نے غلطی سے ابنِ حزم کا نام بھی لکھ دیا تھا میرے حافظے میں "بَعضُ أهلِ الظَّاهِرِ" کے الفاظ محفوظ تھے۔ لکھتے وقت داؤد ظاہری کے بجائے ابنِ حزم کا نام قلم بند ہو گیا۔ اس غلطی پر آپ کی تنبیہ کا میں شکر گذار ہوں۔)

علماء کی جو جماعت دعویٰ اجماع کا انکار کرتی آرہی ہے اس میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ جیسے اساطینِ امت بھی شامل ہیں۔ میں اس کو ایک ثبوت اس لئے مانتا ہوں کہ اگر اس مسئلے پر بلا اشتباہ یقینی طور پر اجماع ثابت ہوتا تو یہ

لوگ اس کا انکار نہ کرتے، کیونکہ کسی مسئلے پر ثابت شدہ اجماع سے انکار گمراہی ہے۔

دعویٔ اجماع کے محل نظر ہونے کا دوسرا ثبوت میرے نزدیک یہ ہے کہ جو علماء وفقہاء ایک مجلس کی تین طلاقوں کے طلاقِ بائن مغلظہ ہونے کے قائل ہیں وہ بھی اپنی کتابوں میں اسے اختلافی مسئلہ قرار دیتے آرہے ہیں اور متعدد صحابہ وتابعین اور اُن کے بعد کے علماء کی طرف یہ منسوب کرتے آرہے ہیں کہ وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک تسلیم کرتے تھے۔ آپ نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

"مدیر زندگی کا اجماع میں شُبہ ظاہر کرنا ظاہراً معقولیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ بجا طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سیکڑوں سال سے اہلِ علم اپنی کتابوں میں اختلاف کا ذکر کرتے ہی آرہے ہیں اور علمائے خلف کی کتابیں بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔

واقعی ایسی صورت میں یہ سمجھنا ہی چاہیئے کہ مسئلہ کسی درجے میں اختلافی ہے، لیکن ہم نے انہیں بتایا کہ یہ فتنے اور اختلاف کا بیج دراصل خوارج اور روافض کا بویا ہوا ہے۔ اس بارہ نام جو بعض کتابوں میں اختلاف کرنے والوں کے درج ہو گئے ہیں، وہ سب دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے اُن میں سے تو کسی ایک کی طرف بھی اختلاف کی نسبت کذب وافتراء کے سوا کچھ نہیں، سفید جھوٹ۔ باقی ناموں میں اکثریت ان کی ہے جو اجتہاد وتفقہ کے بازار میں پھوٹی کوڑی کی بھی قیمت نہیں رکھتے۔ رہے ایک دو، وہ نام جن کی واقعی کوئی اہمیت ہے تو اُن کی طرف اختلاف کی نسبت ہی درست نہیں۔ قوی سندوں سے نقل کا کہیں پتہ نہیں۔ البتہ اجماع ثابت کرنے والی نقلیں قوی ترین اور کثیر سندوں سے مروی ہیں جنہیں جھٹلانا کسی واقفِ فن کیلئے ممکن ہی نہیں۔"

(تجلّی دیوبند، طلاق نمبر، ص ۱۶۶)

گذارش ہے کہ آپ کو اپنی اِس عبارت پر دوبارہ غور کرنا چاہیئے۔ آپ کی تحریر پڑھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن علماء نے اس مسئلے کو اختلافی قرار دیا اور بعض صحابہ وتابعین کی طرف ایک دوسرا قول منسوب کیا ہے، کیا وہ خود افتراء کرتے رہے اور سفید جھوٹ لکھتے رہے ہیں یا وہ اتنے بے خبر رہے ہیں کہ انہیں اس "دھوکے کی ٹٹی، کذب وافتراء اور سفید جھوٹ" کا احساس تک نہیں ہوا؟ آپ کی یہ عبارت علماء وفقہاء کی کثیر جماعت کو کس پوزیشن میں ڈال رہی ہے؟

اب میں ایک اور بات آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس مسئلے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے، اُن کی دلیل کیا ہے؟ اُن کی سب سے بڑی دلیل مسلم شریف کی وہی روایت ہے جس کو ناقابلِ استدلال

ہونے پر یں نے مقالہ شائع کیا ہے اور آپ نے بھی اپنے انداز میں اس کی پُر زور تائید کی ہے ۔ اجماع کا دعویٰ کرنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار بھی کی جاتی رہی ہوں تو اُن کے فیصلے کے بعد اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی، انھیں ایک شمار نہیں کیا جائے گا۔ انعقادِ اجماع کی دلیل یہ ہے کہ کسی نے بھی ان کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ روایت ہی قابلِ احتجاج نہیں ہے تو پھر اس سے اجماع ثابت کرنا کس طرح صحیح ہوگا؟ ۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے اس روایت کے سوا کوئی دوسری ایسی روایت موجود نہیں ہے جو اس مسئلے پر انعقادِ اجماع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہو۔ اس صورتِ حال میں اگر میں نے دعویٰ اجماع کو محلِ نظر قرار دیا ہے تو کیا غلطی کی ہے؟

اس مسئلے پر ایک اور پہلو سے غور فرمائیے ۔ اجماع کی اصطلاح تین قسم کے اجماع کے لئے استعمال کی جاتی ہے :-

(الف) اُن احکام و مسائل پر اجماع جو کتاب و سُنّت کے صریح اور قطعی الثبوت دلائل سے ثابت ہوں۔ جیسے نمازِ پنجگانہ، زکوٰۃ، صومِ رمضان اور حج وغیرہ ۔ ان کے لئے ہی علماء "ثابت بالکتاب والسُّنّۃ والاجماع" کے الفاظ لکھتے ہیں ۔

(ب) کسی مسئلے میں پہلے کچھ اور حکم تھا اور پھر اُس کے خلاف پر اجماع ہو گیا۔ مثلاً پہلے اُمّ ولد کی بیع جائز تھی پھر اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہو گیا۔

(ج) کسی آیت یا حدیث سے مستنبط، اجتہادی مسئلے پر اجماع۔ مثلاً مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر آپ جس اجماع کا دعویٰ با زور دار تائید کرتے ہیں وہ اجماع کی کس قسم میں داخل ہے پہلی قسم میں داخل نہیں اس لئے کہ کوئی اس کا قائل نہیں اور غالباً آپ بھی اس مسئلے کو نمازِ پنجگانہ کی طرح قطعی نہیں سمجھتے ہوں گے۔ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں، اس لئے کہ آپ یہ نہیں مانتے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے سے پہلے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو بہر حال ایک شمار کیا جاتا تھا اور بعد کو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تیسری قسم میں بھی داخل نہیں، اس لئے کہ آپ اس کو اجتہادی مسئلہ تسلیم نہیں کرتے۔ تو پھر غور فرمائیے کہ آپ نے جس زور و شور سے اس مسئلے پر اجماع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ کس قسم کا اجماع ہے؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہے، یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی اور ابتدائے عہدِ فاروقی

میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بہر حال ایک شمار کی جاتی تھیں اور یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کے بعد اس مسئلے پر کوئی اجماع منعقد ہو گیا ہے کہ وہ تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی۔ اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جمہور کے مسلک کے دلائل قوی ہیں، اس لئے ان کا مسلک راجح ہے اور جن لوگوں نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو بہر حال ایک قرار دیا ہے ان کے دلائل ضعیف ہیں، اس لئے اُن کا مسلک مرجوح ہے۔

(۳) مسلم شریف کی روایت پر میرا جو مقالہ شائع ہوا ہے اُس کے تعلق سے آپ نے میری طرف ایک ایسی بات منسوب کی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں دی ہے۔ زبانی گفتگو میں آپ نے مجھے مخاطب کرکے صرف یہ کہا تھا کہ "آپ فقہاء سے خفا کیوں ہیں؟" آپ نے میری کسی عبارت کی نشاندہی نہیں کی تھی، اس لئے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میری کس عبارت میں آپ کو فقہاء کی تحقیر و تخفیف نظر آئی اور میری کس عبارت سے آپ نے یہ معلوم کیا کہ میرے دل میں فقہاء کی طرف سے بدظنی اور کدورت موجود ہے۔ فقہاء کی تعریف اور اُن کے احترام میں آپ کی تقریر و تلقین پڑھ کر احساس ہوا کہ مجھ سے زیادہ خود آپ اس کے مخاطب ہیں۔ زبانی آپ نے فرمایا تھا کہ طلاق نمبر آپ نے بہت نرمی کے ساتھ مرتب کیا ہے، لیکن آپ کی جارحانہ تنقید کی عادت اپنا کرشمہ دکھانے سے باز نہیں آئی ہے۔

جب آپ نے مجھے تقلید کو دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دیا تھا اور اپنی تقلید پسندی کا اقرار کیا تھا تو میں نے ہنستے ہوئے عرض کیا تھا کہ آپ کسی مسئلے میں مقلدِ جامد بن جاتے ہیں اور کسی مسئلے میں مجتہدِ مطلق ہو جاتے ہیں۔ اب مزید عرض کرتا ہوں کہ اگر میں تقلید کو دانتوں سے پکڑے رہتا تو مسلم شریف کی روایت پر وہ مقالہ کبھی تیار نہ ہوتا جس کو آپ نے بھی "بہت اچھا" کہا ہے۔ اور اگر آپ خود تقلید کو دانتوں سے نہ چھوڑتے تو طلاق نمبر مرتب نہ ہوتا۔ میں بھی اپنے آپ کو مجتہد نہیں سمجھتا جس طرح آپ اپنے کو مجتہد نہیں سمجھتے۔ اس حقیر کو بھی یہ علم ہے کہ اجتہاد کا درجہ بہت بلند ہے۔

اجماع کا غلط دعویٰ

از: مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فاضلِ دیوبند

پہلا اعتراض: - طلاقِ ثلاثہ کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس میں تو کوئی فرق نہیں کہ یہ دونوں ہی امام وقوع کے قائل ہیں، مگر اس میں اختلاف ہے کہ بیک کلمہ طلاق دینا حرام و معصیت ہے کہ نہیں۔ امام شافعیؒ اس کو حرام و معصیت نہیں مانتے بخلاف امام ابوحنیفہؒ کے کہ وہ اس کو طلاقِ بدعی کہتے ہیں اور اس کے مرتکب کو معصیت کار اور گنہگار سمجھتے ہیں ——— اب سوال پیدا ہوا کہ اگر احناف اس کو معصیت کہتے ہیں تو اس کے دلائل کیا ہیں؟ اس سلسلے میں محققین علماءِ احناف متعدد دلائل و براہین کے علاوہ تین طلاق کے معصیت ہونے پر قرآن پاک کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے، پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو بیوی مراجعت کے قابل نہیں رہی۔ یہاں لفظ مَرَّتَانِ کا مطلب یہ ہے کہ مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ، یعنی طلاق یکجا نہ دی جائے۔ بلکہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ اگر ایک ہی مرتبہ میں تین دے دی گئیں تو بیوی حرام ہوگی مگر طلاق دینے والا قرآن کی اس آیت کی مخالفت کے باعث گنہ گار ہوگا۔ امام شافعیؒ کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام و معصیت نہیں۔

یہی باتیں سیکڑوں برس سے احناف کے چوٹی کے علماء لکھتے آ رہے ہیں اور ان میں یہ بات مسلّم تھی کیونکہ مقصد امام شافعیؒ کا رد تھا۔ اب جبکہ یہی استدلال ان لوگوں کے حق میں جا رہا ہے جو تین کو الگ الگ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیک کلمہ تین طلاقیں کم سے کم تین نہیں سمجھی جائیں گی کیونکہ یہ تین مرتبہ نہیں واقع کی گئی ہیں ——— تو اب مولانا عامر عثمانی صاحب احناف کی ان متفقہ تصریحوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اصرار کر رہے ہیں کہ ان بزرگوں نے جو کچھ سمجھا غلط سمجھا۔ یہاں بھی یہ اثنین ہی کے معنی میں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس کا احتمال تھا کہ مرتان یہاں اثنین کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے تو آخر اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ کے باوجود محققین احناف کیوں لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ مرتان، اثنین کے معنی میں نہیں ہے ——— مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ چلئے آپ نے اثنین کے معنی کا بیڑہ اٹھایا تھا، کوئی حرج نہیں تھا اگر دلائل معقول دیئے ہوتے۔ بعض ایسی باتیں آپ اس سلسلے میں لکھ گئے ہیں جس سے ہمیں سخت حیرت ہوئی۔ مثلاً آپ لعان کا

جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ "وہ تمام احکام جن میں کسی عدد کا ذکر ہوتا ہے، دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن میں تعدّدِ عمل مقصود ہو اور ایک وہ جن میں مجموعی تعداد مقصود ہو۔" اس کے آگے آپ نے پہلی شکل کی مثال میں اذان و اقامت، رکعاتِ نماز اور پانچ وقت کی نمازوں کی مثال دی ہے اور دوسری شکل کی مثال میں آپ نے مسکینوں کو کھانا کھلانا اور زکوٰۃ کا تذکرہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہاں تعدّدِ عمل مقصود نہیں بلکہ مجموعی تعداد پیشِ نظر ہے۔ چاہے زکوٰۃ کے سو روپے ایک ہی شخص کو دو یا الگ الگ تو زکوٰۃ بہرحال ادا ہو جائے گی۔ آپ مزید آگے یہ بتلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق والا مسئلہ بھی تعدّدِ عمل کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اُن اعمال کے قبیل سے ہے جن میں مجموعی تعداد پیشِ نظر ہوتی ہے — آپ لکھتے ہیں کہ "اس کے برخلاف طلاق کا معاملہ یہ ہے کہ تعدّدِ عمل کا مقصود ہونا تو دور کی بات ہے، طلاق سرے سے اللہ و رسول کو پسند ہی نہیں ہے اور وہ اسے حلال چیزوں میں سب سے خراب چیز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے طلاق مت دو، مفاہمت و مصالحت کر لو، صبر و تحمل سے کام لو۔ آخری درجہ میں جب کوئی صورت نباہ کی نظر نہ آئے تب ہی طلاق کا استعمال کر سکتے ہو۔"

ہمارا اصل جواب تو بعد میں آ رہا ہے مگر سب سے پہلے اس لفظ پر غور کر لیجئے کہ "طلاق میں تعدّدِ عمل کا مقصود ہونا دُور کی بات ہے۔" اگر یہی بات صحیح ہے تو آخر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ایک طلاق طُہر کی حالت میں دینا طریقۂ سُنّت اور امرِ محمود ہے اور اگر تین طلاق بیک کلمہ یا ایک ہی طلاق بحالتِ حیض دی جائے تو معصیت اور گناہ ہے — سوال یہ ہے کہ جب طلاق میں تعدّدِ عمل مقصود نہیں تو سُنّت و بدعت کا کیا سوال ہے؟ جس طرح زکوٰۃ چاہے ایک فقیر کو دو یا دس کو، سب یکساں۔ کسی میں بھی گناہ نہیں۔

جواب سے پہلے ہم ناظرین سے عرض کریں گے کہ وہ تجلّی طلاق نمبر صفحہ ۵۳ سے آگے تک مطالعہ کر لیں، کیونکہ مولانا کا یہ جواب جو انھوں نے لعان کی قسموں کے سلسلے میں دیا ہے، کئی صفحوں تک پھیلا ہے۔ اس کے بعد ہمارا یہ جواب پڑھ لیں کہ طلاق کا تعلق انہیں افعال و اعمال سے ہے جن میں تعدّد مقصود ہوتا ہے —

افعال دو طرح کے ہوتے ہیں، جیسا ابھی آپ نے پڑھا۔ ایک وہ کہ آنِ واحد میں صرف ایک ہی فعل کا صُدور ممکن ہے۔ وقتِ واحد میں ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ مثلاً کوئی ہم سے کہے کہ تم سَو قدم جا کر آؤ — ظاہر ہے کہ سَو قدم جانا آنِ واحد میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس قسم کے افعال کو تفریق پر ہی محمول کیا جائے گا۔ چاہے مرّۃً اور مرّات کا لفظ ہو یا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرمائیں کہ ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت پڑھو تو چونکہ تین رکعت اور چار رکعت وقتِ واحد میں محال ہے لہٰذا اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جائے کہ

چاہے ثَلٰثَ مَرّاتٍ یا اَربَعَ مَرّاتٍ کا لفظ ہو یا نہ ہو، محمول تفریق پر ہی کیا جائے گا۔ اب رہے وہ افعال جو آنِ واحد میں ایک بھی واقع ہو سکتے ہیں اور متعدد بھی، تو بحث اسی میں ہوگی کہ شریعت کا آخر منشا کیا ہے؟ آیا ایک مرتبہ میں ادا کیا جائے یا متعدد مرتبہ میں۔ جیسے زکوٰۃ ہے، طلاق ہے، مساکین کو کھانا کھلانا ہے، اذان واقامت کے کلمات ہیں۔ آنِ واحد میں ایک فقیر کو ایک روپیہ بھی دیا جا سکتا ہے اور ہزار بھی۔ آنِ واحد میں ایک عورت کو ایک طلاق بھی دی جا سکتی ہے اور تین بھی۔ اب اگر شریعت مصارفِ زکوٰۃ میں سَبعَ مَرّاتٍ کا لفظ استعمال کرتی تو لامحالہ تفریق پر ہی محمول کیا جاتا۔ جس طرح اذان واقامت کے کلمات میں مَرَّتَین مَرَّتَین کا لفظ روایتوں میں آتا ہے۔ مگر چونکہ شریعت نے زکوٰۃ، اِطعامِ مساکین، اداءِ قرض وغیرہ کے لئے کہیں تخصیص نہیں کی کہ الگ الگ مرتبوں میں دو۔ اس لئے وہاں مجموعی حالت پیشِ نظر ہوگی۔ بخلاف اس کے طلاق کے سلسلے میں فرمایا گیا اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اور کلماتِ اذان واقامت کے سلسلے میں ابنِ عمر کی جو روایت آتی ہے وہ یہ ہے کہ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَرَّۃً۔ لہٰذا طلاق کے معاملے کو کسی طرح بھی اداءِ قرض، زکوٰۃ، اِطعامِ مساکین وغیرہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا اعتراض:۔ جو لوگ اس مسئلے پر غور کرنا چاہتے ہیں وہ اجماع کی بحث کو بھی اُٹھائیں۔ ہمارے علماء اب تک یہی لکھتے آرہے ہیں کہ اجماع سکوتی ہے جو بہرحال اجماعِ تقریری سے کم ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اجماعِ سکوتی کے حُجت ہونے میں ہی سرے سے امام شافعی کا اختلاف ہے، وہ اجماعِ سکوتی کو حُجت نہیں مانتے۔

یہاں ہم علامہ ابنِ رشد قرطبی کی بدایۃ المجتہد سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔

وکان الجمھور غلبوا حکم التغلیظ فی الطلاق سدّا للذریعۃ ولکن تبطل بذلک الرخصۃ الشرعیۃ والرفق المقصود فی ذلک اعنی فی قولہ تعالیٰ "لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا"	"جمہور نے سدِّ ذریعہ کے طور پر تین طلاق کو مغلظہ مان لیا ہے۔ حالانکہ اس سے خدائے پاک کی وہ رحمت وشفقت اور وہ رُخصت بھی ختم ہو جاتی ہے جو اللہ کے اس قول میں ہے: لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا"

(ج ۲، ص ۶۲ مطبوعہ مصر)

مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ نے الگ الگ طلاق دینے کی مصلحت یہ بتلائی ہے کہ شاید تمہارے دل مل جائیں اور تمہیں اس پر ندامت ہو۔ لہٰذا پھر سے ملنے کی کوئی شکل باقی رہنی چاہئے۔ ابنِ رشد کا کہنا ہے کہ اب اگر ایک طہر میں ادا کی گئی تین طلاق کو بھی تین مرتبہ کی طلاق کا درجہ دے دیا جائے تو یہ رُخصت باطل ہو جاتی ہے۔

گویا اُن کا صاف رجحان اس طرف ہے کہ تین کو ایک کہنے والا قول ہی اللہ کی رخصت اس کی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔ علامہ ابن رشد کوئی آٹھویں صدی کے نہیں بلکہ ان کی پیدائش ۵۲۰ھ میں ہے اور وفات ۵۹۵ھ میں۔ گویا چھٹی صدی ہجری کے عالم اور وہ بھی ایسے کہ جن کا شمار چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے۔

دوسری بات حلالہ کا مسئلہ ہے ہم نے اپنے مقالہ میں اس کے متعلق بھی کچھ معروضات پیش کی تھیں۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا عامر صاحب نے تحلیل کے مسئلہ پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس طرح تین طلاق دینے سے تین پڑ جانے کا مسلک جمہور کا ہے۔ اسی طرح بشرط تحلیل کیا ہوا نکاح سرے سے جمہور کے نزدیک نکاح ہی نہیں۔ مولانا مودودی بھی صاف طور سے اس کے منکر ہیں۔ امین احسن اصلاحی بھی اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اگر تین طلاق کو ایک کہنے کا خیال جمہور کی مخالفت ہے تو بشرطِ تحلیل کئے ہوئے نکاح کو درست کہنا بھی جمہور کی مخالفت ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون طریقہ فرمایا، کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی۔ اس کو ہمارے فقہائے کرام ماجور عند اللہ کا فتویٰ دیں۔ جواہر التعالیہ کے اندر وہ فتاوے مذکور ہیں۔

تیسرا اعتراض: اب آئیے اجمالاً اس طرف کہ مولانا عامر عثمانی صاحب نے پہلا اعتراض ابوداؤد والی روایت پر جو عکرمہ سے منقول ہے کیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ ہماری اتنی بڑی غلطی ہے کہ کوئی سلیم الطبع اور انصاف پسند عالم ہمارے مقالے کو بادلِ ناخواستہ ہی پڑھے گا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے ابوداؤد کی وہ سب تشریحات نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل تھے۔ اس کے بعد وہ اصل قابلِ بحث عبارت نقل کرتے ہیں: "حماد ابن زید نے ایوب سے، ایوب نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے ابنِ عباس سے یہ نقل کیا کہ جب تو ایک زبان میں بیوی سے یوں کہے کہ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، تو یہ ایک ہی طلاق ہوگی۔ لیکن اسمٰعیل بن ابراہیم، ایوب سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس کا نہیں، عکرمہ کا ہے۔ عکرمہ نے اسے ابن عباس کا قول کہہ کر بیان نہیں کیا۔ ابنِ عباس کا اس طرح کا قول جو کچھ ہے وہ تو اس سے مختلف ہے۔ ملخصاً"

اس کے بعد مولانا عامر صاحب لکھتے ہیں: "دیکھا آپ نے، خود امام ابوداؤد صراحت کر رہے ہیں کہ یہ فَمِن وَاحِدَةٍ والا قول ابن عباس کا نہیں ہے لیکن محفوظ الرحمٰن صاحب پوری بے تکلفی سے ابنِ عباسؓ کا فرمودہ کہہ کر نقل فرما رہے ہیں اور پوری روایت چیخ چیخ کر جو کچھ کہہ رہی ہے، اُس کی صدا ان کے کانوں میں نہیں پہنچ رہی ہے۔ اس طرزِ عمل کو دہی کچھ نام دیں۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔" یہاں پہنچ کر ناظرین ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ

مولانا عامر صاحب کا کہنا ہے کہ تین طلاقوں کے ایک سمجھنے کا خیال آٹھویں صدی کے قبل تک کسی بھی قابلِ ذکر فرد کا نہیں، مگر ابوداؤد کی اس عبارت کو غور سے پڑھ جائیے، مان لیا کہ فَمٍ وَاحِدٍ والا قول ابن عباس کا نہیں ہے، مگر اسی عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ عکرمہ بہرحال اس کے قائل تھے۔ چنانچہ اسمٰعیل ابن ابراہیم خود ایوب سے یہ بات نقل کر رہے ہیں اور خود امام ابوداؤد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جی ہاں، ابن عباس تو نہیں مگر عکرمہ اس کے قائل تھے اور جس روایت میں عکرمہ کا انتساب ابن عباس کی طرف ہے، وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح بات وہ ہے جو اسمٰعیل بن ابراہیم، ایوب سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عکرمہ کا اپنا قول ہے۔ اگر ابوداؤد عکرمہ کا مسلک یہ نہیں سمجھتے تو ایسی روایت ہی کیوں ذکر کرتے جس سے ابن عباس کی طرف انتساب تو غلط ہو جائے مگر عکرمہ کے لئے ثابت ہو جائے۔ مولانا عامر عثمانی صاحب عکرمہ پر ہزار تنقید کر گذریں، مگر اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ ان کی انتہائی محبوب شخصیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی عکرمہ کو الجہاد فی الاسلام میں امام المفسرین لکھا ہے اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اعیان الحجاج میں فقہ کا امام بنایا ہے۔

اب آئیے اصل بات کی طرف۔ ہم نے ابوداؤد کی مذکورہ بالا عبارت کا حوالہ اس لئے دیا ہے کہ جس پیچیدگی کو ابوداؤد رفع کرنا چاہتے ہیں، وہ جوں کی توں ہے۔ انھوں نے ابن عباس کی طرف منسوب شدہ فمِ واحد والے قول کا جو مطلب بیان کیا ہے، وہ درست نہیں۔ یعنی کہ یہ غیر مدخول بہا عورت کے لئے ہے۔ جیسا کہ خود عامر صاحب نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ یعنی ابن عباس تین طلاق کو اس وقت ایک مانتے تھے، جبکہ وہ ایسی عورت کو دی گئی ہو جس سے ابھی خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ چلئے مان لیا کہ ابن عباس غیر مدخول بہا کی تین طلاق کو ایک سمجھتے تھے۔ مگر کیا عامر عثمانی صاحب غیر مدخول بہا والی روایت کو جسے ابوداؤد نے پیش کیا ہے، صحیح سمجھتے ہیں؟ اگر صحیح سمجھتے ہیں تو ہمارے ان اعتراضات کا جواب لائیں جو اوپر اس روایت کی بابت ہم نے کیا ہے۔ اسی روایت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بار بار یہ حرکت کرنے لگے ہیں تو انہوں نے حکم جاری کیا کہ اب یہ تینؔ، تینؔ ہی مانی جائیں گی۔ آخر وہ کون سی تین طلاق تھی جسے حضرت عمرؓ نے تین کا درجہ دیا؟ اگر متفرق جملے والی تین طلاق مراد ہے یعنی أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ، أَنْتِ طَالِقٌ۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ غیر مدخول بہا کی ایک طلاق بائنہ ہوتی ہے۔ بائنہ ہو تم گئے بعد اب عورت محلِ طلاق میں نہیں رہی، لہٰذا باقی دو طلاقیں لغو ہو گئیں۔ جیسا کہ امام صاحبؒ کا مسلک ہے، تو آخر حضرت عمرؓ نے لغو طلاق کس طرح نافذ کر دی؟

اور اگر تین طلاق سے مراد اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا ہے تو آخر دورِ نبوت اور دورِ صدیقی کے تعامل کو حضرت عمرؓ نے کس مصلحت سے بدلا۔ وہ کوئی شارع اور قانون ساز تو تھے نہیں۔ پھر قانون سازی بھی ایسے مسئلے میں کہ جس میں دورِ رسالت اور دورِ ابوبکرؓ کا تعامل موجود ہو۔ جب مسلم شریف کی روایت ابوالصہباء کے متعلق ہم کچھ عرض کرتے ہیں تو فوراً وہی اعتراض ہم سے کیا جاتا ہے۔ پھر آخر آپ اس غیر مدخول بہا والی روایت کا کیا جواب رکھتے ہیں۔ کسی حدیث کو مخالف کے خلاف پیش کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جب ہی تو پیش کر رہے ہیں، ورنہ اگر خود آپ کے نزدیک وہ روایت غلط ہو تو کیا حاصل اس کے پیش کرنے کا؟ اب آپ ہمیں واضح طور سے دو ٹوک انداز میں یہ بتائیے کہ حضرت عمرؓ کے لئے دورِ رسالت اور دورِ صدیقی کے تعامل کا بدلنا اس روایت سے بالکل واضح ہے۔ آخر حضرت عمرؓ نے ایسا کیوں کیا؟

خود آپ نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک اور خود ابنِ عباسؓ کے نزدیک بھی اگر صریح عدد کے ساتھ دی جائیں تو غیر مدخول بہا پر بھی تین ہی پڑیں گی۔ (تجلّی، ص ۴۹) ـــ سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی جمہور علماء اور خود آپ کیوں اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں؟ کیا حدیث کے خلاف بھی کسی کی رائے کا کچھ اعتبار ہے؟ یا تو جمہور علماء کا مسلک غلط ہے، یا آپ حضرات کی یہ توضیح غلط ہے کہ فمِ واحد والا جو قول ابنِ عباس سے منسوب ہے، وہ غیر مدخول بہا کے لئے ہے۔

یہ ہے ہماری وہ بنیاد جس کی وجہ سے ہم نے حوالہ دیا ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ ابوداؤد دونوں باتوں کی تطبیق میں ناکام رہے ہیں ـــ آپ حضرات کہیں گے کہ عجیب تماشے کی بات ہے کہ آج کے معمولی پڑھے لکھے لوگ اٹھتے ہیں اور محدثینِ کبار کی رایوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ اختلاف پہلے ہی سے آرہا ہے، ہم تو محض وضاحت اور شرح کرنے والے ہیں۔ آخر ناظرین بھی تو جانتے ہوں گے کہ عامر عثمانی صاحب نے امام بخاریؒ پر بھی تنقید کی ہے کہ ان سے چوک ہوئی، امام مسلمؒ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ ابوالصہباء والی روایت کا مسلم میں لانا ان کی غلطی ہے۔ حالانکہ وہی روایت ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ لہٰذا یہ الزام ان سب پر عائد ہوگا، علامہ ابنِ حجرؒ کے خلاف بھی آپ بولے ہیں ـــ لہٰذا اگر امام ابوداؤد کے خلاف ہم نے ایک رائے نقل کردی تو کون سی قیامت آگئی۔

امام ابوداؤد ہی نے لکھا ہے۔ لَاطَلَاقَ فِي إِغْلَاقٍ کہ اس حدیث میں جو لفظ إِغْلَاقٍ ہے أَظُنُّهُ فِي الْغَضَبِ، میرا خیال ہے کہ اغلاق کے معنی یہاں غضب کے ہیں۔ مطلب اس حدیث کا

امام ابوداؤدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ غضب میں دی گئی طلاق، طلاق ہی نہیں سمجھی جائے گی۔ حالانکہ خود احناف کا مسلک اس تصریح کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک طلاق چاہے غصہ میں ہو یا ہنسی مذاق میں یا جہالت اور انجانے میں، سب واقع ہو جاتی ہیں۔ معلوم کیا ہوا کہ امام ابوداؤدؒ کی ہر رائے کو خود علامہ عثمانی بھی نہیں مانیں گے لہٰذا یہ توقع ہر ایک سے کیوں کی جائے کہ امام ابوداؤدؒ کی ہر تصریح اور وضاحت کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لے۔

چوتھا اعتراض:- اس کے بعد مزید اعتراض کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے:

"مولانا (محفوظ الرحمٰن) اب حدیثِ رکانہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں اور بلا تکلف فرماتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور حضورؐ نے اُن کو مراجعت کا اختیار دیا۔ ہم اس حدیث پر گفتگو کر آئے ہیں، دیکھ لیجیے! معاملہ صریحاً کیا ہے اور دکھلایا کیا جا رہا ہے۔ مولانا معاف کریں جس بات کو خود وہ بے تکلفی سے صریحاً فرما رہے ہیں وہ اتنا صریح نہیں ہے۔ آئیے ہم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے کچھ گوشے رکھ دیں۔

مُسندِ احمد میں ہے کہ "رکانہ بن عبد یزید مطلبی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دیں پھر بہت ہی غمگین ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ کس طرح تم نے طلاق دی؟ عرض کیا کہ میں تو تین طلاقیں دے چکا۔ آپ نے فرمایا، ایک ہی مجلس میں؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ حضور نے فرمایا، تمہیں صرف ایک کا اختیار تھا۔ اگر چاہو تو رجوع کر لو۔ چنانچہ انھوں نے رجوع کر لیا۔"

امام احمدؒ اس کی سند کو صحیح اور حسن بتلاتے ہیں، چنانچہ جس روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنی صاحبزادی کو حضرت ابوالعاصؓ پر نئے نکاح اور نئے مہر سے لوٹایا اسے آپ ضعیف کہتے ہیں۔ ہاں اُس حدیث کی امام احمد نے تصحیح کی ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضورؐ نے انہیں پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔ جبکہ یہ حدیث اور رکانہ بن عبد یزید کی جو حدیث اوپر مذکور ہوئی، دونوں کی سند ایک ہے۔ خود امام ترمذیؒ اس کی سند کی بابت فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ ڈر اور خوف نہیں۔ اسی حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن قیمؒ فرماتے ہیں: یہ حجت و دلیل ہے جس کے خلاف اس سے زیادہ قوی روایت کوئی نہیں۔

مزید یہ کہ اس کی تائید کچھ ایسی روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو سند میں اسی جیسی ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ رکانہ اور اُس کی بہنوں کے باپ عبد یزید نے اُمِ رکانہ کو طلاق دی اور قبیلہ مُزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ وہ آنحضرتؐ کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے، یہ شخص مجھے صرف اتنا ہی فائدہ دیتا ہے جتنا میرے سر کا یہ بال۔ آپ مجھ میں اور اُس میں علیحدگی کرا دیجیے۔ آنحضرتؐ کو حمیت آ گئی۔ رکانہ اور اُس کے بھائی بہنوں کو

بلوایا اور مجلس کے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ دیکھو یہ عبد یزید سے مشابہت رکھتا ہے اور اس میں فلاں فلاں بات اس کے مشابہ ہے۔ سب نے کہا: بیشک یہ لڑکے اپنے باپ کے مشابہ ہیں۔ پھر حضور نے عبد یزید سے فرمایا: تم اسے طلاق دیدو۔ انہوں نے تعمیل کی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: اپنی پہلی بیوی اُمِ رکانہ سے رجوع کر لو، تو انھوں نے کہا: حضور میں تو تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، تم اس سے رجوع کر لو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يَآ اَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ۔ (اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں دو) یعنی تین طلاقوں کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے۔

ابوداؤد میں یہ روایت بھی مل جائے گی کہ عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر حضورؐ نے انھیں ان کی طرف لوٹا دیا۔ امام ابوداؤد نے طلاق بتہ والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کی ترجیح میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ یہ روایت ان کی اولاد کی ہے اور انسان کو اپنے خاندان کا پورا علم ہوتا ہے۔ مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد نے چونکہ وہ روایت نہیں بیان کی جو مسند کے حوالہ سے ابھی ہم نے اوپر نقل کیا۔ اس لئے انھوں نے کہا کہ حدیث بتہ زیادہ صحیح ہے۔ حالانکہ حدیث بتہ کے سلسلے میں حدیث و فقہ کی علتوں کے ماہرین اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً امام احمد، امام ابوعقیل، امام بخاری رحمہم اللہ ان سبھوں نے بتہ والی حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں جن کی عدالت و ضبط معلوم نہیں۔ امام احمد نے تین طلاق والی روایت کو ثابت کیا ہے اور اس کا درست ہونا بیان کیا ہے۔ وہ تو صاف کہتے ہیں کہ جس روایت میں ہے کہ طلاقِ بتہ دی گئی وہ ثابت نہیں، بلکہ امام احمد تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ "بتہ کی روایت کوئی چیز نہیں"۔

اثرم نے جب امام احمدؒ سے طلاق بتہ کے سلسلے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا "یہ ضعیف ہے"۔

علامہ شوکانیؒ جن کا حوالہ مولانا عامر عثمانی صاحب نے دیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ وہ طلاقِ بتہ والی روایت کو ثابت مانتے ہیں، مگر ساتھ ہی رد بھی کر دیتے ہیں دو وجہوں سے، ایک تو مضطرب ہونے کی وجہ سے، دوسرے صحیح حدیثوں کے معارض ہونے کی وجہ سے۔ اضطراب کے لئے وہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی نسبت امام بخاریؒ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: یہ حدیث مضطرب ہے۔ (انتھی)۔ علامہ شوکانیؒ مزید فرماتے ہیں اس بتہ والی حدیث کی سند میں زبیر بن سعید ہاشمی ہیں اور ایک سے زیادہ محدثین نے اسے ضعیف ہی نہیں

بلکہ متروک الحدیث بتلایا ہے۔ مزید وہ فرماتے ہیں کہ مضطرب اس لئے بھی ہے کہ "بتہ" کے علاوہ "ثلاثاً" کی روایت بھی آتی ہے اور وہی حدیث مسند احمد کی نقل کی ہے جو اوپر گذری، ابن اسحق عن رکانۃ کی یہ روایت بھی انہوں نے تعارض کے سلسلے میں ذکر کی ہے۔ قَالَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ انّی طلّقتہا ثلاثاً قال قد علمتُ ارجعہا ثم تلا "اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ" الخ۔

یہ وجہ تو انھوں نے مضطرب ہونے کی نقل کی ہے، معارض اس طرح ثابت کیا ہے کہ یہ بتہ والی حدیث مسلم کی روایت ابو الصہباء کے خلاف بھی پڑتی ہے جو صحت میں اس سے زیادہ بڑھ کر ہے اور متن خاص اِس کا اُس سے بہت واضح اور صاف ہے، کوئی خفلا ہی نہیں ـــ محمود بن لبید کی وہ روایت جو نسائی میں ہے، اس سے بھی اس کا معارض ہونا ثابت کیا ہے۔ یعنی وہ مشہور حدیث اَیُلعب بکتاب اللّٰہ وانا بین اَظہرکم اس روایت کے متعلق شوکانیؒ فرماتے ہیں، قال ابن کثیر اسنادہٗ جیدٌ وقال الحافظ فی بلوغ المرام رُواتہٗ موثوقون۔

غرضیکہ البتہ" والی روایت کو اصح بتانے کے بعد بھی ان وجوہات سے انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔
بہرحال اس تصریح سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ بات اتنی واضح اور صریح نہیں جتنا عامر عثمانی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں۔ بات اتنی واضح ہوتی تو ائمۂ حدیث اس قدر ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوتے۔ آپ کو بیشک حق ہے کہ جس روایت کو اپنے مفید مطلب جانیں، ترجیح دینے کی کوشش کریں، مگر اس سلسلے میں دیگر لوگوں کو ایک دم جاہل اور اجہل نہ فرض کرلیں۔

پانچواں اعتراض :- رہا ابن تیمیہؒ والے استدلالِ لعان پر اعتراض، تو اس کا جواب ماسبق میں عرض کیا جاچکا۔ مولانا کے سارے استدلال کا مبنیٰ یہ ہے کہ طلاق میں تعددِ عمل مقصود نہیں، لہٰذا ایک ساتھ بھی تین طلاقیں دی جاسکتی ہیں، جس طرح ہزار روپے زکوٰۃ کے ایک ہی وقت میں ایک ہی فقیر کو دیئے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ کھلی بات ہے کہ بحث تین طلاقوں میں چل رہی ہے کہ آیا اسے ایک ساتھ دیا جائے یا نہیں، قرآن و حدیث میں واضح طور سے فرمادیا گیا کہ تین طلاق ایک ساتھ نہ دی جائے بلکہ الگ الگ طہروں میں دی جائے تو آخر تعددِ عمل مقصود کیوں نہیں ہوا؟ لہٰذا جس طرح لعان کی قسموں وغیرہ کے معاملے میں تعددِ عمل کے مقصود ہونے کی وجہ سے محض اس طرح کہہ دینے سے کہ میں چار قسم کھاتا ہوں، چار نہیں ہوگی، تو اس طرح یہ کہہ دینے سے کہ میں تین طلاق دیتا ہوں، کس طرح تین پڑجائے گی۔ جبکہ فَاِنْ طَلَّقَہَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ اور یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا

طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ الخ میں تفویق ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چھٹا اعتراض:- رہا علامہ آلوسی کی عبارت هٰذہٖ مسئلۃٌ اجتہادیۃ کانت علیٰ عہدہٖ الخ اس میں واقعی غلطی ہوئی ہے۔ هٰذہٖ کا مشارٌ الیہ وہ طلاق مدخول بہا نہیں بلکہ غیر مدخول بہا ہے۔ اس تصریح سے ہمارا حوالہ غلط ہو گیا۔ مگر ہم مولانا سے ایک بات پوچھنے کی جسارت چاہیں گے کہ مدخول بہا کی جب تین طلاقیں حضرت عمرؓ نافذ کریں تو اجماع ہو جائے اور اجتہاد کی گنجائش ختم۔ مگر جب وہ غیر مدخول بہا کی تین طلاقیں نافذ کریں تو وہ مسئلہ اجتہادی ہی رہے حضرت عمرؓ کی بات اجماع نہ بن سکے۔ آخر ایک ہی طرح کے دو مسئلوں میں یہ فرق کیوں ملحوظ رکھا جاتا ہے؟

ساتواں اعتراض:- اس کے بعد مولانا کا اعتراض اُس حدیثِ طحاوی پر ہے جس کا ایک حصہ ہم نے حذف کر دیا ہے۔ اس حدیث کے نقل میں اصل موضوعِ بحث صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ معصیت ہیں۔ اس کے لئے ہم نے ابن عباسؓ کے جواب کا وہی حصہ نقل کیا جو اس سے متعلق تھا یعنی "تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور شیطان کی پیروی کی۔" آگے کا جملہ ہے فَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا (یعنی اب اس کے لئے اللہ نے کوئی راہ نہیں چھوڑی، تین طلاقیں پڑ گئیں) یہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کو بھی مولانا نے ہماری خیانتوں میں شمار کیا ہے ـــــ مولانا کا شاید خیال ایسا ہو کہ میں تین طلاقوں کے ثبوت کو سرے سے مانتا ہی نہیں اس لئے انھوں نے اس ٹکڑے کو اہم بنا کر پیش کیا۔ حالانکہ مقالہ کے شروع ہی میں میں نے کہہ دیا ہے کہ تین طلاقوں کے تین ہونے کا مسلک اصح ہے، مگر اس کے باوجود وہ آنکھیں بند کر کے جو سمجھ میں آرہا ہے، لکھ رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ مقالہ کھول کر دیکھ لیجئے، اسی کے نیچے لکھا ہوا ہے "عبداللہ بن عمرؓ کے قصے میں دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے جو تفصیل لکھی ہے کہ حضورؐ نے جب عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پوچھا کہ اگر میں اس کو تین طلاق دے دیتا تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا تھا۔ فرمایا: لا کانت تبین منک وکانت معصیۃً (نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ فعل معصیت ہوتا)"

آخر یہ کونسا لازمی طریقہ ہے کہ آدمی اپنے مدّعا کو ثابت کرنے کے لئے کسی حدیث کا حوالہ دے تو لامحالہ وہ اوّل تا آخر پوری حدیث نقل کرے اور جبکہ بالکل وہی مفہوم آگے کی حدیث میں آرہا ہو۔

مدیر تجلّی کے اعتراضات کا بے لاگ جائزہ

از:- شمس پیرزادہ

ماہنامہ "تجلّی" دیوبند کے فاضل مدیر نے سیمینار کی کارروائی پر تنقید کرتے ہوئے راقم الحروف کے مقالہ پر بھی معارضہ فرمایا ہے۔ اس کے پیش نظر ذیل میں چند تصریحات پیش کی جارہی ہیں:-

(۱) میں نے اپنے مقالہ میں رفاعۃ القرظی والی روایت نقل کر کے لکھا تھا:

"صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں،
وَطَلَّقَهَا اٰخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ"۔ (مسلم۔ کتاب الطلاق)

اس پر مدیر "تجلّی" نے طلاق نمبر میں یہ اعتراض کیا ہے کہ:

"اب مسلم شریف کھول کر بغور ملاحظہ فرمائیے، اس میں امام مسلم نے سرے سے رفاعہ کی بیوی کا قصہ لیا ہی نہیں ہے۔ اس قضیہ کی کوئی اچھی بُری روایت ہی مسلم شریف میں موجود نہیں کہ اس کے الفاظ کی بحث پیدا ہو۔ قصہ ہے تو فاطمہ بنت قیس کی طلاق کا ہے۔ اس کی ہی ۴۲ روایتوں میں ایک روایت کے اندر راوی نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں آپ نے نقل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا تو کوئی تعلق رفاعہ قرظی والے قصے سے ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا خود انصاف فرمایا جائے کہ بہ ایں شانِ ذمہ داری آپ جیسے نکونام محبانِ حدیث فنِ حدیث میں گفتگو کریں گے تو اس غریب فن کا کیا حلیہ بنے گا؟ یعنی حد ہے کہ مسلم میں سرے سے کوئی روایت ہی زیرِ بحث قصے کی موجود نہیں اور آپ استدلال کر رہے ہیں اس کے ایک خاص جملہ سے!" (تجلّی، طلاق نمبر ص ۱۳۸)

رفاعہ قرظی والی روایت جس کا میں نے حوالہ دیا ہے، صحیح مسلم میں موجود ہے۔ البتہ سہواً کتاب النکاح کے بجائے کتاب الطلاق کا حوالہ درج ہو گیا۔ ذیل میں مکمل حوالہ درج کر رہا ہوں تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

"صحیح مسلم کتاب النکاح میں باب لاتحل المطلّقة ثلاثًا لمطلّقها حتّٰی تنکح زوجًا غیرہٗ کے تحت حضرت عائشہؓ سے رفاعہ قرظی والی روایت درج ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں،

انها کانت تحت رفاعۃ فطلقھا آخر ثلاث تطلیقات فتزوجت بعدہٗ عبد الرحمٰن بن الزبیر

اس کے متصلاً بعد ہی دوسری روایت بھی رفاعہ قرظی کے بارے میں دوسری اسناد کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ "ان رفاعۃ طلقھا آخر ثلاث تطلیقات"۔ (صحیح مسلم شرح نووی، جلد اول، مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

حوالہ دینے میں مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ کتاب النکاح کے بجائے کتاب الطلاق کا حوالہ دے دیا۔ لیکن مدیرِ تجلی نے قطعیت کے ساتھ دعویٰ کیا کہ یہ حدیث سرے سے صحیح مسلم میں موجود ہی نہیں ہے اور میں نے اصل کتاب دیکھے بغیر اِدھر اُدھر سے جو جی میں آیا حوالہ قلم کر دیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت مجھ سے سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے مذکورہ روایت کا حوالہ صحیح مسلم کا مطالعہ کر کے ہی دیا تھا اور یہ بات ثابت بھی ہو گئی کہ مذکورہ روایت صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اب مدیرِ تجلی ہی فیصلہ فرمائیں کہ اُن کا یہ ریمارک کہاں تک صحیح ہے؟ اور اپنی بات کو عالمانہ سمجھنا اور دوسروں کی باتوں کو جہالت پر محمول کرنا کہاں تک قرینِ انصاف ہے؟

(۲) دوسری بات مدیرِ تجلی نے طلاقِ بتّہ کے بارے میں فرمائی ہے۔ میں نے رفاعہ والی روایت نقل کر کے لکھا تھا کہ اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں اور شارحِ بخاری علامہ ابن حجرؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی کہ "اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے"۔

اس پر مدیرِ تجلی نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ابن حجر کو آپ لوگ فرشتہ یا پیغمبر نہ سمجھیں ہاں سے استدلال کی جوہری نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی"۔ (طلاق نمبر، ص ۱۳۸)

سوال یہ ہے کہ اگر ابنِ حجرؒ سے غلطی ہو سکتی ہے تو اُن فقہا سے کیوں نہیں ہو سکتی جن کی تقلید کو وہ دانتوں سے پکڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں؟ جس طرح ابنِ حجرؒ کو فرشتہ یا پیغمبر سمجھنا غلط ہے اسی طرح فقہا اور ائمہ کو بھی فرشتہ یا پیغمبر سمجھنا غلط ہے۔ پھر آپ دلیل کی بجائے تقلید کی بات کیوں کرتے ہیں؟

مدیرِ تجلی مزید لکھتے ہیں:

"یہاں ابنِ حجر کا ایک سہو تو یہ ہے کہ وہ محاورے کو نظر انداز کر کے ڈکشنری کھول بیٹھے۔ طلاقِ بتّہ خود اُن کے علم میں ہے کہ تین بدعی طلاقوں کو کہا جاتا تھا یعنی جو خلافِ سنت طریقے پر دی گئی ہوں"۔

طلاق بتہ کیا ہوتی تھی، اس کے بارے میں کوئی بات واضح نہیں ہے۔ مشکوٰۃ میں رکانہ کی روایت پر لمعات سے جو حاشیہ نقل کیا گیا ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ:

وطلاق البتۃ عند الشافعی رجعیۃ لھٰذا الحدیث وإن نوی اثنتین أو ثلاثۃ فھو علی ما نوی وعند مالك ثلث وعند أبی حنیفۃ بائنۃ فتأویل الرّد عندہ تجدید النکاح۔
(مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۲۸۴)

"طلاقِ بتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کی رُو سے رجعی ہے۔ اور اگر دو یا تین طلاقوں کی اس نے نیت کی تھی تو نیت کے مطابق واقع ہوں گی۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک (طلاقِ بتہ) تین طلاقیں ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (طلاقِ بتہ) بائن ہوتی ہے اس لئے ان کے نزدیک (حدیث میں رکانہ کی بیوی کے لوٹانے کی جو بات کہی گئی ہے تو وہاں) لوٹانے سے مراد تجدیدِ نکاح ہے۔"

ترمذی میں طلاقِ بتہ کے بارے میں درج ذیل صراحت موجود ہے:

وقد اختلف أھل العلم من اصحٰب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم فی طلاقِ البتۃ فروی عن عمر بن الخطاب أنہ جعل البتۃ واحدۃً وروی عن علیٍ أنہ جعلھا ثلاثًا، وقال بعض أھل العلم فیہ نیۃ الرجل إن نوی واحدۃً فواحدۃٌ وإن نوی ثلاثًا فثلثٌ وإن نوی ثنتین لم تکن إلا واحدۃٌ وھو قول الثوری وأھلِ الکوفۃ وقال مالك بن انسٍ فی البتۃ إن کان قد دخل بھا فھی ثلاث تطلیقاتٍ وقال الشافعی إن نوی واحدۃً فواحدۃٌ یملك الرجعۃ وإن نوی ثنتین فثنتین وإن نوی ثلاثًا فثلثٌ

(ترمذی، ابواب الطلاق)

"طلاقِ بتہ کے بارے میں صحابہ کرام اور دیگر اہلِ علم کی رائیں مختلف ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلاقِ بتہ کو ایک قرار دیا تھا حضرت علیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے تین قرار دیا تھا اور بعض اہلِ علم حضرات کا قول ہے کہ طلاقِ بتہ میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ایک کی نیت کی تھی تو ایک واقع ہو گی اور اگر تین کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی تھی تو صرف ایک ہی واقع ہو گی۔ یہ ثوری اور اہلِ کوفہ کا قول ہے اور مالک بن انسؒ کا قول طلاقِ بتہ کے بارے میں یہ ہے کہ اگر مدخول بہا کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر ایک کی نیت کی تھی تو ایک واقع ہو گی اور رجوع کا اختیار باقی رہے گا اور اگر دو کی نیت کی تھی تو دو واقع ہوں گی اور اگر تین کی نیت کی تھی تو تین واقع ہوں گی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ طلاقِ بتہ کسی متعین شکل کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی مختلف شکلیں ممکن ہیں۔

اس کے بعد مدیرِ تجلّی کے اس دعوے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ طلاقِ بتّہ کا محاورہ تین طلاقوں کے لئے تھا۔ (طلاق نمبر، ص ۱۰۲)؟ مزید برآں اُن کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ طلاقِ بتّہ، طلاقِ بدعی کو کہا جاتا تھا۔ کیونکہ طلاق کے متعدد واقعات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے، ان میں طلاقِ بتّہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً رفاعہ کا واقعہ، فاطمہ بنت قیس کا واقعہ وغیرہ۔ اگر اس کا اطلاق طلاقِ بدعی ہی پر ہوتا تھا تو ماننا پڑے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہ کثرت اس بدعت کا ارتکاب ہو رہا تھا اور آپؐ کے سامنے جب یہ واقعات پیش ہوئے تو آپؐ نے اس بدعت پر تنبیہ بھی نہیں فرمائی! اتنی غیر معقول بات کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے؟

درحقیقت طلاقِ بتّہ کے معنی طلاقِ بائن کے ہیں۔ چنانچہ لغتِ حدیث کی مشہور کتاب نہایۃ میں ابن اثیر نے مبتوتہ کے معنی ھی المطلقۃ طلاقاً بائناً بیان کئے ہیں یعنی وہ مطلقہ جسے طلاقِ بائن دی گئی ہو۔ جس طرح بائن کا لفظ طلاق کی کسی ایک شکل کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب ہر وہ طلاق ہے، جس میں رجوع کا حق باقی نہیں رہتا اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ وہ غیر مدخول بہا کی ہو، مختلعہ کی ہو، یا سُنت طریقہ پر دی ہوئی تیسری طلاق ہو۔ اسی طرح بتّہ کا لفظ بھی بائن ہی کے مفہوم میں ہے۔ اس کو طلاقِ بدعی کے لئے خاص سمجھنا صحیح نہیں۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ بتّہ کا لفظ محتمل المعنی ہے تو احتمالات کی موجودگی میں حجت کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟ لہٰذا جن حدیثوں میں طلاقِ بتّہ کا ذکر آیا ہے اُن سے یکجائی تین طلاقوں کا وقوع ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) راقم الحروف نے اپنے مقالہ میں آیت فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدّت کا لحاظ نہیں کرتا۔"

مدیرِ تجلّی نے اس پر معارضہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت کا مدعا سمجھنے میں میں ناکام رہا اور یہ کہ ایک دو تین کے فرق سے اِس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ مدیرِ تجلی کے اس بیان کی تردید کے لئے مؤطا مالک کی درج ذیل روایت ہی کافی ہے:

عن عبد اللہ بن دینار قال سمعت عبد اللہ بن عمر قرأ (یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِقُبُلِ عِدَّتِهِنَّ) قال مالك یعنی بذلك أن یطلق فی کل طهر مرّةً۔ (مؤطا مالک۔ باب جامع الطلاق)

"حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو پڑھتے ہوئے سُنا یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ الخ یعنی اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو آغازِ عدّت کے لئے دو۔ مالکؒ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طُہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے۔"

یکجائی تین طلاقوں کے بارے میں امام مالکؒ کا مسلک خواہ کچھ ہو، اتنی بات تو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عدّت کا لحاظ کرنے کا مطلب ایک طہر میں ایک ہی طلاق دینا ہے۔ لیکن مدیر تجلی فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے یا تین۔

قرآن مجید میں طَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ "عدّت کے لئے طلاق دو" کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی طرح ایک مجمل حکم ہے جس طرح اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ "نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک"۔ اس مجمل آیت کی صراحت سُنّت ہی سے ہوتی ہے کہ مراد ظہر، عصر، مغرب اور عشار کی نمازیں ہیں۔ اسی طرح عدّت کے لئے طلاق دینے کا مطلب بھی سُنّت ہی سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینا ہے۔ پھر اس کو آیت سے بے تعلّق کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ سے استدلال کرتے ہوئے مغرب کی نماز عصر کے وقت ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ ایسی حرکت کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ مذکورہ آیت کے منشار کے خلاف ہے۔ اسی طرح جو شخص طہر کا لحاظ کئے بغیر بیک وقت کئی طلاقیں دیتا ہے وہ آیت فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کے منشار کے صریح خلاف کرتا ہے۔

(۴) میں نے اپنے مقالہ میں آیت فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا:

> یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدّت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے یعنی عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدّت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، کس نے ساقط کیا؟"

اس کے جواب میں مدیرِ تجلی نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں: ایک یہ کہ خود قرآن ہی کی نص موجود ہے:

> "پھر اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو اس کے بعد عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے"

اس کے بعد مدیرِ تجلی نے سوال قائم کیا ہے:

> "زید نے یکم جون ۱۹۶۸ء کی صبح چھ بجے بیوی کو ایک طلاق دی، دوسری دوپہر کو بارہ بجے دی، تیسری شام کو سات بجے دی۔ کیا یہ تین مرتبہ میں تین طلاقیں نہیں ہوئیں؟"

یہی وہ اندازِ فکر ہے جس نے نہ صرف طلاق کے احکام کو بلکہ پوری شریعت کو پیچیدہ اور مشکل بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب اس طرح کی فقہی موشگافیوں پر اعتراض کیا جاتا ہے تو جواب میں اہلِ حدیث ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان فرضی باتوں کا واقعات سے کیا تعلق ؟ راقم الحروف کے پاس آج تک جتنے بھی استفتے تین طلاق کے سلسلہ میں آئے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں تھا کہ کسی نے صبح پہلی، دوپہر میں دوسری اور شام میں تیسری طلاق دی ہو اور نہ اس قسم کا کوئی واقعہ کبھی سننے ہی میں آیا۔ اس لئے تین طلاق کے مسئلہ کو فرضی باتوں میں الجھانے یا بنی اسرائیل کی گائے ثابت کر دکھانے کی بجائے واقعیت پسندانہ نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینا چاہیئے۔

واقعہ یہ ہے کہ لوگ اسلام کے معاشرتی احکام سے عدم واقفیت اور جذبات سے مغلوبیت کے نتیجہ میں بیک وقت تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں اور بعد میں اپنے اس کئے پر پچھتانے لگتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ وہ تین طلاقیں نہیں ہیں جو سوچنے سمجھنے کا موقع اور رجوع کا حق حاصل ہو جانے کے بعد دی جاتی ہیں۔ اس لئے اس کا حکم بھی وہ نہیں ہو سکتا جو تین طلاقوں کا ہے۔ اس میں چند مجلسوں، چند گھنٹوں یا چند دنوں کے وقفہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ "ایک مجلس کی تین طلاق" کے الفاظ تو میں نے ایک عام فہم اصطلاح ہونے کی حیثیت سے استعمال کئے تھے لیکن مدیرِ تجلی نے اس میں بھی فقہی نکتے پیدا کر دیئے، حالانکہ اس سے مراد ایک طہر کی تین طلاقیں تھیں۔

قرآن کی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ والی آیت پوری پڑھ جایئے۔ صاف معلوم ہوگا کہ تیسری طلاق کو جو مغلظہ قرار دیا گیا ہے وہ کوئی ایسی طلاق نہیں ہے جس سے پہلے رجوع کا حق ساقط کر دیا گیا ہو۔ مذکورہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "طلاق دو مرتبہ ہے، پھر معروف طریقہ پر روکے رکھنا ہے یا بھلے طریقہ پر رخصت کر دینا" اس کے بعد خلع کا ذکر ہے جو ایک طلاقِ بائن ہوتی ہے۔ اس کے بعد فائے تعقیب کے ساتھ تیسری طلاق کا حکم بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حکم نے طلاقِ مغلظہ سے پہلے عورت کے لئے خلع کا موقع اور مرد کے لئے دو مرتبہ کی طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا موقع باقی رکھا ہے۔ ایک سانس میں تین طلاقیں دینے سے حکم کا منشار کیونکر پورا ہوگا اور قرآن کی بیان کردہ تیسری طلاق کا حکم اس پر کس طرح چسپاں ہوگا؟ —— اگر مذکورہ آیت میں ایک طہر میں ایک طلاق دینے کے لئے عبارۃ النص موجود نہیں ہے تو کیا اشارۃ النص بھی موجود نہیں ہے؟ یہ فائے تعقیب کس طرف اشارہ کر رہی ہے؟ بیک وقت زبان سے تین طلاق کے الفاظ نکل جانے پر یا تیسری مرتبہ طلاق کا فیصلہ کر دینے پر؟

آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ بتاتی ہے کہ دو مرتبہ رجوع کرنے کا موقع حاصل ہے، جب ہی تو "یا تو بھلے طریقہ سے روک رکھنا ہے" فرمایا گیا ہے۔ ایک وقت کی تین طلاقوں کو نافذ مان لینے کے بعد رجوع کا موقع کہاں

باقی رہتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں وہ مصلحت فوت نہیں ہوتی جو شریعت نے تیسری طلاق کے سلسلہ میں ملحوظ رکھی ہے؟ کیا قرآن کی اس آیت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ تیسری طلاق وہ طلاق ہے جو دو رجعی طلاقوں کے بعد دی جائے؟ اور یہ کہ اس تیسری طلاق سے پہلے خلع کا موقع بھی حاصل ہے۔ یک کلمہ دی جانے والی تین طلاقوں کے بعد خُلع کا موقع کہاں باقی رہتا ہے؟ کیا آیتِ مذکورہ کے یہ تمام متضمنات سُنّت طریقہ پر دی جانے والی طلاق کی طرف کھُلا اشارہ نہیں کر رہے ہیں؟ اس آیت سے مشروع طلاق کا حکم نکلتا ہے یا بدعی طلاق کا؟ اگر مشروع طلاق کا حکم نکلتا ہے تو کیا مشروع طلاق کے لئے ایک طُہر میں ایک طلاق دینے کی قید نہیں ہے؟ آیت کے ان تمام متضمنات اور ان تمام مصالح سے جو اسلام نے اپنے ضابطۂ طلاق میں ملحوظ رکھے ہیں، صرفِ نظر کر کے تیسری طلاق کے اس حکم کو ایک سانس میں دی جانے والی تین طلاقوں پر چسپاں کر دینا اس عاجز کے لئے جو نہ مقلد ہے اور نہ کسی مسلک کا پابند، بالکل ناقابلِ فہم ہے۔

دوسری بات مدیرِ تجلّی نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ:

"جب قرآن ہی سے معلوم ہو گیا کہ عدّت میں رجوع کا استحقاق مرد کو صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ طلاقیں دینے میں جلدبازی نہ کرے۔ اگر جلدبازی کرے گا تو یہ زمانِ عدت میں استحقاق سلب ہو جائے گا، تو کیا آپ کا نص کا مطالبہ اب یہ معنی رکھتا ہے کہ کوئی اور قرآن آسمان سے نازل کرایا جائے؟" (طلاق نمبر ص ۱۲۷)

معاذاللہ! گویا تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر نصِ قطعی موجود ہے لیکن میں ماننے سے تسلیم نہیں کر رہا ہوں! جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو آدمی اپنی بات منوانے کے لئے اسی طرح کی جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی نصِ قطعی موجود ہے تو کیا وہ علامہ ابنِ تیمیہؒ اور علامہ ابنِ قیمؒ کو بھی دکھائی نہیں دی یا انھوں نے دانستہ اس سے انکار کیا؟

زاویۂ نظر کی یہ تنگی اختلافات کی خلیج کو ہمیشہ وسیع ہی کرتی رہی ہے۔ کاش ہمارے فقیہانِ حرم بحث و تحقیق کے آداب سے آشنا ہوتے! اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی بات کو ہرگز حرفِ آخر قرار نہ دیتے بلکہ نصوص کی تعبیر اور اجتہاد کے معاملہ میں آراء کا جو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس کے لئے گنجائش تسلیم کر لیتے۔

مدیرِ تجلّی نے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان میں سے ہر بات محتاجِ ثبوت ہے۔ بتایا جائے قرآن میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ جلدبازی کی صورت میں رجوع کا حق ساقط ہو گا، یا زمانِ عدت میں رجوع کا استحقاق سلب ہو جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ آیتِ قرآنی کی یہ ایک تعبیر ہے، لیکن دوسری تعبیر وہ ہے جو

فرایقِ ثانی کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا کہ اس کی اختیار کردہ تعبیر ہی نصِ قطعی کی حیثیت رکھتی ہے؟ گویا جو کچھ اس نے سمجھا وہ قرآن اور دین ہے اور جو دوسرے نے سمجھا وہ جہلِ مرکب!

(۵) مدیرِ تجلّی نے اگست وستمبر ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں تین یکجائی طلاقوں کے تین واقع ہونے پر احادیث اور صحابۂ کرامؓ کے متعدد فتوے نقل کئے ہیں۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ان میں سے بیشتر حدیثوں پر میں اپنے مقالہ میں گفتگو کر چکا ہوں کہ تین کے وقوع پر کوئی بھی حدیث ایسی موجود نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی۔ رہی دارقطنی وغیرہ کی حدیثیں تو اوّلاً اتنے اہم مسئلہ میں دارقطنی جیسی تیسرے درجہ کی کتاب کسی حکم کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ ثانیاً اس قسم کی حدیثوں کے بارے میں علامہ ابنِ تیمیہؒ نے لکھا ہے:

ولم ینقل احدٌ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باسنادٍ منقولٍ أنّ أحداً طلّق امرأتہ ثلاثاً بکلمۃٍ واحدۃٍ فألزمہ الثلاث بل روی فی ذٰلک أحادیث کلّھا کذبٌ باتفاق أھل العلم ولٰکن جاء فی أحادیث صحیحۃ أنّ فلاناً طلّق امرأتہ ثلاثاً أی متفرقۃً	کسی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسناد کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ نقل نہیں کیا ہے کہ کسی شخص نے یک کلمہ تین طلاقیں دی ہوں اور آپؐ نے ان تین طلاقوں کو لازم کر دیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں جو حدیثیں بھی مروی ہیں وہ باتفاق اہلِ علم جھوٹی ہیں۔ ہاں احادیثِ صحیحہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے متفرق طور سے تین طلاقیں دی تھیں۔
(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۲، ص ۵۹)	

علامہ ابنِ قیمؒ دارقطنی کی حضرت معاذ بن جبلؓ والی حدیث ألزمناہ بدعتہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد میں اسمٰعیل بن اُمیہؒ ہیں جن کو دارقطنی نے خود ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

ابنِ قیمؒ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہزار طلاقوں والی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دارقطنی نے اِس حدیث کو بیان کرکے خود لکھا ہے کہ اس کے راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کہ اگر انھوں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو بیوی ان سے جُدا ہو جاتی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صحیح اور سُنن کی حدیثوں میں یہ اضافہ مذکور نہیں ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کے ایک راوی شعیب ہیں جو لیّن ہیں اور ان پر کلام کیا گیا ہے۔

حضرت حسنؓ کی حدیث کے بارے میں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی عائشہ کو تین طلاقیں دی تھیں، ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی محمد بن حمید الرازی ہیں جن کو ابو زرعہ نے کذاب اور ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو اغاثۃ اللہفان، ج ۱، ص ۳۱۷ تا ۳۱۹)

اس قسم کی ضعیف روایتیں سب مل کر بھی ایک ایسے اہم مسئلہ میں جس کا تعلق نکاح کے لازماً ٹوٹ جانے سے ہو، حجت نہیں بن سکتیں اور احکامِ دین کے بارے میں ضعیف حدیثوں کا سہارا لینا صحیح نہیں۔

رہے صحابہ کرامؓ کے فتوے جو مدیر تجلّی نے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کے حق میں نقل فرمائے ہیں، تو ان کے بارے میں عرض ہے کہ:-

اولاً صحابہ کرام سے جو فتوے منقول ہیں ان میں سے متعدد فتوے بغیر اسناد کے ہیں، اس لئے ثبوتِ اجماع کے لئے یہ ناکافی ہیں۔

ثانیاً، صحیح مسلم کی حضرت ابنِ عباسؓ والی حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے تعامل کا ذکر ہے، اگر قابلِ احتجاج سمجھی جائے تو اس سے اجماع کے دعوے کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں اور اگر قابلِ احتجاج نہ سمجھی جائے جیسا کہ مدیرِ تجلّی کا خیال ہے تو اجماع کا دعویٰ بے بنیاد ہو جاتا ہے، کیونکہ ثبوتِ اجماع کے لئے حضرت عمرؓ کا فیصلہ پیش کیا جاتا ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے۔

ثالثاً، جن روایتوں میں صحابہؓ کے فتوے بیان ہوئے ہیں، ان میں سے متعدد روایتوں کے بارے میں درایۃً کلام کی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ یہ روایتیں بتلاتی ہیں کہ ان کے زمانہ میں لوگ بیک وقت سو سو اور ہزار ہزار طلاقیں دینے لگے تھے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ اس طرح بھی طلاق دی جاتی کہ آسمان میں جتنے تارے ہیں اتنی طلاقیں۔ یہ اِکا دُکا واقعات نہیں بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقعات بہ کثرت پیش آتے رہے ہیں۔ اس لئے ان روایتوں کو قبول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ قرنِ اول کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ اُس وقت شدید معاشرتی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا، لوگ کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے لگ گئے تھے اور بدعی طلاق کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں تو

ہمارا موجودہ معاشرہ بساغنیمت معلوم ہوتا ہے کہ لوگ صرف تین طلاقیں دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک سو اور ایک ہزار طلاق کی بات تو کبھی سُننے میں بھی نہیں آتی ۔ ظاہر ہے جو روایتیں قرنِ اوّل کی اتنی غلط تصویر پیش کرتی ہوں وہ نہ قابلِ قبول ہوسکتی ہیں اور نہ لائقِ حجّت اور نہ اس قسم کی روایتوں کا ڈھیر لگانے سے اِجماع ثابت ہوتا ہے۔

رابعًا، صحابۂ کرامؓ کے کتنے فتوے ایسے ہیں جن کو متعدد فقہاء نے تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً حضرت علیؓ "تو مجھ پر حرام ہے" کو تین طلاق قرار دیتے تھے لیکن حضرت ابنِ عباسؓ اس صورت میں کفّارہ کی ادائیگی کو کافی خیال کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ کہنے والے کی نیّت اگر طلاق کی تھی تو طلاق ہوگی، اور اگر ظہار کی تھی تو ظہار ہوگا اور اگر مطلقاً یہ الفاظ کہے ہیں تو نہ طلاق ہوگی اور نہ ظہار، بلکہ صرف قسم کا کفّارہ دینا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو شاہ ولی اللہ کی شرح مؤطا کتاب الطّلاق)

میراث کے مسئلہ میں ذوی الفُروض پر ردّ (بقیہ مال لوٹانے) کا طریقہ حضرت علیؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے رائج کیا تھا، لیکن امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے اس سے اتّفاق نہیں کیا۔ لہٰذا تین یکجائی طلاقوں کے مسئلہ میں صحابۂ کرامؓ کے فتووں سے بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ " اگر تمہارے درمیان نزاع ہوجائے تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ"۔

خامسًا، صحابہؓ کے یہ فتوے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے معاشرتی حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا تھا جبکہ معاشرہ شدید بگاڑ سے دوچار نہیں ہوا تھا، لیکن بعد میں جب بگاڑ میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو نظرِ ثانی کی ضرورت اُبھر کر سامنے آئی۔ چنانچہ علّامہ ابنِ تیمیہؒ وغیرہ نے قرآن و سُنّت کی روشنی میں از سرِ نو غور فرمایا۔

آج ہمارے معاشرہ کا جو حال ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مسلمانوں کے موجودہ معاشرتی حالات تقاضا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیا جائے اور قوتِ اجتہاد سے کام لے کر اس کا حل نکالا جائے۔ اجتہاد کے لئے اہلیت یقیناً شرط ہے، لیکن یہ شرط ایسی نہیں کہ اس کو پورا کرنا ممکنات میں سے نہ ہو۔

موجودہ دَور کے مقلد علماء اجتہاد کو اتنا مشکل بنا کر پیش کرتے ہیں کہ نہ نو من تیل ہوگا والی بات کے مترادف ہو جاتا ہے۔ اور مفتی حضرات کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ حالات سے آنکھیں بند کرلیں اور پیش آمدہ مسائل پر کتاب وسُنّت کی روشنی میں غور کرنے کے بجائے شامی اور دُرِّ مختار جیسی فقہی کتابوں کے حوالے نقل کر کے پیش کریں اور اگر اجتہاد ناگزیر ہی ہو جائے تو تخریج در تخریج کا طریقہ اختیار کریں۔

آخری بات یہ ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جمہور علماء و فقہاء کا قول ہے۔ مجھے بھی اس سے انکار نہیں ہے، لیکن یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جمہور کی ہر رائے صحیح ہو اور گروہِ قلیل کی ہر رائے غلط۔ کبھی گروہ قلیل کی رائے ہی صائب ہوتی ہے۔ وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ۔ اور دین نے ہمیں جمہور علماء کا نہیں بلکہ صرف کتاب وسُنّت کا پابند بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسُنّت کی صحیح طور سے اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نوٹ: ایڈیٹر تجلی نے اگست وستمبر ۱۹۷۲ء کے شمارہ میں مولانا عروج قادری صاحب کے مراسلہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ سے استدلال کو غلط ثابت کرنا چاہا ہے۔ اس سلسلہ کی عجیب بات موصوف نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ "حضرت عمرؓ حاکم وقت تھے نہ کہ قاضی" نیز یہ کہ "اُن کا فیصلہ کسی عدالت میں بطور نظیر بھی پیش نہیں ہوتا تھا، کیونکہ عدالت میں عدالتی نظائر کام آتے ہیں، حکام کے انتظامی، یا سیاسی، یا اصلاحی اقدامات اور فیصلے کام نہیں آتے۔"

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کے مذکورہ فیصلہ کی حیثیت عدالتی نہیں بلکہ سیاسی اقدام کی تھی تو حضرت عمرؓ کے تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کرنے کی جو علماء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس کا نفاذ محض تعزیراً کیا گیا تھا، اُن کی یہ توجیہ کیوں غلط قرار دی جائے؟ مزید یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا فیصلہ عدالتی نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے تو صحابہؓ کے فتوے جن کی حیثیت بھی عدالتی فیصلوں کی نہیں ہے، حجت کس طرح بن سکتے ہیں؟

دعوتِ فکر و نظر

از قلم

جناب مولانا محمد کرم شاہ ازہری مدیر ضیائے حرم مہتمم دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ
رکن اسلامی نظریاتی کونسل و مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارش

(ع،ح)

صاحب مقالہ مولانا پیر کرم شاہ صاحب ازہری پاکستان کے علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ موصوف علمائے حنفیہ پاکستان کی بریلوی شاخ سے متعلق ایک سربرآوردہ شخصیت اور علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

محترم پیر صاحب کا زیرِ نظر رسالہ مسئلہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں ہے یعنی وہی مسئلہ بیک وقت تین طلاق دینے کا جس میں عوام کو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور جس کے لیے وہ بسا اوقات سرگردان پھرتے نظر آتے ہیں۔

مولانا موصوف نے اس مسئلہ میں سب مذاہب اور ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور "دعوتِ فکر" کے لیے خصوصاً فقہ حنفیہ کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے احناف کے سامنے پیش کیا تھا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین واطیب الصلاۃ وازکی السلام علی قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین سیدنا ومولٰنا محمد وعلٰی اٰلہ وصحبہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین

اسلام اپنی صداقت کی خود دلیل ہے۔ اس کی تعلیمات، عقائد اور احکام شرعیہ کی طویل فہرست سے کوئی سا عنوان لے لیجئے۔ اور اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے۔ آپ بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم)

مندرجہ سطور میں مجھے آپ کی خدمت میں اسلام کے نظامِ طلاق کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کا وجود مظلومیت کا مجسمہ تھا۔ یہ فرائض کے بارِ گراں کے نیچے دبی چلی جا رہی تھی۔ لیکن جہاں تک اس کے حقوق کا تعلق تھا، کسی کو ان کا احساس تک نہ تھا۔ طلاق کے سلسلے میں اسلام نے جو عادلانہ اصلاح کی اور اس اصلاح پر جو خوشگوار اور دور رس نتائج برآمد ہوئے اگر انہیں پر انسان منصفانہ نگاہ ڈالے تو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں بلکہ حکیم وعلیم خدا کا نازل کردہ دین ہے۔ اس وقت مشرق میں ہندوستان کے نیم برِاعظم میں بسنے والے لوگوں کے نزدیک ایک دفعہ شادی ہو جانے کے بعد یہ رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح مسیحی دنیا میں بھی جو سارے مغرب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی، یہ تعلق اتنا مقدس تھا کہ اس کو توڑنا سخت گناہ تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے "جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے" (متی ۱۹: ۶)

اس کے برعکس عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو ان گنت بار طلاق دے سکتا تھا چنانچہ مفسر کبیر ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی۔ اور ہر بار عدت گذرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی "لا اقربك ولا تحلين مني کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا۔ اور نہ تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔" اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا اُطَلِّقُكِ حَتّٰى اِذَا دَنَا اَجَلُكِ رَاجَعْتُكِ ثُمَّ اُطَلِّقُكِ فَاِذَا دَنَا اَجَلُكِ رَاجَعْتُكِ ("میں تجھے طلاق دوں گا

پھر جب عدت گزرنے کے قریب ہو گی تو میں رجوع کر لوں گا، پھر طلاق دوں گا اور پھر عدت گزرنے سے پہلے پہلے رجوع کر لوں گا۔ اسی طرح طلاق دیتا اور رجوع کرتا رہوں گا۔") وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہ رسالتماب رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وہ آیت نازل فرمائی جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ اور عائلی قانون میں وہ تاریخی انقلابی لیکن عادلانہ اصلاح فرمائی جس نے بڑے بڑے دانشمندوں کو محوِ حیرت کر دیا۔

اسلام کے نزدیک رشتۂ ازدواج ایک مقدس رشتہ ہے۔ یہی وہ خشتِ اول ہے جس پر تمدن وعمران کا قصرِ رفیع اٹھایا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی وحدت ہے جس سے قومیں معرضِ وجود میں آتی ہیں۔ اس کا جتنا احترام کیا جائے اتنا کم ہے لیکن بعض اوقات حالات اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی کا مل کر رہنا دونوں کے لیے شقاوت کا باعث ہوتا ہے۔ مزاجوں میں باہمی اتنا بُعد ہوتا ہے۔ کہ ان کو باہم جکڑے رکھنا دونوں کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اس تعلق کو اس کے تقدس کے باوجود منقطع کرنا دونوں کے لیے بلکہ سارے معاشرہ کے لیے بھی خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے اِس لیے اسلام نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی لیکن ساتھ ہی تنبیہ بھی کر دی کہ اِنَّ اَبْغَضَ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ ("طلاق حلال تو ہے لیکن اس کا استعمال اللہ کے نزدیک بہت مبغوض ہے۔") اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ طلاق دینے کا وہ حکیمانہ طریقہ سکھایا جس کے مطابق عمل کرنے سے اصلاحِ حال کا کوئی امکانی موقعہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اب آپ وہ طریقہ ملاحظہ فرمائیے:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ الخ (البقرہ ۵)

علامہ ابوبکر الجصاص علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے

لکھتے ہیں۔

قد ذکرت فی معناه وجوه احدها انه بیان للطلاق الذی تثبت معه الرجعة والثانی انه بیان لطلاق السنة والثالث انه امر بانه اذا اراد ان یطلقها ثلاثا فعلیه التفریق والدلیل علی ان المقصد فیه الامر بتفریق الطلاق وبیان حکم ما یتعلق بایقاع ما دون الثلاث من الرجعة انه قال (الطلاق مرتان) وذلك یقتضی التفریق لامحالة لانه لو طلق اثنتین معاً لما جاز ان یطلقها مرتین وکذلك لو دفع رجل الی آخر درهمین لم یجز ان یقال اعطاه مرتین حتی یفرق الدفع۔۔۔۔ فثبت بذلك ان ذکره للمرتین انما هو امر بایقاعه مرتین ونهی عن الجمع بینهما فی مرة واحدة (احکام القرآن ج ا ص ۸-۴۴۷)

اب ذرا تفصیلاً وہ طریقہ جسے قرآن نے بیان فرمایا۔ اور حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جس کی وضاحت فرمائی درج ذیل ہے۔

علماء احناف کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ احسن۔ حسن اور بدعی۔

(۱) طلاقِ احسن تو اس کو کہتے ہیں۔ کہ جب عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو خاوند اس سے مقاربت کرنے سے پہلے صرف ایک طلاق دے اور اس کے بعد اسے کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔

(۲) طلاقِ حسن:۔ جب عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو ایک طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو دوسری طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایامِ حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو تیسری طلاق دے۔ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس پر قطعی حرام ہو جائے گی۔ جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے بالکل ایسا نکاح جیسے اس نے پہلے خاوند سے بسنے کی نیت سے کیا تھا۔ اور پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے۔ اس وقت تک وہ دوبارہ پہلے خاوند کے عقد میں نہیں آ سکتی۔

اگر آپ طلاق کے اس طریقہ پر غور فرماویں۔ تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ زوجیت

کا رشتہ اسلام کے نزدیک کتنا اہم ہے اور اسلام اس کی سلامتی اور بقاء کا کتنا خواہاں ہے۔ خاوند کو سوچ بچار کے لیے ایک طویل وقت دیا جاتا ہے۔ کہ تم اپنے آشیانے کو درہم برہم کرنے کا قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار نہیں۔ بار بار خوب سوچ لو۔ تم اپنے ایک ایسے ساتھی کو چھوڑ رہے ہو۔ جو تمہارا جیون ساتھی ہے۔ تم اپنے بچوں کو مہرِ مادری سے محروم کر رہے ہو۔ تم ان سے وہ گود چھین رہے ہو۔ جو ان کے لیے تختِ طاؤس اور قصرِ ابیض سے زیادہ عزیز ہے۔ اسلام چاہتا ہے۔ کہ اس عرصے میں ہنگامی وجوہات کے باعث جذبات میں جو تیزی، تعلقات میں جو تلخی اور مزاج میں جو برہمی پیدا ہوگئی ہے وہ فرو ہو جائے اور اپنی رفیقۂ حیات سے مفارقت کا جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اس پر خوب غور کر لیں تاکہ پھر کفِ افسوس نہ ملتے رہیں۔ اور اشکِ ندامت نہ بہاتے رہیں۔ یہ مہلت عورت کے لیے بھی بڑی قیمتی ہے۔ وہ بھی اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل پر غور کرے۔ اور اگر زیادتی یا قصور عورت کا ہے تو وہ بھی اگر اپنی اصلاح کرنا چاہے تو کرے۔ اور اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا اپنے شریکِ حیات کو یقین دلا دے اور اس کے آئینۂ دل پر کدورت کا جو غبار جم گیا ہے۔ اسے اپنی سلیقہ شعاری سے اس مدت میں دور کر دے لیکن اگر اتنی مدتِ دراز میں بھی دونوں میں صلح نہ ہو سکے اور خاوند اپنے فیصلے پر اڑا رہے تو پھر بہتری اسی میں ہے کہ اس رشتہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ یہ پھانسی کا پھندا بن کر دونوں کے گلے میں نہ لٹکتا رہے۔ اس کے باوجود بھی یہ ہدایت فرمائی۔ کہ طلاق حیض کے ایام میں نہ ہو۔ کیونکہ ان ایام میں طبعی منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور طہر میں بھی مقاربت سے پہلے طلاق دینے کی ہدایت کی تاکہ رغبت میں فتور پیدا نہ ہو جائے۔ اور یہ دونوں عوامل کہیں مفارقت کے جذبہ کو تقویت نہ پہنچائیں۔ اس طریقہ کار سے عورت نہ تو بازیچۂ طفلاں بنی رہتی ہے۔ کہ آپ جب تک چاہیں۔ اس کی قسمت کے ساتھ کھیلتے رہیں چاہے بچاس طلاقیں دے دیں۔ اور ہر بار عدت گذرنے سے پہلے رجوع کر لیا کریں اور اسے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑے رکھیں۔ اور نہ وہ پابندی کہ میاں بیوی لاکھ چاہیں کہ ہم جدائی اختیار کریں۔ اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔ لیکن قانون کا ڈنڈا ان کے سروں پر لٹک رہا ہو۔ اور انہیں بتا رہا ہو کہ تم مرو یا جیو۔ اب تمہیں زندانِ زوجیت سے رہائی نہیں مل سکتی۔ خواہ تمہاری تخلیقی قوتوں کا دم گھٹ جائے خواہ تمہاری تعمیری صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جائیں پریم کا جو پیالہ امرت سمجھ کر تم نے خوشی سے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ لبوں سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ خواہ حالات نے اس میں زہرِ ہلاہل گھول دیا ہو۔

قرآن حکیم میں طلاق کا جو قانون مذکور ہے۔ اور اس کا جو طریقہ بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ یہی ہے۔
تقریباً تمام مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان فرمایا ہے حنفی علماء میں امام ابو بکر جصاص کی جو شان ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کی مایۂ ناز تفسیر احکام القرآن کا ایک اقتباس آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس خیال کو کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ ہی دی جائیں، تو جائز ہیں کا رد ذکر کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں۔ **حکم الطلاق ماخوذ من هذه الآيات ولولاها لم يكن الطلاق من احكام الشرع فلم يجز لنا اثباته مسنونا الا على هذه الشريطة وبهذا الوصف وقال النبي صلى الله عليه وسلم من ادخل في امرنا ما ليس منه فهو رد۔** (ص۴۴۹)

یعنی "طلاق کا حکم ان آیات سے ماخوذ ہے اگر یہ آیات نازل نہ ہوتیں تو طلاق کو احکام شرعیہ سے شمار ہی نہ کیا جاتا۔ اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ان مذکورہ شرائط اور صفات کے بغیر مسنون طریقہ پر اس کا اثبات کریں"۔

امام مذکور دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں۔ **قد روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم فی النھی عن ایقاع الثلاث مجموعۃ بما لا مساغ للتاویل فیہ۔** (احکام القرآن ج۱ ص۴۵۱)

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔ **وقال آخرون انما انزلت ھذہ الآیۃ علی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعریفا من اللہ تعالیٰ ذکرہ عبادہ سنۃ طلاقھم نساءھم اذا ارادوا طلاقھن** (ج۲ ص۲۷۶)

ان عبارتوں میں سنت کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے، ممکن ہے کسی صاحب کو سنت کا معنی متعین کرتے ہیں کوئی غلط فہمی ہو اس لیے لفظ سنت جس معنی میں یہاں مستعمل ہوا ہے۔ اس کے متعلق صاحب روح المعانی کی یہ تصریح پیش نظر رہے۔ **وانما السنۃ التفریق لما روی فی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لہ "انما السنۃ ان تستقبل الطھر استقبالا فتطلقھا لکل قرء تطلیقۃ" فانہ لم یرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من السنۃ انہ یستعقب الثواب لکونہ امرا مباحا فی نفسہ لامند وبا بل کونہ من الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین** (ج۲ ص۱۳۶)

طلاق کی تیسری قسم ـ طلاق بدعی ـ یہ اس طلاق کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ بالا طریقہ کے خلاف طلاق دی گئی ہو ـ اب اگر کوئی شخص تینوں طلاقیں ایک ساتھ ہی دے دیتا ہے ـ تو اسے طلاق بدعی کہیں گے ـ کیونکہ طلاق کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے بتایا ، اس نے اس کے خلاف طلاق دی ـ

تمام علماء احناف (و علماء مالکیہ و حنبلیہ) اس بات پر متفق ہیں کہ طلاق بدعی حرام ہے لیکن علماءِ اسلام کا اس میں اختلاف ہے ـ کہ اگر کوئی اس طرح طلاق دے تو کیا تینوں واقع ہو جاتی ہیں ـ یا ایک طلاق واقع ہوتی ہے ـ جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں ـ کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں ـ اور عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے ـ اور جب تک حتی تنکح زوجا غیرہ کی شرط پوری نہ کرے ـ اس کے عقد میں نہیں آسکتی اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس طرح صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے ـ باقی لغو ہوتی ہیں ـ علماء مصر نے جن میں علماء ازہر بھی شامل ہیں زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر قول ثانی کو ترجیح دی ہے اور اب مصر اور کئی دوسرے اسلامی ممالک میں شرعی عدالتیں اسی قانون پر عمل پیرا ہیں ـ اس سے پیشتر کہ ہم کسی فیصلے تک پہنچیں ـ پوری فراخدلی ، انتہائی خلوص اور للہیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر فریقین کے دلائل کا جائزہ لینا چاہیے ـ

اس امر میں تو سب متفق ہیں کہ قرآن حکیم نے طلاق کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق تین طہروں میں دی جائے اور تینوں طلاقیں ایک طہر میں دینے کا قرآن میں کوئی ثبوت نہیں ـ بعض حضرات نے مندرجہ آیات سے تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا جواز نکالا ہے ـ

(۱) وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ (۲) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ (۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ ـ

ان کی وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں ہر آیت میں طلاق کا ذکر ہے لیکن یہ تصریح کسی میں نہیں کہ طلاقیں جدا جدا دی گئی ہیں ـ تو پتہ چلا کہ ایک ساتھ بھی اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں ـ تو ان کا بھی یہی حکم ہے ـ تو اس کے جواب میں یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیتیں مطلق ہیں ـ دوسری آیات اور سنت نبوی نے ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے ـ اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا ـ نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاقیں دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں ـ

اب ہمیں سنتِ نبوی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور اس ذاتِ اقدس و اطہر کے ارشاداتِ طیبہ سے اس مشکل کا حل طلب کرنا ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب کی تفسیر و تشریح کے لیے مبعوث فرمایا۔ اور یہی وہ درگاہِ بیکس پناہ ہے جہاں گم کردہ راہوں کو ہدایت کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ سپہرِ علم و حکمت کا یہی وہ مہرِ درخشاں ہے جس کے سامنے انسانی عقول کے سارے ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔

وہ احادیث جن سے جمہور علماء اسلام نے استدلال فرمایا

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اَنَّ عُوَیمر العجلانی طَلَّقَ امرأتہ ثَلَاثًا بِحَضْرَۃِ رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (شیخین)

تو معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو حضورؐ اسے منع فرماتے۔ حضورؐ کا سکوت فرمانا ان کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔

جہاں تک اس حدیث کی سند کا تعلق ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ لیکن کیا اس حدیث سے استدلال درست ہے۔ تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ خود ابوبکر الجصاص اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب عویمر اپنی بیوی کے خلاف زنا کا الزام لگاتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور لعان کی آیت نازل ہوئی۔ جب لعان ہو چکا۔ تو اس کے پیشتر کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان کی تفریق کا حکم صادر فرماتے اس وقت عویمر نے تین طلاقیں دیں۔ جصاص فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جب صرف لعان سے ان کا نکاح ٹوٹ گیا تھا۔ تو اب اگر وہ طلاق دے رہے تھے۔ تو وہ لغو اور بے اثر تھی کیونکہ طلاق کا اثر تو فسخ نکاح ہے۔ جب نکاح پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ تو اب اس طلاقِ ثلاث کا کوئی مقصد نہ تھا۔ کیونکہ یہ بے اثر اور لغو تھی۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکوت اختیار فرمایا۔ جصاص فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے حنفی مذہب کے مطابق تو جب تک قاضی فسخ نکاح کا فیصلہ صادر نہ کرے صرف لعان سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ تو جس وقت اس نے تین طلاقیں دیں۔ نکاح موجود تھا۔

تو حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم کا سکوت توصحت و تورع اور جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس کے وہ دو جواب فرماتے ہیں۔

قیل له جائز ان یکون ذلك قبل ان یسن الطرق للعدة و منع الجمع بین التطلیقات فی طهر واحد فلذالك لم ینکر الشارع صلی الله علیه وسلم وجائز ایضا ان تکون الفرقة لما کانت مستحقة من غیر جهة الطلاق لم ینکر علیه ایقاعها بالطلاق۔

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں اس کا ایک اور جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ عویمرؓ اس وقت سخت غیظ کی حالت میں تھے۔ اگر انہیں کچھ کہا جاتا تو ممکن تھا کہ بارگاہ رسالت میں کوئی نازیبا کلمہ ان کے منہ سے نکل جاتا اور ایمان بھی سلب ہو کر رہ جاتا۔ حضور کریم نے عویمرؓ پر رحم فرماتے ہوئے سکوت فرمایا۔

دوسری حدیث عن القاسم بن محمد عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رجلا طَلَّقَ امرأته ثلاثا فتزوجت فطلقت فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم أتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (بخاری)

وجہ استدلال:۔ یہاں بھی تین طلاقوں کا ذکر ہے۔ اگر ان سے حرمت غلیظہ ثابت نہ ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیوں ایسا ارشاد فرماتے تو معلوم ہوا کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ دی جائیں تو وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تھیں۔ بلکہ طَلَّقَ ثَلَاثًا کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے تین بار طلاقیں دیں۔ اس لیے اس حدیث سے بھی استدلال درست نہ ہوا۔

تیسری حدیث عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰن ان فاطمة بنت قیس اخبرته اَنَّ زَوْجَهَا اَبَا حَفْصِ بْنَ الْمُغِيْرَةِ المخزومی طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلَى الْيَمَنِ فَانْطَلَقَ خَالِدُ بْنُ وَلِيْدٍ فِيْ نَفَرٍ فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ مَيْمُوْنَةَ

اُمُّ المُؤمِنِینَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھَا فَقَالُوا اِنَّ اَبَا حَفْصٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ ثَلاَثًا فَھَلْ لَھَا نَفَقَۃٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَیْسَ لَھَا نَفَقَۃٌ وَ عَلَیْھَا العِدَّۃُ ۔

وجہ استدلال :۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں ۔

اس کا جواب طَلَّقَھَا ثَلاَثًا کے الفاظ مجمل ہیں ۔ ان کا بیان دوسری حدیث میں موجود ہے ۔ جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ۔

ان ابا عمرو بن حفص بن المغیرۃ خرج مع علی بن ابی طالب الی الیمن فَاَرْسَلَ اِلیٰ اِمْرَاَتِہٖ فاطمۃَ بنتَ قَیْسٍ بِتَطْلِیْقَۃٍ کَانَتْ بَقِیَتْ مِنْ طَلَاقِھَا الخ (مسلم ص۴۸۴)

اس سے صاف واضح ہو گیا کہ اس نے پہلے دو طلاقیں دے دی تھیں یہ آخری طلاق بعد میں یمن سے بھیجی ۔ یہ الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہیں دی گئی تھیں ۔ نیز اس حدیث میں جو حکم صراحۃً مذکور ہے کہ وہ عورت جسے طلاق مغلظہ دی گئی ہو اس کا نفقہ اور سکونت خاوند کے ذمہ نہیں اس حکم صریح کو کسی امام نے بھی تسلیم نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے ۔

چوتھی روایت روی عبد الرزاق فی مصنفہ عن یحیی بن العلاء عن عبید اللہ بن الولید الوصافی عن ابراھیم بن عبید اللہ بن عبادۃ بن الصامت عن داؤد عن عبادۃ بن الصامت قال طَلَّقَ جَدِّیْ اِمْرَاَۃً لَہٗ اَلْفَ تَطْلِیْقَۃٍ فَانْطَلَقَ اَبِیْ اِلیٰ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر لہ ذلک فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اتَّقَی اللّٰہَ جَدُّکَ اَمَّا الثَّلَاثُ فَلَہٗ وَاَمَّا ۹۹۷ عُدْوَانٌ وَظُلْمٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَہٗ ۔

وجہ استدلال :۔ یہ نص صریح ہے ۔ کہ اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو واقع ہو جاتی ہیں ۔ لیکن ایک ساتھ دینے والا گنہگار ہوتا ہے ۔

اس کا جواب اس کے راویوں کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی رائے ملاحظہ فرمائیے اور اس

کے بعد خود فیصلہ کیجئے کہ کیا ایسے راویوں کی روایت سے استدلال درست ہے۔

(۱) یحیی بن العلا :۔ قال ابوحاتم لیس بالقوی وضعفہ ابن معین قال الدارقطنی متروك ۔ وقال احمد کذاب یضع الحدیث (میزان الاعتدال للذہبی)

(۲) عبید اللہ بن الولید الوصافی :۔ عن یحی لیس بشیٔ ۔ قال ابوذرعۃ والدارقطنی وغیرھا ضعیف قال النسائی متروك (میزان الاعتدال)

(۳) ابراھیم بن عبید اللہ ۔ (مجہول)

نیز اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عبادۃ کے والد اور دادے کا مشرف باسلام ہونا کسی صحیح یا منقسم روایت سے بھی ثابت نہیں۔

پانچویں روایت عن سوید بن غفلۃ قال کانت عائشۃ الخثعمیۃ عند الحسن بن علی رضی اللہ عنہ فلما قتل علی رضی اللہ عنہ قالت لتھنئك[م] یعنی ثلاثا قال فتلفعت بثیابھا وقعدت حتی قضت عدتھا فبعث الیھا ببقیۃ بقیت لھا من صداقھا وعشرۃ آلاف صدقۃ فلما جاءھا الرسول قالت (متاع قلیل من من حبیب مفارق) فلما بلغہ قولھا بکی ثم قال لولا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انہ سمع جدی یقول ایما رجل طلق امراتہ ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبھمۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ لراجعتھا ۔ (السنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

[م] الخلافۃ قال یقتل علی تظھرین الشماتۃ اذھبی انت طالق

وجہ استدلال :۔ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔

اس کا جواب اس روایت کو علامہ بیہقی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ ان کے رجال کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی آراء سن لیجئے اور پھر فرمائیے کہ کیا ایسی روایت حجت بن سکتی ہے؟

پہلی سند کے بعض رجال (۱) محمد بن حمید الرازی :۔ قال البخاری فیہ نظر وکذبہ ابوذرعۃ وعن الکوسج قال اشھد انہ کذاب قال صالح ما رایت اجرأ علی اللہ منہ کان یاخذ احادیث الناس فیقلب بعضہ لبعضا ۔ (میزان الاعتدال للذہبی)

(۲) سلمہ بن الفضل القرشی:۔ قال ابو حاتم منکر الحدیث وقال ابوذرعۃ لا اعرفہ (میزان) قال علی خرجنا من الری حتی رمینا بحدیثہ (تہذیب التہذیب ابن حجر)

دوسری سند کے ایک راوی کا حال بیان کرنا ہی کافی ہے۔ عمران بن مسلم: قال ابو احمد الزبیری رافضی کانہ جرو کلب۔ جرو کا معنی ہے پلا اور کلب کتے کو کہتے ہیں۔ نقرہ آپ خود بنا لیجئے۔

اُن علماء کے دلائل

جن کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے

پہلی دلیل اللہ تعالٰے نے طلاق دینے کا جو طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہی ہے کہ ایک ایک طلاق ہر طہر میں دی جائے۔ الطلاق مرتان الخ

اور ابوبکر جصاص کی یہ عبارت آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حکم الطلاق ماخوذ من ھذہ الآیات لولاھا لم یکن الطلاق من احکام الشرع الخ

اس آیت کی تفسیر میں انھوں نے لکھا ہے۔

انہ امر بانہ اذا اراد ان یطلقھا ثلاثا فعلیہ التفریق الخ

قرآن کریم میں ہے۔ سنعذبھم مرتین "ہم ان کو دوبارہ عذاب دیں گے"۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے ہم انہیں ایک دفعہ عذاب دیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ پھر عذاب دیں گے۔

یا حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر خاتون جنت سے فرمایا تھا کہ بیٹی نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمد للہ۔ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ یہ لونڈیوں سے بہتر ہے۔ اب اگر کوئی شخص سبحان اللہ تینتیس بار (ایک دفعہ) کہہ دے تو کیا وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

یا مثلاً ترمذی کی حدیث ہے:۔

عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال فی دبر صلاۃ الفجر وھو ثان رجلیہ قبل ان یتکلم لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيئي قدير عشر مرات
كتب له عشر حسنات الخ

اب اگر کوئی ایک بار یہ الفاظ کہہ کر دس کا عدد ساتھ بڑھا دے تو کیا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

الطلاق مرتان کے متعلق عمدۃ النحاۃ والبلغاء اثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن یوسف المعروف بابن حیان کا اقتباس ملاحظ فرمایئے وقیل المعنی بذلک تفریق الطلاق اذا اراد ان یطلق ثلاثا وھو یقتضیہ اللفظ لانہ لو طلق مرتین معًا فی لفظ واحد لما جاز ان یقال طلقہا مرتین وکذلک لو رفع الی رجل درھمین لم یجز ان یقال اعطاہ مرتین حتی یفرق الدفع فحینئذ یصدق علیہ ھکذا ابحثوا فی ھذا الموضع وھو بحث صحیح وما زال یختلج فی خاطری انہ لو قال انت طالق مرتین او ثلاثا انہ لا یقع الا واحدۃ لانہ مصدر للطلاق و یقتضی العدد فلابد ان یکون الفعل الذی ھو عامل فیہ یتکرر وجودا کما تقول ضربت ضربتین او ثلاث ضربات لان المصدر ھو مبین لعدد الفعل فمتی لم یتکرر وجودا استحال ان یکون مصدرہ ان یبین رتبۃ العدد فاذا قال انت طالق ثلاثا فھذہ لفظ واحد ومدلولہ واحد والواحد یستحیل ان یکون ثلاثا او اثنین (البحر المحیط ص۱۹۲ ج۲)

دوسری دلیل

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثہ قروء.... وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔ (البقرہ)

یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ تیسری آخری طلاق سے پہلے دو رجعی طلاقیں دی گئی ہوں۔

تیسری دلیل

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی گئی۔ کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں۔ **فقام مغضبا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم**۔ یعنی "یہ سن کر حضور فرط غضب سے کھڑے ہو گئے اور خشم گیں لہجہ میں فرمایا کہ کیا اللہ

ی کتاب کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں"۔

وجہ استدلال: ۔حضورؐ کا ایسے شخص پر ناراض ہونا جس نے تینوں طلاقیں ایک بار دی تھیں۔ اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ایسا کرنا حکم الٰہی کے سراسر خلاف ہے۔

چوتھی دلیل حدثنا سعد بن ابراھیم حدثنا ابی عن محمد بن اسحٰق حدثنی داؤد الحصین عن عکرمۃ مولی ابن عباس عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی مطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیھا حزنا شدیدا قال فسأله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کیف طلقھا قال طلقتھا ثلاثا قال فقال: فی مجلس واحد قال نعم قال انما تلك واحدۃ فارجعھا ان شئت قال فراجعھا۔ (رواہ احمد واسنادہ صحیح)

علامہ ابن حجر فتح الباری شرح البخاری میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

واخرجه احمد وابو یعلی وصححه من طریق محمد بن اسحٰق و هذا الحدیث نص فی المسئلۃ لایقبل التاویل۔

اس حدیث کا جواب جمہور علماء نے اس حدیث پر جو رد و قدح کی ہے۔ اس کو علامہ ابن حجرؒ نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی بے لاگ رائے بھی ذکر کر دی ہے۔

جمہور کا پہلا اعتراض اس کے راویوں میں محمد بن اسحاق ہے۔ ان کے متعلق اور ان کے استاد کے متعلق علماء جرح و تعدیل کا اختلاف ہے۔ اس لیے یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ اس کے جواب میں ابن حجر لکھتے ہیں۔

واجیب بانھم احتجوا فی عدۃ من الاحکام بمثل ھذا الاسناد کحدیث ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وآله وسلم رد علی ابی العاص زینب بنته بالنکاح الاوّل ولیس کل مختلف فیه مردودا۔

جمہور کا دوسرا اعتراض ابن عباسؓ کی یہ روایت ان کے فتویٰ کے خلاف ہے اس لیے آپکے فتویٰ کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ حضور کریم صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت کریں۔ اور پھر اس کے

مخالف فتویٰ دیں علامہ ابن حجر نے یہ کہہ کر اس اعتراض کا بھی اصولی جواب دے دیا۔

اجیب بان الاعتبار بروایۃ الراوی لابرأیہ۔

تیسرا اعتراض اس واقعہ کے متعلق جو روایت ابوداؤد میں ہے اس میں تین طلاق کے بجائے طلاق البتہ مذکور ہے ممکن ہے اس راوی نے طلاق البتہ سے تین طلاقیں سمجھ لی ہوں۔ اور اپنی سمجھ کے مطابق بیان کر دیا ہو۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے اس حدیث کا جواب ہو سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ مذہب شاذ ہے اس لیے اس پر عمل نہ ہوگا اس کے متعلق صاحب فتح الباری رقمطراز ہیں۔

واجیب بانہ نقل عن علی وابن مسعود وعبد الرحمٰن بن عوف والزبیر مثلہ نقل ذلک ابن مغیث فی کتاب الوثائق لہ وعزاہ لمحمد بن وضاح ونقل الغنوی ذلک عن جماعۃ من مشائخ قرطبۃ کمحمد بن تقی بن مخلد ومحمد بن عبد السلام الحسنی وغیرھما ونقلہ ابن المنذر عن اصحاب ابن عباس کعطاء وطاؤس وعمرو بن دینار ویتعجب من ابن التین حیث جزم بان لزوم الثلاث لا اختلاف فیہ وانما الاختلاف فی التحریم مع ثبوت الاختلاف کما تری ۱۲ (فتح الباری ج۹ ص۲۹۷)

پانچویں دلیل عن ابن عباس قال طلق عبد یزید ابو رکانۃ واخوتہ ام رکانۃ ونکح امرأۃ من مزینۃ فجاءت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فقالت ما یغنی عنی الا کما تغنی ھذہ الشعرۃ لشعرۃ اخذتھا من راسھا ففرق بینی وبینہ فاخذت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم حمیۃ فدعا برکانۃ واخوتہ ثم قال لجلسائہ اترون فلانا یشبہ منہ کذا وکذا من عبد یزید وفلانا یشبہ منہ کذا وکذا قالوا نعم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعبد یزید طلقھا ففعل قال راجع امرأتک ام رکانۃ واخوتہ فقال انی طلقتھا ثلاثا

یا رسول اللہ قال قد علمت راجعھا وتلا یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ (رواہ ابوداؤد)

وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے۔ اور یہ بھی نص صریح ہے۔ کہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی ہیں۔

اس کا جواب امام ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ اس سے اصح وہ حدیث ہے۔ جسے نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ نے اپنے باپ اور اس نے اس کے دادے سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ اور اس کے اصح ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔ لانھم ولد الرجل واھلہ اعلم بہ۔ یعنی "یہ روایت رکانہ کی اولاد سے ہے۔ اور اولاد اپنے باپ کے حالات سے زیادہ خبردار ہوتی ہے"۔

جواب الجواب یہ دو روایتیں دو علیحدہ علیحدہ واقعات کے متعلق ہیں۔ پہلی روایت رکانہ کے باپ عبد یزید کی طلاق کے متعلق ہے۔ اور دوسری رکانہ کی اپنی طلاق کے متعلق ہے۔ اس لیے یہاں کوئی تعارض نہیں۔

اور اگر انہیں ایک واقعہ سے ہی متعلق کیا جائے۔ جس سے حدیث کے الفاظ بالکل انکار کرتے ہیں۔ تو پھر بھی ابوداؤد کے الفاظ سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک ابن عباسؓ کی روایت کی سند بھی صحیح ہے۔ اور کسی راوی پر انہیں اعتراض نہیں ورنہ وہ ضرور اس کی تصریح فرما دیتے صرف گھر والوں کے روایت کرنے سے اصح ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ کوئی گھریلو اور نجی معاملہ تو ہے نہیں کہ اس سے صرف گھر والوں کو ہی دلچسپی ہو یہ تو احکام شرعیہ سے اہتم بالشان حکم ہے۔ اور مسائل فقہیہ اور امور شرعیہ کے سمجھنے میں جو مقام حضرت ابن عباس بحرالامہ کو حاصل ہے۔ اس پر حضرات ابن عجیر و علی کی رسائی کہاں۔ اب آپ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی تعبیر میں جو دقت اور صحت ہو گی کیا اس کا مقابلہ وہ صاحبان کر سکتے ہیں۔ اس لیے بجائے اس کے کہ اول الذکر روایت میں تاویل کر کے اسے آخر الذکر کے مطابق کیا جائے۔ اصولِ حدیث کا تقاضا یہی ہے۔ کہ غیر فقیہہ کی روایت میں تاویل کر کے اسے فقیہہ کی روایت کے مطابق بنایا جائے۔ علماءِ اصولِ حدیث نے تصریح کی ہے۔ اور اگر دو حدیثیں متعارض ہوں۔ تو مذکورہ مرجحات میں سے جس میں کوئی ایک مرجح پایا جائے۔ اسی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

چنانچہ علامہ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی میں ان مرجحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ثالثها فقه الراوی سواء کان الحدیث مروی بالمعنی او اللفظ لان الفقیه اذا سمع ما یمتنع حمله علیٰ ظاهره بحث عنه حتی یطلع علی ما یزول به الاشکال بخلاف العامی۔ (تدریب الراوی ص۱۹۵ مطبع خیریہ مصر)

نیز اہل مدینہ کا عرف یہ تھا کہ طلاق ثلاث کو طلاق البتہ کہا کرتے۔ نہ یہ کہ طلاق البتہ کو طلاق ثلاث۔ اس لیے اہل مدینہ کے عرف کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی معنی درست ہے۔ کہ جن روایتوں میں البتہ کا لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں اس کا معنی ثلاث ہے۔ اور یہ فرض کر لینا کتنا تعسف ہے کہ ابن عباس جیسے فقیہ اور بحر الامت نے عرف کے خلاف البتہ کو طلاق ثلاث سمجھ لیا ہو۔

چھٹی دلیل حدثنا اسحٰق بن ابراهیم و محمد بن رافع واللفظ لابن رافع قال اسحٰق اخبرنا وقال ابن رافع حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا محمد عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس قال کان الطلاق علیٰ عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعهد ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم (مسلم)

انہیں الفاظ کو امام احمد بن حنبل نے عبد الرزاق سے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ نمبر حدیث ۲۸۷۷ ہے۔

اس حدیث کے راویوں کے متعلق بھی علماء جرح و تعدیل کی شہادتیں سن لیجئے۔

(۱) اسحٰق بن ابراهیم بن مخلد۔ احد الائمة الاعلام ثقة حجة وسئل ابو عبد الله عن اسحٰق فقال هل اسحٰق یسئل عنه۔ اسحٰق عندنا امام من ائمة المسلمین (میزان الاعتدال)

قال النسائی اسحٰق احد الائمة ثقة مامون۔ قال ابن حبان کان اسحٰق من سادات اهل زمانه فقهاً و علماً و حفظاً۔ (تہذیب التہذیب)

(۲) محمد بن رافع :۔ قال البخاری کان من خیار عباد الله وقال النسائی الثقة المامون۔ قال مسلم بن الحجاج ثقة مامون۔ (تہذیب التہذیب)

(۳) عبد الرزاق بن همام :۔ احد اعلام الثقات۔ قال ابو زرعة الدمشقی

قلت لاحمد کان عبد الرزاق یحفظ حدیث معمر قال نعم۔
قیل له من اثبت فی ابن جریج عبد الرزاق او البرسانی قال عبد الرزاق
ابوبکر بن زنجویه سمعت عبد الرزاق یقول الرافضی کافر۔ و
قال احمد بن صالح قلت لاحمد بن حنبل هل رایت احسن حدیثا
من عبد الرزاق قال لا۔ (میزان الاعتدال)

(۴) معمر بن راشد بن ابی عمرو البصری:۔ الامام المحدث المشهور۔ و
قال احمد بن حنبل لا یضم معمر الی احد الا وجد معمر اطلب للعلم
منه واتفقوا علی توثیقه وجلالته (تہذیب الاسماء للنووی صنا)

(۵) ابن طاؤس:۔ قال ابوحاتم والنسائی ثقة وقال العجلی ثقة
وذکره ابن حبان فی الثقات وقال کان من خیار عباد الله
فضلا ونسکا ودینا وتکلم فیه بعض الرافضة (تہذیب التہذیب)

(۶) طاؤس الیمانی التابعی:۔ هو من کبار التابعین والعلماء والفضلاء
الصالحین واتفقوا علی جلالته وفضیلته ووفور علمه وصلاحه
وحفظه وتثبته وقال عمرو بن دینار ما رایت احدا قط مثل
طاؤس۔ (تہذیب الاسماء)

ساتویں حدیث

حدثنا اسحٰق بن ابراهیم قال اخبرنا روح بن
عبادۃ قال اخبرنا ابن جریج وقال وحدثنا
ابن رافع واللفظ له حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال
اخبرنی ابن طاؤس عن ابیه ان ابا الصهباء قال لابن عباس اتعلم
انما کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد النبی صلی الله
علیه وسلم وابی بکر وثلاثا من امارة عمر فقال ابن عباس
نعم (مسلم)

اس حدیث کے رواۃ کے متعلق علماء جرح وتعدیل کی آراء بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) اسحٰق بن ابراہیم:۔ ان کا ذکر پہلے گذر چکا
(۲) روح بن عبادۃ:۔ القیسی ثقة مشہور حافظ۔ وقال ابن معین وغیرہ صدوق

قال یحیی صدوق ثقۃ۔ قال البزار فی مسندہ ثقۃ مامون (میزان الاعتدال)

(۳) ابن جریج۔ قال عطاء بن ابی رباح سید اھل الحجاز ابن جریج و ذکر مناقبہ اکثر من ان تحصی۔ (تہذیب الاسماء)

(۴، ۵، ۶، ۷) محمد بن رافع۔ عبدالرزاق ابن طاؤس اور طاؤس ان سب کا ذکر گذر چکا۔

آٹھویں حدیث

حدثنا اسحق بن ابراھیم قال اخبرنا سلیمان بن حرب عن حماد بن زید عن ایوب السختیانی عن ابراھیم بن مغیرۃ عن طاؤس ان ابا الصھباء قال لابن عباس ھات من ھناتک الم یکن الطلاق الثلاث علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وابی بکر واحدۃ فقال قد کان فلما کان فی عھد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازہ علیھم (مسلم)

اس حدیث کے راویوں میں جن کا ذکر پہلے نہیں آیا۔ ان کے احوال پیش خدمت ہیں۔

(۱) سلیمان بن حرب:۔ قال ابوحاتم امام من الائمۃ۔ قال یحی ابن اکثم ثقۃ حافظ الحدیث۔ قال یعقوب کان ثقۃ ثبتا صاحب حفظ۔ (تہذیب التہذیب)

(۲) حماد بن زید:۔ ھو الامام البارع المجمع علی جلالتہ قال یحیی بن یحیی ما رایت احدا من الشیوخ احفظ من حماد (تہذیب الاسماء)

(۳) ایوب السختیانی:۔ واتفقوا علی جلالتہ وامامتہ وحفظہ وتوثیقہ ووفور علمہ وفہمہ وسیادتہ (تہذیب الاسماء)

(۴) ابراھیم بن میسرۃ:۔ تابعی جلیل واتفقوا علی انہ ثقۃ مامون۔ قال ابن عیینۃ کان من اوثق الناس واصدقھم (تہذیب الاسماء)

یہ جلیل الشان حدیث اپنی تین سندوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے اور اس کے راویوں کی جلالت شان بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں ایک ساتھ دیتا تھا۔ تو اسے عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اور خلافت صدیق اکبر میں ایک طلاق تصور کیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم کی خلافت کے پہلے دو سال تک جاری رہا۔ تیسرے سال آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اب خلاف کتاب وسنت تین طلاقیں ایک ساتھ دینے

لگے ہیں۔ تو آپ نے حکم صادر فرمایا کہ اب اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو اس کی عورت اس پر حرام ہو جائے گی (یہ بحث بعد میں آئے گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی نوعیت کیا تھی)۔

اس کا جواب جمہور علماء کرام کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ اگرچہ ان جوابات اور ان پر جو کلام کیا گیا ہے۔ اس کے ذکر میں تطویل ہے لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔

پہلا جواب یہ حکم غیر مدخول بہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دی جاتیں تو ایک ہی تصور ہوتی۔ کیونکہ وہ ایک طلاق سے ہی جُدا ہو جاتی۔ اور اس جواب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے ایوب سختیانی سے روایت کی ہے۔ کیونکہ وہاں تصریح ہے کہ یہ حکم غیر مدخول بہا کا تھا۔ اب یہ حکم جو مخصوص ہے اس کو عام حکم بنانا ہرگز درست نہیں۔

اس کا رد:۔ جس حدیث سے آپ نے استدلال کیا ہے۔ اس کے متعلق امام نووی رح نے شرح مسلم میں لکھا ہے "ھذہ الروایۃ لابی داؤد ضعیفۃ رواہ ایوب السختیانی عن قوم مجھولین عن طاؤس عن ابن عباس فلا یحتج بھا فاللہ اعلم۔

(النووی شرح مسلم ص۲۷۸)

قرطبی نے بھی اس جواب پر اعتراض کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ حدیث منسوخ ہے۔ بعض علماء نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے۔ اور بعض نے اسے ناپسند کیا ہے۔ امام نووی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

قال المازری وقد زعم من لاخبرۃ له بالحقائق ان ذلك كان ثم نسخ قال وھذا غلط فاحش لان عمر رضی اللہ عنه لاینسخ ولو نسخ وحاشاہ لبادرت الصحابۃ الی انکارہ وان اراد ھذا القائل انه نسخ فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم فذلك غیر ممتنع ولکن یخرج عن ظاھر الحدیث لانه لو کان کذلك لم یجز للراوی ان یخبر ببقاء الحکم فی خلافۃ ابی بکر و بعض خلافۃ عمر فان قیل فلعل النسخ انما ظھر لھم فی زمن عمر قلنا ھذا غلط ایضا لانه یکون قد حصل الاجماع علی الخطأ فی زمن ابی بکر

والمحققون من الاصولیین لا یشترطون انقراض العصر فی صحۃ الاجماع واللہ اعلم۔ (النووی شرح مسلم ص۴۷۸)

نیز اگر یہ حکم منسوخ ہوتا ..... تو منسوخ حکم پر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں اور صدیق اکبرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سالوں میں اس پر عمل کیوں کر جاری رہتا۔ اور یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں کہ اس کی پروا نہ کی جاتی بلکہ اس کا تعلق تو حلت و حرمت سے تھا۔

مزید برآں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ اس جواب کو قبول نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ شَیْئٍ کَانَتْ لَھُمْ فِیْہِ اَنَاۃٌ۔ ان الفاظ پر غور کیجئے اور بتائیے کہ کیا منسوخ حکم میں بھی کوئی مہلت ہوا کرتی ہے۔ حکم منسوخ تو ختم ہو چکا۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا گیا۔ اب اس میں مہلت کا کیا معنی؟ تو معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہ تھا۔ ورنہ حضرت فاروقؓ یہ نہ فرماتے۔

تیسرا جواب قرطبی نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ ایسا اہم حکم ہو۔ اور صرف ابن عباسؓ اس کی روایت کریں۔ یہ تعجب کی بات ہے۔ لیکن قرطبی خود ہی اس جواب کی تضعیف بھی کر دیتے ہیں۔ قال ھذا الوجہ یقتضی التوقف عن العمل بظاھرہ ان لم یقتض القطع ببطلانہ۔

امام محمد بن اسمٰعیل الیمنی الصنعانی سبل السلام شرح بلوغ المرام میں لکھتے ہیں:۔

ھذا مجرد استبعاد فانہ کم من سنۃ وحادثۃ انفرد بھا راو ولا یضر سیما مثل ابن عباس بحر الامۃ (سبل السلام ص۱۷۲ ج۳)

چوتھا جواب اس حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ اب جو لوگ تین طلاقیں دینے لگے ہیں۔ حضورؐ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگ تین کی بجائے ایک طلاق ہی دیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں حکم کا ذکر نہیں بلکہ واقعہ کا بیان ہے۔ یعنی لوگ عہدِ رسالت میں یوں کیا کرتے تھے۔

اس کا رد:۔ حدیث کے الفاظ اس جواب کے متحمل نہیں:۔ اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ — قال نعم۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق بنا دیا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔" اگر تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں۔

تو ایک کس کو بنایا جاتا تھا۔ صاحب روح المعانی اس جواب کے متعلق تبصرہ فرماتے ہیں۔

واعترض علیه بعدم مطابقته للظاهر المتبادر من کلام عمر لا سیما مع قول ابن عباس فهو تاویل بعید لا جواب حسن فضلا عن کونه احسن۔ (روح المعانی ص۱۳۷ ج۲)

پانچواں جواب اس حدیث میں یہ تصریح کہیں نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس بات کا علم تھا۔ دلیل تب ہو سکتی تھی کہ حضورؐ کو علم ہوتا اور حضورؐ اس سے نہ روکتے۔

اس جواب کے متعلق علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔

بان قول الصحابی کنا نفعل کذا فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حکم الرفع علی الراجح حملا علی انه اطلع علی ذلك فاقره لتوفر دواعیهم علی السؤال عن جلیل الاحکام وحقیرها۔

چھٹا جواب اجماع۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ایک بار دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی تصور ہوں گی۔ اور ان سے بینونت کبریٰ ثابت ہو گی۔ اس لیے اب اس اجماع کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اس کے خلاف عمل کرے۔ کیونکہ اجماع دلائل یقینیہ قطعیہ سے ہے۔

اگر اجماع ثابت ہو جائے۔ تو بلاشبہ وہ دلیل قطعی ہے لیکن اجماع کا ثبوت محل نظر ہے۔ اس سے پہلے رکانہ کی حدیث کے ضمن میں فتح الباری کا جو اقتباس درج کیا گیا ہے۔ اس میں علامہ ابن حجرؒ نے ان لوگوں پر اظہار تعجب کیا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ اختلاف موجود ہے۔ ابن حجرؒ کئی جلیل القدر صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد ائمہ اور علماء کے اسماء ذکر کرتے ہیں۔ جو ایک وقت میں دی گئی۔ تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔

علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں ایک مستقل فصل کے عنوان سے اس چیز کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

وذکر احمد بن محمد بن مغیث الطیطلی هذه المسئلة فی وثائقه ثم اختلف اهل العلم بعد اجماعهم علی انه مطلق لم

يلزمه عن الطلاق۔ فقال علی بن ابی طالب وابن مسعود يلزمه
طلقة واحدة وقاله ابن عباس ــــــ وقال الزبير بن العوام
وعبد الرحمٰن بن عوف رض روينا ذلك كله عن ابن وضاح
وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع شيخ هدى ومحمد
بن تقی بن مخلد ومحمد بن عبد السلام فريد وقته وفقيه
عصره واصبغ بن الحباب وجماعة سواهم۔

جس مسئلہ میں ہر زمانہ کے ائمہ اسلام اختلاف کر رہے ہوں۔ اسے کہنا کہ یہ مجمع علیہ ہے۔ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

علامہ نظام الدین حسن بن محمد النیساپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم من هؤلاء من قال لو طلقها ثنتين او ثلاثا لا يقع الا واحدة
وهذا هو الاقيس واختاره كثير من علماء اهل البيت لان
النهي يدل على اشتمال المنهي عنه على مفسدة راجحة والقول
بالوقوع سعي في ادخال تلك المفسدة في الوجود (تفسیر نیشاپوری علی ہامش
ابن جریر ص۲۶۱ ج ۲)

اس سے بھی اجماع کی نفی ثابت ہوئی۔

بالکل اسی طرح علامہ ابن حیان الاندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں تحریر کیا ہے۔

ساتواں جواب۔ اقوال صحابہ کرام رض

اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے۔ کہ صحابہ کرام رض کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباس رض راوی حدیث کا فتویٰ بھی اس کے خلاف ہے۔ تو اس روایت پر عمل کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

ان ابن عباس وابا هريرة وعبد الله بن عمرو رضي الله عنهم سئلوا
عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قال لا تحل له حتى تنكح
زوجا غيره۔

ایک روایت میں ہے۔ جاء رجل الى ابن مسعود فقال اني طلقت

امرأتی تسعا و تسعین فقال له ابن مسعود ثلاث تبینها منک و سائرھن عدوان۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں جو اس قول کی تصدیق کرتی ہے۔ اس لیے اس حدیث پر عمل کرنا اور سارے صحابہؓ کے عمل کو چھوڑ دینا خلاف انصاف ہے۔

اس کے متعلق مختصراً یہ گذارش ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالیشان کے سامنے کسی کا قول حجت نہیں۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے بھی دو روائتیں آئی ہیں۔ ایک وہ جو اوپر گذری دوسری وہ جسے مسند میں امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ فکان ابن عباس یری انما الطلاق عند کل طھر حدیث ۲۳۸۷ دوسرے صحابہ کرام رض کے اقوال کا ذکر پہلے جابجا گذر چکا ہے۔ نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ ان الاعتبار لروایة الراوی لا برأیہ "اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے کا۔" اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں رائے کے مقابلے میں روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔ تو ہم آپ کو فقہ کے بیسیوں مسائل دکھا سکتے ہیں۔ کہ فقہاء نے راوی کی روایت پر عمل کیا ہے۔ اور اس کی رائے کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ہی ایک مثال ملاحظہ فرماویں۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امر اصحابہ ان یرملوا الاشواط الثلاثة۔

اور آپ کا قول یہ ہے کہ لیس الرمل بسنة۔ اب عمل روایت پر ہے ان کی رائے پر نہیں اس روایت کے خلاف اور اس کے حق میں جو کچھ علماء کرام نے کہا وہ آپ کے سامنے ہے۔ اور آپ آسانی سے فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ اور حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

لیکن ایک خلجان ابھی تک موجود ہے۔ جس کا ازالہ از حد اہم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب طلاق ثلاث ایک طلاق شمار کی جاتی تھی تو الناطق بالصدق والصواب الفاروق بین الحق والباطل حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے برعکس حکم کیوں دیا۔

تو اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ لوگ طلاق ثلاث کی حرمت کو جانتے ہوئے اب اس کے عادی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو آپ کی سیاست حکیمانہ نے ان کو اس امر حرام سے باز رکھنے کے لیے بطور سزا حرمت کا حکم صادر فرمایا۔

اور خلیفہ وقت کو اجازت ہے۔ کہ جس وقت وہ دیکھے کہ لوگ اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کی قدر نہیں کر رہے اور ان سے استفادہ کرنے سے رک گئے ہیں۔ اور اپنے لیے عسر و شدت پسند کر رہے ہیں۔ تو بطور تعزیر انہیں ان رخصتوں اور سہولتوں سے محروم کرنے کے بعد وہ اس سے باز آجائیں۔

حضرت امیر المومنینؓ نے یہ حکم نافذ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی ارشاد گرامی ہے۔ بلکہ کہا۔

فلوانا امضیناہ علیھم۔ (" کاش ہم اس کو ان پر جاری کر دیں ")

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آپ کی رائے تھی اور امت کو اس فعل حرام سے باز رکھنے کے لیے یہ تعزیری قدم اٹھایا گیا تھا۔ اس تعزیری حکم کو صحابہ کرام نے پسند فرمایا۔ اور اسی کے مطابق فتوے دیئے۔

لیکن حدود کے علاوہ تعزیرات اور سزائیں زمانہ کے بدلنے سے بدل جایا کرتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی مقررہ تعزیر سے بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو۔ اور مصلحت کی جگہ فساد رو پذیر ہونے لگے۔ تو اس وقت اس تعزیر کا بدلنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔

غیر شادی شدہ زانی کی حد کا ذکر تو قرآن حکیم میں موجود ہے۔ کہ انہیں سو دُرے لگائے جائیں۔ لیکن حدیث میں ہے۔ مائۃ جلدۃ وتغریب عام یعنی " سو دُرے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطن کر دیا جائے "۔ جب چند آدمیوں کو جلاوطن کیا گیا تو وہ کفار کی صحبت سے متاثر ہو کر مرتد ہو گئے۔ اور علماء احناف نے یہ کہہ کر جلاوطنی کی سزا کو ساقط کر دیا۔ کہ یہ تعزیر ہے اور اب اس سے بجائے اصلاح کے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اس لیے اس تعزیر ساقط کرنی ضروری ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تعزیر کو آج باقی رکھنے سے جو مفاسد اسلامی معاشرہ میں رونما ہو رہے ہیں کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہیں اور کونسا دل ہے جو درد مند نہیں۔

لوگوں میں شرعی احکام کے علم کا فقدان ہے۔ انہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا کتنا بڑا جرم ہے۔ اور یہ تلعب بکتاب اللہ کے مرادف ہے۔ وہ غیظ و غضب کی حالت میں منہ سے بک جاتے ہیں۔ انھیں تب ہوش آتا ہے۔ جب انھیں بتایا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے ایک جنبش لب سے اپنے گھر کو برباد کر دیا۔ اس کی رفیقۂ حیات اور اس کے ننھے

بچّوں کی ماں اس پر قطعی حرام ہوگئی اس کی نظروں میں دُنیا تاریک ہوجاتی ہے۔ یہ ناگہانی مصیبت اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ پھر وہ علماء صاحبان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو باستثناء چند حضرات بڑی معصومیت سے انہیں حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں۔ اس وقت انہیں اپنے غیور رسولؐ کی وہ حدیث فراموش ہوجاتی ہے لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ ۔ "حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر بھی اللہ کی لعنت۔"

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی سن لیں۔ اس کا ترجمہ حلالہ کی اجازت دینے والے علماء خود کرلیں۔ (عوام کی تفہیم کے لئے ترجمہ بھی دیا جارہا ہے۔ ناشر)

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالتَّیْسِ الْمُسْتَعَارِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ھُوَ الْمُحَلِّلُ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ۔ (رواہ ابن ماجہ) ("کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا ضرور اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر بھی اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔")

ان علماء ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بدنصیب قبول کرلیتا ہوگا۔ تو اسلام اپنے سرم فرماؤں کی ستم ظریفی پر چیخ اٹھتا ہوگا۔ اور رہین بسنر گنبد کے مکین کی دہائی دیتا ہوگا۔

اب حالات دن بدن بد تر ہو رہے ہیں۔ جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشۂ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہو کر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجہ ان کی طرف بڑھاتے ہیں۔ اور انہیں اپنے دام تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔ اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولتِ ایمان لوٹ لی جاتی ہے۔ میرے یہ چشم دید واقعات ہیں کہ کتنے کے کتنے مرزائی اور رافضی ہوگئے۔ جب حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہو۔ جب یہ تعزیر بے غیرتی کی محرک ہو بلکہ اس کی موجودگی سے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہو ان حالات میں کیا علماء اسلام کا یہ فرض نہیں کہ امت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء پہ درِ رحمت کشادہ کریں۔ اسی قسم کے حالات سے مجبور ہو کر حکومت مصر نے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل کی جس کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات مقرر ہوئے۔

صدر .... الاستاذ الاکبر شیخ الجامع الازہر

ارکان .... (۱) رئیس المحکمۃ العلیاء الشرعیہ

(۲) شیخ المالکیہ

(۳) مفتی الدیار المصریہ

(۴) نائب السادۃ المالکیہ

(۵) ان کے علاوہ دیگر علماءِ کرام

اوران کے مشورہ اور تحقیق کے مطابق احوال شخصیہ کے قوانین میں مناسب اصلاحات کر کے سنہ ۱۹۲۰ء میں قانون ۲۵ شائع کیا گیا۔ یہ سلسلہ تحقیق جاری رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۲۹ء میں ایک دوسرا قانون ۲۵ منظور ہوا جس میں طلاق کے احکام میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ جسے علماء مصر نے منظور کیا شرعی عدالتوں میں اب اسی قانون کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ اور جامع ازہر کے کلیۃ الشریعۃ کے درجہ تخصص القضاء میں داخل نصاب ہے۔ اس قانون کی دفعہ ۳ یہ ہے۔

الطلاق المقترن بعدد لفظا واشارۃ لا یقع الا واحدۃ (الدلیل المرشد فی القوانین والاوامر للمحاکمۃ الشرعیہ ص۳۸۳)

(اسی کتاب کے صفحہ ۳۸۶ پر اس قانون کے متعلق ایک توضیحی نوٹ (مذکرۃ ایضاحیۃ) درج ہے جس میں اس قانون کے دلائل مذکور ہیں۔

طلاق کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

فالآیۃ الکریمۃ "الطلاق مرتان" الخ تکاد تکون صریحۃ فی ان الطلاق لا یکون الامرۃ بعد مرۃ وجعلت دفعات الطلاق ثلاثا لیجرب الرجل نفسہ بعد المرۃ الاولی والثانیۃ ویروضہا علی الصبر والاحتمال ولتجرب المرأۃ نفسہا ایضا حتی اذا لم تفد التجارب ووقعت الطلقۃ الثالثۃ علم انہ لیس فی البقاء خیر وان الانفصال الباث بینہما احق واولی ـــــ ولوان الناس لزموا حدود اللہ واتبعوا شریعتہ لما وقعت الشکوی من قواعد الطلاق ولبقیت العائلۃ الاسلامیۃ متینۃ العری یرفرف علیہا الہناء ولکن ضعف الاخلاق وتراخی عری المروءات اوجد فی العائلۃ الاسلامیۃ وہنا وجعل ہناءہا یزول

بنزقة من طيش

والمرأة المسلمة مهددة على الدوام بالطلاق لا تدري متى يحصل وقد لا يدري الرجل متى يحصل — ومن الواجب حماية الشريعة المطهرة وحماية الناس من الخروج عليها وقد تكفلت بسعادة الناس دينا واخرى وانها باصولها تسع الامم فى جميع الازمنة والامكنة متى فهمت على حقيقتها وطبقت على بصيرة وهدى.

ومن السياسة الشرعية ان يفتح للجمهور باب الرحمة من الشريعة نفسها — .

لهذا فكرت الوزارة فى تضييق دائرة الطلاق بما يتفق مع اصول الدين وقواعده ويوافق اقوال الائمة واهل الفقه فيه ولو من غير المذاهب الاربعة فوضعت مشروع القانون بما يتفق مع ذلك.

وليس مانع شرعى من الاخذ باقوال الفقهاء من غير المذاهب الاربعة خصوصا اذا كان الاخذ باقوالهم يؤدى الى جلب صالح عام او رفع ضرر عام بناء على ما هو الحق من آراء علماء الاصول (الدليل المرشد ص ۳۸۶)

ابھی ایک سوال جواب طلب باقی ہے وہ یہ کہ کیا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہوتے ہوئے اصول شریعت ہمیں اجازت دیتے ہیں۔ کہ ان ناگزیر مجبوریوں میں ہم کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کریں؟

اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد علی وجہ البصیرت کہا جاسکتا ہے۔ کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ علامہ محقق کمال بن ہمام الحنفی اپنی کتاب التحریر اور امیر الحاج التحریر کی شرح التقریر والتحبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

فلو التزم مذهبا معينا كابى حنيفة والشافعى فهل يلزمه الاستمرار عليه فلا يعدل عنه فى مسئلة من المسائل فقيل يلزمه لانه بالتزامه يصير ملزما به كما لو التزم مذهبه فى حكم

حادثة معينة ولانه اعتقد ان المذهب الذی انتسب الیه هوالحق فعلیه الوفاء بموجب اعتقاده (وقیل لا) یلزم وهوالاصح۔
(التقریر والتحبیر علی التحریر ص۳۵۰ ج ۳)

اب کتب فقہ پر غور فرمایئے وہاں آپ کو تصریحات ملیں گی۔ کہ بوقت شدید ضرورت دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق فقہاء احناف نے فتوے دیئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

علامہ شامی زوجہ مفقود الخبر کے متعلق لکھتے ہیں۔

قال القهستانی لوافتی یقول مالک فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن۔ وقلت نظیر هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التی بلغت برؤیة الدم ثلثة ایام ثم امتد طهرها فانها تبقی فی العدة الی ان تحیض ثلاث حیض وعند مالک تنقضی عدتها بتسعة اشهر وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علی قول مالک (شامی ص۳۶۲ ج ۳)

اسی طرح طحطاوی میں مذکور ہے۔

فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ سے بھی دو مثالیں سن لیجئے۔

سوال:۔ زید نے اپنی عورت سے غصہ کی حالت میں کہا۔ میں نے طلاق دی۔ میں نے طلاق دی۔ میں نے طلاق دی۔ اس تین بار کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں واقع نہ ہوں۔ تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس خاص صورت میں عمل کرنے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو۔ اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو۔ اگر تقلید کسی امام کی کرے گا۔ تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ اس کی نظیر مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت ممتدة الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں مفصلاً مذکور ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے۔ کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے پوچھ کے اس کے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ (حررہ الراجی عفو ربہ القوی محمد عبدالحی مجموعة الفتاویٰ اردو ص۶۸ ج ۲)

دوسری مثال:۔

سوال: ۔ زید کو عمرو دھوکہ دے کر اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ اور چند آدمیوں کو بلا کر زید سے اس کی بیوی کو جبراً تین طلاقیں دلائیں۔ چونکہ زید اور اس کی بی بی میں محبت بہت ہے۔ اب جدائی از حد شاق ہے۔ لہٰذا بضرورت بہ تقلید مذہب شافعی نکاح جائز ہے یا نہیں۔

جواب: ۔ ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی تقلید درست ہے۔ (مجموعۃ الفتاوی ص۲۳۰ ج ۲)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

ان المتأخرین افتوا بتحلیف الشھود فاقامة له موقع التزکیة علی مذهب ابن ابی لیلی۔

مسئلہ کے سارے پہلو آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی عقلی اور نقلی دلیلیں اور ان پر ہر طرح کی رد و قدح بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اب آپ خود اس کے متعلق فیصلہ فرما سکتے ہیں اس ناچیز کی ناقص رائے میں تو ان حالات میں علماء مصر اور علماء جامع ازہر کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا ارجح ہے۔

